سیرۃ النبی ﷺ پر ایک بہترین اور جامع کتاب

1

وما ارسلنک الا

رحمۃ للعلمین

تالیف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

فہرست

حرف چند علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۷

دیباچہ مؤلفؒ ۱۹

تقدیم ۲۱

مقدمہ مؤلفؒ ۲۳

عربوں کا نسب ۲۷

قیدار کا ذکر ۲۷

عرب کا محل وقوع ۲۸

عرب کی سیاسی اور اخلاقی حال ۲۸

عرب کی اخلاقی حالت ۲۹

عرب کی مذہبی حالت ۳۰

عرب [کی اہمیت بلحاظِ] محل وقوع ۳۱

نبی ﷺ کے اعلیٰ کام ۳۲

وحدت تعلیم ۳۲

معجزات مادی، معجزات علمی ۳۴

سیرت نبویؐ کی اعلیٰ خصوصیات ۳۵

آنحضرتؐ کی نبوت کی مجموعی شان ۳۴

باب اوّل: سیّد کونین ﷺ کی مکی زندگی ۳۹

فصل اول: بچپن جوانی اور بعثت ۳۹

اسم گرامی اور بچپن ۳۹

قوم کو نام پر تعجب ہوا ۴۱

ایام رضاعت ۴۱

والدہ مکرمہ [اور دادا محترم] کا انتقال ۴۲

بَحِیریٰ راہب کی ملاقات ۴۲

تجارت کا خیال ۴۳

نکاح ۴۳

قیامِ امن وانعقادِ انجمنِ حقوقِ انسانی ۴۴

قوم کی طرف سے صادق اور امین کا لقب ۴۴

حجر اسود کی تنصیب کا فیصلہ ۴۵

قربِ زمانۂ بعثت اور غارِ حرا کی خلوتیں ۴۸

بعثت و نبوت ۴۹

اخلاقِ عالیہ پر خدیجہ الکبریٰؓ کی شہادت ۴۹

آپؐ کی نبوت پر ورقہ بن نوفل کی شہادت ۵۰

نزولِ قرآن کا آغاز ۵۱

نماز اور تبلیغ کا آغاز ۵۱

سابقین اولین ۵۲

پہاڑ کی گھاٹیوں پر نماز ۵۲

علانیہ تبلیغ کا حکم ۵۲

آپؐ کی نبوت کا مقصد ۵۳

تبلیغ کے پنج گانہ مراتب ۵۳

بعثت کے وقت عالم کی حالت ۵۳

اپنے کنبے میں تبلیغ۔۔۔ ۵۵

پہاڑی کا وعظ اور اہل مکہ کو تبلیغ ۵۶

تبلیغ میں آنحضرتؐ کی کوششیں ۵۷

آپؐ کے وعظ کی بڑی بڑی باتیں ۵۷

منڈیوں اور میلوں میں تبلیغ۔۔۔ ۵۷

اسلام کے خلاف تدبیریں ۵۸

۱-اسلام لانے والوں پر جور و ستم ۵۸

۲-آنحضرتؐ کے ساتھ بد سلوکیاں ۶۰

۳-ایذا رسانی کی کمیٹیاں ۶۱

تعلیم نبوی پر کفار کی شہادت ۶۱

دشمنوں کے ریزولیوشن۔۔۔۵۷

فصل دوم: ہجرتِ حبش ۶۲

حضرت عثمانؓ کی فضیلت ۶۲

مسلمانوں کا تعاقب ۶۲

نبی ﷺ کے خلاف کفار کی چالیں ۶۳

امیر حمزہؓ کا اسلام [لانا] ۶۹

عمر فاروقؓ کا اسلام لانا ۷۰

شعب ابی طالب میں ۷۰

ابو طالب اور خدیجہ الکبریٰؓ کا انتقال ۷۱

نبیؐ کا سفر طائف ۷۲

مختلف مقامات و مواقع پر تبلیغ ۷۵

سوید بن صامتؓ کا ایمان لانا ۷۵

اہل یثرب کو تبلیغ۔۔۔۷۶

ضماد ازدی کا قبولِ اسلام ۷۶

فصل سوم: واقعہ معراج اور اس کے بعد ۷۷

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں ۷۸

طفیل بن عمرو دوسیؓ کا ایمان لانا ۸۲

ابو ذر غفاریؓ کا ایمان لانا ۸۳

اسبابِ ہجرت ۸۵

بیعتِ عقبہ اولیٰ ۸۶

بیعتِ عقبہ ثانیہ ۸۷

مصعبؓ کے وعظ پر اُسیدؓ کا ایمان لانا ۸۷

عقبہ ثانیہ پر آنحضرت ﷺ کا وعظ ۹۰

نبی ﷺ کے بارہ نقیب ۹۱

قریش نے۔۔۔دو مسلمانوں کو گرفتار کیا ۹۱

باب دوم: مدنی زندگی ۹۳

فصل اول: ہجرتِ مدینہ ۹۳

مسلمانوں کو ترکِ وطن کی اجازت ۹۳

ہجرت کی دشواریاں ۹۳

آنحضرتؐ کو شہید کرنے کی سازش ۹۵

۔۔۔ قاتلوں کے انتخاب کا طریق ۹۶

انسانی تدبیر کے مقابلے میں الٰہی تدبیر ۹۶

ایک لڑکی کی ایمانی قوت ۹۸

غار کا قیام ۹۸

غار سے روانگی ۹۹

خیمہ ام معبد پر آنحضرتؐ کا آرام ۱۰۰

آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک ۱۰۱

سابقین اولین کی شان ۱۰۲

مکہ سے باہر اسلام کی اشاعت ۱۰۳

اثنائے راہ میں بریدہؓ کا مسلمان ہونا ۱۰۳

قبا میں پہنچنا ۱۰۴

[پہلے جمعہ کا] خطبہ ۱۰۵

مدینہ کا داخلہ ۱۰۸

مکہ اور مدینہ کے حالات کا [موازنہ] ۱۱۰

یہودِ مدینہ نبیِ موعود کے منتظر تھے ۱۱۱

عیسائیانِ مدینہ، نبیِ موعود کے منتظر تھے ۱۱۲

فصل دوم: مدینے کی اسلامی ریاست ۱۱۵

میثاق مدینہ ۱۱۵

گردونواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع ۱۱۶

قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ۱۱۷

مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازشیں ۱۱۸

پہلی سازش ۱۱۸

دوسری سازش ۱۱۸

قریش کا پہلا حملہ ۱۱۸

دوسرا حملہ: غزوۂ بدر ۱۱۹

لشکر قریش کی پیش قدمی ۱۱۹

نبی ﷺ کی مشاورت ۱۱۹

حکم جہاد کی ضرورت ۱۲۰

اجازت جہاد کا پہلا حکم ۱۲۰

حکم جہاد کی وجوہات ۱۲۱

قریش کی تیسری سازش۔۔۔ ۱۲۳

تیسرا حملہ: غزوۃ السویق ۱۲۵

چوتھا حملہ: غزوۂ اُحد ۱۲۵

۔فاطمہؓ اور عائشہؓ کی خدمات ۱۲۶

عورت کے دل میں شوہر کا درجہ ۱۲۷

مائی صفیہؓ کا استقلال ۱۲۷

انس بن نضرؓ کا جوش و جان نثاری ۱۲۷

سعد بن ربیعؓ کا مسلمانوں کو پیغام ۱۲۸

عمارہؓ بن زیاد نے جان دی ۱۲۸

ابو دجانہؓ، حنظلہؓ، علیؓ، طلحہؓ کی شجاعت۔۔۔ ۱۲۸

بنو دینار کی عورت کی قوت ایمانی۔۔۔ ۱۲۹

رحمۃ للعالمین ﷺ کی درگذر۔۔۔ ۱۲۹

چوتھی سازش: دس واعظانِ اسلام۔۔۔ ۱۲۹

خبیبؓ و زیدؓ [قریش کی] قید میں ۱۳۰

جان اور محبت رسولؐ کا موازنہ ۱۳۰

پانچویں سازش: ستر معلمین اسلام۔۔۔ ۱۳۲

باب سوم: فتح مکہ ۱۳۳

فتح مکہ ۱۳۳

قریش کا پانچواں حملہ: عہد شکنی ۱۳۳

فوج کو ہدایت اور احکامِ رحم ۱۳۷

[کلید کعبہ] حق بحق دار ۱۳۸

فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ کا خطاب ۱۴۰

اسلام لانے والوں سے بیعت۔۔۔ ۱۴۰

عورتوں سے بیعت لینے کا طریق ۱۴۱

مسلمانوں کی جائدادیں ۱۴۳

مماثلت یوسفؑ و محمد ﷺ ۱۴۳

فتح مکہ کے نتائج ۱۴۵

سردار عبد مناف اور ابرہہ کا مکالمہ ۱۴۶

ہوازن، ثقیف کے حملے۔ (غزوۂ حنین) ۱۴۷

بے نظیر فیاضی اور رحم ۱۵۰

[رضاعی بہن] کی عزت ۱۵۰

مخلصین کے اخلاص کا نمونہ ۱۵۰

باب چہارم: آنحضرتؐ کی بین الاقوامی پالیسی ۱۵۱

فصل اول: یہودیوں کی شرارتیں ۱۵۱

۱-بلوہ، قتل اور بنو قینقاع کا اخراج ۱۵۲

۲-آپؐ کے قتل کی سازش۔۔۔ ۱۵۲

۳-بغاوتِ عام اور غزوۂ خندق ۱۵۳

بنو قریظہ کا انجام ۱۵۵

سعد بن معاذؓ کا فیصلہ ۱۵۶

فصل دوم: عیسائیوں سے [معاملات] ۱۵۷

داعیِ اسلام کا انتقام (جنگ موتہ) ۱۵۷

جیشِ عُشرت یا سفر تبوک ۱۵۸

تبوک میں قیام اور۔۔۔ایمان افروز خطبہ ۱۶۰

۔۔۔ذوالبجادینؓ کی وفات ۱۶۳

۔تدفین میں نبی ﷺ کا اسوہ ۱۶۵

مدینہ میں واپسی اور منافقین کے اعذار ۱۶۶

کعب بن مالکؓ کا امتحان ۱۶۶

۔۔۔اللہ ورسولہٗ اعلم ۱۶۷

...شاہ غسان کا خط ۱۶۸

بیوی سے الگ رہو ۱۶۸

مبارک ہو! توبہ قبول ہوئی ۱۶۹

لاثانی فیاضی ورحم دلی ۱۷۰

مذہب اسلام میں اکراہ وجبر نہیں ۱۷۰

اسلام اور اسیرانِ جنگ ۱۷۱

صدیقؓ وفاروقؓ کی رائے ۱۷۲

زیادہ صحیح رائے ۱۷۲

قیدیوں کے ساتھ سلوک۔۔۔ ۱۷۳

جنگ اور مصلحتِ الٰہیہ ۱۷۴

فصل سوم: شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام ۱۷۵

نبی ﷺ کا کل عالم کے لیے رسول ہونا ۱۷۵

دعوتِ عامہ کی۔۔ نظیر موجود نہ تھی ۱۷۶

مکاتیب نبویؐ کا انداز۔۔۔ ۱۷۶

بادشاہِ حبش کے نام ۱۷۷

شاہِ بحرین کا قبولِ اسلام ۱۷۹

شاہِ عمان کو دعوتِ اسلام ۱۷۹

بادشاہِ عمان کا [قبولِ] اسلام ۱۸۲

گورنرانِ دمشق و یمامہ کے نام ۱۸۳

مقوقس مصر کے نام ۱۸۳

مبلّغ اسلام کی تقریر، دربارِ مصر میں ۱۸۴

مقوقس کا جواب ۱۸۴

شہنشاہ روم کے نام ۱۸۵

ابوسفیانؓ و ہرقل کے سوال و جواب ۱۸۵

کسریٰ کو تبلیغ ۱۸۷

گورنر یمن کا فوجی دستہ ۱۸۸

کسریٰ کے قتل کی خبر اور گورنر کا قبولِ اسلام ۱۸۸

دیگر حکمرانوں کا مشرف باسلام ہونا ۱۸۹

فصل چہارم: خدمت اقدسؐ میں وفود کی آمد ۱۹۱

وفد دوس ۱۹۱

داعیانِ اسلام کے لیے ضروری ہدایات ۱۹۲

بنو ثقیف کا وفد ۱۹۳

وفد صداء ۱۹۲

قوم کی عزت کا سبق ۱۹۶

چند اہم اسلامی تعلیمات ۱۹۶

علم کی عظمت ۱۹۸

سفیروں کی حکمت ودانائی ۱۹۸

وفد عبدالقیس کا حال ۱۹۹

امر و نہی ۱۹۹

وفد بنی حنیفہ ۲۰۰

مسیلمہ کذاب اور نبیؐ کے درمیان۔ ۲۰۱

وفد طئی کا بیان ۲۰۲

وفد اَشعریین کا حال ۲۰۲

وفد ازد کا حال ۲۰۲

ایمان کی حقیقت ۲۰۳

فروہ بن عمرو الجذامی کی حاضری ۲۰۳

وفد ہمدان ۲۰۴

وفد طارق بن عبداللہ ۲۰۵

وفد تجیب ۲۰۶

تبلیغ کے لیے بے تابی ۲۰۷

التماس دُعا ۲۰۷

وفد بنی سعد ندیم ۲۰۸

آدمی اسلام لاتے ہی مسلمان۔۔۔ ۲۰۸

وفد بنی اسد ۲۰۸

وفد بہرا ۲۰۹

وفد عذرہ ۲۱۰

وفد خولان ۲۱۰

نبی ﷺ کی تعلیم کا نمونہ ۲۱۱

وفد محارب ۲۱۲

اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے ۲۱۲

وفد غسان کا حال ۲۱۲

وفد بنی الحارث ۲۱۳

فتح کاراز ۲۱۳

وفد بنی عبس کا حال ۲۱۳

وفد غامد ۲۱۴

وفد بنی فزارہ ۲۱۴

خدا کسی کی شفاعت نہیں کرتا ۲۱۴

وفد سلامان ۲۱۵

وفد نجران ۲۱۵

اہل کتاب کی شرارتیں۔۔۔ ۲۲۱

وفد نخع کا بیان ۲۲۴

چار خواب اور ان کی تعبیریں ۲۲۴

باب پنجم: مدنی دَور کے اہم واقعات ۲۲۶

مدینہ میں دہ سالہ قیام نبویؐ کے اہم واقعات ۲۲۶

تعمیر مسجد نبوی ۲۲۶

عبداللہ بن سلام کا اسلام ۲۲۷

فاضل راہب کا اسلام ۲۲۸

کمالِ نماز ۲۲۸

نماز کے طبّی واخلاقی فوائد ۲۲۹

مواخات ۲۳۰

اذان کا اجرا ۲۳۲

سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا ۲۳۳

تحویل قبلہ ۲۳۳

خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کی وجہ ۲۳۴

۔۔۔ عظمتِ کعبہ کا ثبوت، کتب سابق سے ۲۳۵

فرضیت زکوٰۃ ۲۴۱

احکامِ اسلام برائے آزادیِ غلاماں ۲۴۴

بینک اور افلاس ۲۴۴

روزے کی فرضیت اور اس کے فوائد ۲۴۵

روزہ اور چاند کی تاریخیں ۲۴۷

اُمّ الخبائث (شراب) کی حرمت ۲۴۷

ولادت۔۔۔ حضرت امام حسینؓ ۲۴۸

سردارِ نجد کا اسلام ۲۴۸

صلح حدیبیہ ۲۵۰

صلح کی شرائط ۲۵۲

عہد نامہ کب واجب العمل ہوتا ہے ۲۵۲

حملہ آور اعدا کو معافی ۲۵۳

برکاتِ معاہدہ ۲۵۴

ابو جندلؓ کے حال سے کیا نتیجہ۔۔۔ ۲۵۵

صلح کا حقیقی فائدہ ۲۵۵

مسلمانوں کا عمرہ اور اس کے نتائج ۲۵۶

غزوۂ خیبر ۲۵۶

خالدؓ بن ولید اسلام کی آغوش میں ۲۶۲

عمروؓ بن عاص کا قبولِ اسلام ۲۶۲

عدیؓ بن حاتم طائی کا ایمان لانا ۲۶۳

عدی بن حاتم کا قصّہ ۲۶۳

اسلام کا پانچواں رکن حج ۲۶۵

حج کے فوائد عظیمہ ۲۶۶

حج نبویؐ ۲۶۷

باب ششم: خطبہ حجۃ الوداع ۲۷۱

خطبہ حجۃ الوداع ۲۷۱

خطبہ غدیر ۲۸۴

باب ہفتم: وصالِ نبویؐ ۲۸۵

وصال نبویؐ ۲۸۵

۱۱ ہجری ۲۸۵

آغازِ مرض ۲۸۶

آخری ہفتہ ۲۸۷

پانچ یوم قبل از رحلت ۲۸۷

چار یوم قبل از رحلت ۲۸۸

پنج شنبہ مغرب ۲۸۹

دو یا ایک یوم قبل از رِحلت ۲۹۰

آخری دن ۲۹۰

حالت نزع ۲۹۲

غسل و تکفین ۲۹۵

نماز جنازہ ۲۹۵

باب ہشتم: تعلیماتِ نبویؐ ۲۹۷

فصل اول: خُلُقِ محمدیؐ ۲۹۷

سکوت اور کلام ۳۰۱

ہنسنا رونا ۳۰۱

غذا کے متعلق ہدایت ۳۰۲

مرض اور مریض ۳۰۲

عیادتِ بیماراں ۳۰۳

علاج ۳۰۳

خطبہ خوانی ۳۰۳

صدقہ وہدیہ ۳۰۴

اپنی تعریف ۳۰۴

۔۔۔خوش عقیدہ پن کی اصلاح ۳۰۵

مصلحتِ عامہ کالحاظ ۳۰۵

بشریت ورسالت ۳۰۵

بچوں پر شفقت ۳۰۶

بوڑھوں پر عنایت ۳۰۶

اربابِ فضل کی قدر ومنزلت ۳۰۶

خادم کے لیے دُعا ۳۰۶

ادب و تواضع ۳۰۷

شفقت و رافت ۳۰۷

عدل و رحم ۳۰۸

اعدا پر رحم ۳۰۹

جود و کرم ۳۰۹

شرم و حیا ۳۱۰

صبر و حلم ۳۱۰

عفو و رحم ۳۱۱

صدق و امانت ۳۱۲

عفّت و عصمت ۳۱۲

زہد ۳۱۳

صنفِ نازک کی آسائش کا خیال ۳۱۴

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری ۳۱۴

مردانہ ورزشیں ۳۱۵

تیر افگنی ۳۱۵

گھوڑ دوڑ ۳۱۵

مردم شماری ۳۱۵

فصل دوم: تعلیماتِ رسالت (احادیث۔۔۔میں) ۳۱۶

خدا کا حق بندوں پر اور۔۔۔ ۳۱۶

رحمت الٰہیہ کا بیان ۳۱۶

خدمت والدین ۳۱۶

نصرت باہمی ۳۱۶

مسلمان کون ہے؟ ۳۱۷

ایمان کا کمال ۳۱۷

شیرینی ایمان ۳۱۷

پسندیدہ اعمال ۳۱۷

اعمال شاقہ سے ممانعت ۳۱۷

محنت کی تعریف، مانگنے کی برائی ۳۱۸

کن لوگوں پر رشک کرنا چاہیے ۳۱۸

بہترین اخلاق کی تعلیم ۳۱۸

اخلاق رذیلہ سے نہی اور اخوت کا حکم ۳۱۸

ہمسایہ اور مہمان کا حق ۳۱۹

کلام اور خاموشی ۳۱۹

نجات کے لیے رسول ﷺ کی ضمانت ۳۱۹

صبر و شکر کی تعلیم ۳۱۹

پہلوان کون ہے؟ ۳۱۹

منادیانِ اسلام کا فرض ۳۱۹

اثر محبت ۳۲۰

قیدیوں، مسکینوں، بیماروں سے برتاؤ ۳۲۰

درخت لگانے کا ثواب ۳۲۰

حیوانات سے ہمدردی کا حکم ۳۲۰

لونڈیوں کو تعلیم دینے کا ذکر ۳۲۰

لڑکیوں کی تعلیم وادب کا ذکر ۳۲۰

منافق کون ہے؟ ۳۲۱

مہاجر کون ہے؟ ۳۲۱

قیامت کے دن سایہ ربانی۔۔۔ ۳۲۱

بادشاہ کی اطاعت کا حکم ۳۲۲

سربرآوردہ لوگوں کو معاملات میں حصہ دینا ۳۲۲

سربرآوردہ لوگوں کا کام۔۔۔ ۳۲۲

غیر مسلم زیر معاہدہ اقوام کی حفاظت ۳۲۲

زیست کا درجہ، قدر زندگانی ۳۲۳

صحت اور فراخ دستی کا درجہ ۳۲۳

ادائے قرضہ کی فضیلت ۳۲۳

دولت مندی کی تعریف ۳۲۳

مساواتِ عامہ ۳۲۳

رحمِ عامہ ۳۲۳

وارثوں کے لیے ورثہ چھوڑنے کی فضیلت ۳۲۳

عورتوں کی مثال اور ان سے گزران۔۔۔ ۳۲۴

عورت کا درجہ گھر میں ۳۲۴

ماہر قرآن کا درجہ ۳۲۴

اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام ۳۲۴

فصل سوم: تعلیماتِ قرآنی ۳۲۵

الٰہیات ۳۲۷

ذاتِ خداوندی کا عرفان ۳۲۷

سچّے دین کی تعریف ۳۲۸

۔۔۔اعمال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مطلوب ہے ۳۲۸

شریعت سے مقصود انسان کی تکمیل ہے ۳۲۸

نبی کے فرائض ۳۲۹

اعمال کی جزاو سزا۔۔۔ ۳۲۹

سنن الٰہیہ میں تبدیلی نہیں ۳۳۰

انسان کی ذاتی کوشش ہی کامیابی۔۔۔ ۳۳۰

صبر اور پرہیز گاری کا درجہ ۳۳۰

حکمت اور دانش کا درجہ ۳۳۰

صبر کا ثمرہ ۳۳۰

قطع طمع ۳۳۰

دنیوی عروج میں آخرت کو نہ بھولنا ۳۳۰

تہلکہ سے بچنا ۳۳۱

افترا اور جھوٹ ایمان کی ضد ہیں ۳۳۱

قطعی حرام چیزیں ۳۳۱

خدا کی عبادت الٰہی بپتسمہ ہے ۳۳۱

تحریر وانشادانی کی تعریف ۳۳۱

اربابِ عقل ودانش کے لیے الٰہی نشانات ۳۳۱

قسم کھانے کی ممانعت ۳۳۲

صلح کلی کی دعوت ۳۳۲

اصلاح باہمی کا حکم ۳۳۲

عفوودر گزر کی تعلیم ۳۳۲

سچی تعلیم کی صداقت۔۔۔ ۳۳۲

سلطنت کے اُصول ۳۳۳

تعلیم و تعلّم ۳۳۴

نظام تبلیغ دین ۳۳۴

تہذیب اخلاق ۳۳۵

تمدّن ۳۳۸

قصیدہ در نعت مصطفوی ﷺ ۳۴۲

قصیدہ در نعت مصطفوی ﷺ (ترجمہ) ۳۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

سیرتِ رسول کا موضوع ایک ایسا وسیع اور سدا بہار میدانِ علم ہے کہ پچھلی سوا چودہ صدیوں سے اس پر مسلسل لکھا جارہا ہے، مگر اس موضوع کی تازگی ماند نہیں پڑتی۔ اس موضوع پر بے شمار اہل علم نے قلم اٹھایا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ بہت سے غیر مسلم مصنفین نے بھی اس میدان میں اپنے قلم کو جنبش دی ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں سیرت رسول پر لکھا گیا ہے، مگر عربی کے بعد دیگر تمام زبانوں کے مقابلے میں اردو زبان خاص طور پر سیرتِ رسول کے سرمایہ سے مالامال ہے۔ اردو میں سیرت رسول پر کئی قابل قدر کتابیں دستیاب ہیں، مگر ان میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی رحمۃ للعالمین کو خاصا وقت گزرنے کے باوجود اب تک ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اُنیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ انھوں نے دین کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ سیرت رسول کے سلسلے میں بھی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو داغ دار بنانے کی مذموم کوششیں کی تھیں۔ مصنف موصوف نے نہ صرف عیسائی سکالرز کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کے مسکت جوابات دیے ہیں، بلکہ بڑے زوردار انداز میں ان کی کتابوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا ہے۔ اس کے علاوہ سیرت کے مختلف واقعات کے بارے میں سابقہ کتابوں میں موجود واضح پیشین گوئیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ ایک اہم اور منفرد بات یہ ہے کہ سیرت کے مختلف واقعات کے ماہ وسال کا تعین کرنے میں بڑی دقت نظر اور باریک بینی سے کام لیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ماہ وسال کے ساتھ عیسوی تاریخوں کا تعین اور تطابق بھی کر دیا گیا ہے۔ رحمۃ للعالمین کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے نسب نبوی کے سلسلے میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں، اور نسب نامۂ نبوی کے حصہ اول میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جدات محترمات کے نام اور ان کا نسب بھی بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح اہل بیت رسول اور ازواج مطہرات کے بارے میں بھی تفصیلی کوائف درج کیے ہیں۔ اس کے علاوہ غزوات وسرایا کی بحث میں کافی حد تک شہدائے اسلام کے بارے میں تفصیلی معلومات پیش کی ہیں۔ یہ جملہ معلومات دلچسپ اور مفید ہیں۔ ایک طرف اس کتاب کی ان خوبیوں کو دیکھیں اور دوسری طرف کتابت کی ان غلطیوں پر نگاہ ڈالیں جو شروع ہی سے اس کے مختلف نسخوں میں چلی آرہی ہیں تو دل میں ایک ہُوک سی اٹھتی ہے۔ افسوس ہے کہ بہت سے ناشرین نے بڑی حد تک کاروباری ذہنیت کے ساتھ اس کتاب کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اسے طبع کیا ہے، مگر کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس میں کتابت کی جو غلطیاں در آئی ہیں ان کو درست کرواتے۔ راقم الحروف بچپن سے اس اہم کتاب کا قاری رہا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس سے بے پناہ استفادے کی

سعادت حاصل ہوتی رہی ہے میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ کتاب کی متداول و مطبوعہ شکل سے اس کی اصل قدر و قیمت گہنا گئی ہے۔ اسے غلطیوں سے پاک کر کے شایع کرنا اہل علم کی ذمہ داری ہے۔ اب ادارہ معارف اسلامی لاہور نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اس کے معنوی حسن اور اہمیت کی طرح اسے ظاہری حسن سے بھی آراستہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تدوین نو کے ذریعے متن کو غلطیوں سے پاک کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ اس کام کے لیے ادارے کے رفیق علمی مولانا گل زادہ شیر پاؤ کی ذمہ داری لگائی گئی جنھوں نے خاصا وقت اور محنت صرف کر کے اسے موجودہ شکل دی ہے۔ ادارے کے بزرگ محقق حضرت مولانا عبدالوکیل علوی صاحب نے اس مسودے پر بڑی دقیق نگاہ سے نظر ثانی کی اور راقم کے ساتھ مشاورت سے اسے مزید نکھارنے کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دیا۔ ادارے کے کمپوزروں محمد صدیق اور عبدالرحمن انور نے صفحہ سازی، جدول سازی اور قرآنی سافٹ ویئر سے آیات لگانے میں بڑی محنت کی ہے۔ اس دوران آیات کے بعض حوالے بھی درست کیے گئے۔ الحمدللہ اب ہم اس کا حصہ اوّل شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

کتاب کے ظاہری حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے اس کو تین کے بجائے دو جلدوں میں لانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سابقہ جلد دوم کے تین ابواب: 'نسب و اہل بیت رسول'، 'امہات المؤمنین' اور 'غزوات و سرایا' کو جلد اول کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اختصار کی غرض سے مؤلف کے مختلف دیباچوں کی تلخیص شروع میں مع اشارات درج کر دی ہے۔ نیز علامہ سید سلیمان ندویؒ کی طرف سے تقدیم جو 'تقدمہ' کے عنوان سے جلد سوم کے لیے بعد از وفات مؤلف تحریر کی گئی تھی، جلد اول کے شروع میں درج کی گئی ہے۔ کتاب کے ابواب و فصول کی تقسیم نئے سرے سے کی گئی ہے، اگرچہ ترتیب میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں کی گئی۔ اس طرح جلد اول گیارہ ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

باب اول کا عنوان سید کونین کی مکی زندگی ہے۔ اس کی پہلی فصل میں آپؐ کے بچپن، جوانی اور بعثت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ دوسری فصل ہجرت حبش اور اس سے متعلقہ واقعات پر مشتمل ہے، اور فصل سوم میں واقعۂ معراج اور اس کے بعد کے واقعات کا بیان ہے۔ دوسرا باب مدنی زندگی کے عنوان سے ہے۔ چونکہ ہجرت کے اسباب مکہ ہی میں پیش آنے شروع ہوئے تھے اس لیے اسباب ہجرت کو پہلے ہی باب کی آخری فصل میں درج کیا گیا ہے۔ اس طرح دوسرا باب ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔ باب سوم فتح مکہ کے بیان پر مشتمل ہے۔ باب چہارم 'آں حضرتؐ کی بین الاقوامی پالیسی کے عنوان سے ہے۔ یہ باب چار فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں یہودیوں کی شرارتوں کا بیان ہے۔ دوسری فصل عیسائیوں سے معاملات کے عنوان سے ہے۔ تیسری فصل میں شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے اور چوتھی فصل میں خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہونے والے وفود کا بیان ہے۔ باب پنجم میں مدنی دور کے اہم واقعات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ باب ششم خطبہ حجۃ الوداع کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس موقع پر نازل ہونے والی قرآن کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم۔۔۔ کے لفظ 'آج' پر ایک لمبا حاشیہ لکھا گیا ہے۔ اس میں آپؐ کی نبوت کے بارے میں سابقہ کتابوں کی پیشیں گوئیوں کا تفصیلی بیان ہے۔ باب ہفتم میں وصالِ نبوی کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ باب ہشتم تعلیمات نبویؐ پر مشتمل ہے۔ اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل خلق محمدی کے عنوان سے ہے۔ اس میں آپؐ کے اخلاق وعادات کا بیان ہے۔ دوسری فصل تعلیمات رسالت کے عنوان سے ہے۔ اس میں آپؐ کی ان تعلیمات کا بیان ہے جو احادیث میں مذکور ہیں۔ تیسری فصل تعلیماتِ قرآنی کے بیان پر مشتمل ہے۔ باب نہم جو جلد دوم سے شامل کیا گیا ہے، نسب نبویؐ اور اہل بیت کے بیان پر مشتمل ہے۔ باب دہم میں امہات المؤمنین کا بیان ہے۔ اس کی پہلی فصل تعدد ازواج کے جواز سے بحث کرتی ہے۔ فصل دوم میں ازواج النبیؐ کے مشترکہ فضائل، آپؐ کے ساتھ ان کا نسبی قرب اور آپؐ کا ان کے ساتھ حسنِ سلوک بیان کیا گیا ہے۔ فصل سوم میں امہات المؤمنین میں سے ہر ایک کے الگ الگ حالات بیان کیے گئے ہیں۔ باب یازدہم غزوات وسرایا سے متعلق ہے۔ اس میں غزوات وسرایا کی تفصیلی فہرست مع کوائف درج ہے۔ نیز شہدا کی پوری تفصیل بھی بتائی گئی ہے۔

تدوین نو کے سلسلے میں جن امور کا اہتمام کیا گیا ہے، وہ ذیل میں مختصراً پیش ہیں۔

-تدوین نو کے سلسلے میں شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور کا ۱۹۵۳ء کا نسخہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔

-کتاب کی عبارت میں کوئی تبدیلی کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ متن میں اگر کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا ہے تو اپنے اضافے کو کھڑے بریکٹوں [] سے نمایاں کیا گیا ہے۔

- جہاں ضرورت محسوس کی گئی، وہاں عنوان کا اضافہ کرکے انھی بریکٹوں [] میں بند کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مؤلف کے عنوانات کچھ لمبے محسوس ہوئے' ان کو مفہوم میں تبدیلی کیے بغیر موجودہ تدوینی مزاج کے مطابق مختصر کر دیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے کہیں کہیں نشان حذف (۔۔۔) لگا دیا گیا ہے، مگر عموماً کوئی نشان نہیں لگایا گیا۔ بعض جگہ عنوانات کو عبارت

کے ساتھ مناسبت کی غرض سے آگے پیچھے کیا گیا ہے۔اس کے لیے کوئی نشان نہیں دیا گیا ہے، مگر اس کا اندازہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

- پیش نظر نسخے میں حواشی و حوالہ جات صفحے کی تہہ (foot note) میں درج تھے۔ ہم نے کمپیوٹر کتابت میں آسانی کی خاطر ہر فصل کے آخر میں درج کر دیے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض بیانات کے حوالے پیش نظر نسخے میں موجود نہیں تھے، نیز بعض مقامات پر حاشیے میں کسی بیان کی وضاحت ضروری سمجھی گئی۔اس سلسلے میں جن حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے ان کو پہچان کے لیے کھڑے بریکٹوں [] کے ذریعے ممیز کر دیا گیا ہے۔

- تخریج احادیث کے سلسلے میں یہ پابندی نہیں کی گئی ہے کہ جتنے مصادر میں وہ حدیث دستیاب ہو، سب کا حوالہ دیا جائے، بلکہ زیادہ تر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ مؤلف نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے، اس کے تفصیلی حوالے پر اکتفا کیا جائے۔ البتہ جہاں مؤلف کا حوالہ کسی وجہ سے غلط، یا ناقص درج کیا گیا ہے، وہاں اس کی تکمیل و تصحیح کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر مؤلف کے ثانوی حوالے کے ساتھ اصل مصدر کو تلاش کر کے لکھا گیا ہے۔

-احادیث کے حوالے زیادہ تر کمپیوٹر پروگرام المکتبۃ الشاملۃ سے تلاش کیے گئے ہیں اور احادیث کا وہی نمبر درج کیا گیا ہے جو اس مکتبہ میں موجود تھا۔

- عربی عبارتوں پر اعراب لگا دیا گیا ہے، خصوصاً جہاں قاری سے غلطی کا احتمال ہے۔

- بعض عربی عبارتوں کے ساتھ مصنف نے ترجمہ نہیں دیا تھا، ایسے مقامات پر ترجمہ موقع و محل کے لحاظ سے کبھی حاشیے اور کبھی متن میں کھڑے بریکٹوں [] کے اندر دے دیا گیا ہے۔ کتاب کے محقق و تدوین کار نے بلاشبہہ اس کام کی تکمیل میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنے فرائض ادا کیے ہیں۔ ادارے کے دیگر رفقا نے بھی ان کے ساتھ کما حقہٗ تعاون کیا ہے۔ آخری مرحلے میں مولانا عبدالوکیل علوی صاحب نے مسودے کو پوری باریک بینی کے ساتھ پڑھا اور بعض اہم امور کی نشان دہی کی۔ اس تدوین نو سے راقم اور دیگر استفادہ کنندگان کی ایک دیرینہ تمنا پوری ہوئی ہے۔ میں اس پر اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہوں اور ادارے کے تمام رفقا، خصوصاً مولانا عبدالوکیل علوی اور مولانا گل زادہ شیر پاؤ کے حق میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے انعامات سے نوازے۔ ہم حسب سابق اپنی اس پیش کش پر بھی اپنے محسنین اور قدر دان اہل علم کی آرا اور رہنمائی کے لیے چشم براہ ہیں۔

حافظ محمد ادریس

ڈائریکٹر ادارہ معارفِ اسلامی، لاہور

۲۲؍ جنوری ۲۰۱۱ء

دیباچہ

از مؤلف

الحمد للّٰہ رب العالمین وسلام علی المرسلین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبدہ ورسولہ محمد نالمصطفٰی امام الانبیاء وخاتم النبیّین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الطیّبین الطاھرین رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین ط

[طبع اول] سالہاسال سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ حضرت سیدوُلدِ آدم محمد النبی الامیؐ کی سیرت پر تین کتابیں لکھ سکوں: مختصر، متوسط، مطول۔ ۱۸۹۹ء میں مختصر کتاب لکھ کر شائع کر چکا ہوں۔ اس کا نام مہرِ نبوت ہے۔ متوسط کتاب کا نام رحمۃٌ للعالمینؐ تجویز کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ختم ہو گی۔

میں جانتا ہوں کہ میری یہ کتاب آنحضرتؐ کے محامد و محاسن کا اظہار اسی قدر کر سکتی ہے جس قدر ذرّۂ بے مقدار، آفتابِ عالم تاب کے انوار کو آشکارا کر سکتا ہے۔ تاہم میں اس کتاب کے پیش کرنے کی جرأت صرف اس لیے کرتا ہوں کہ شاید کسی ایک انسان ہی کو اس کے مضامین سے فائدہ پہنچ سکے۔

مضامین کتاب کی نسبت اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ میں نے صحیح روایات ہی کے اندراج کرنے میں پوری کوشش و سعی کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ میری اس ناچیز محنت و عمل کو قبول فرما کر، اس کا ثواب میرے والد ماجد حاجی مولوی قاضی احمد شاہ مرحوم (المتوفی ۲۸ محرم ۱۳۲۸ھ) کے نامۂ اعمال میں ثبت فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [البقرۃ ۲:۱۲۷]

[دیباچہ جلد دوم] اہلِ خبرت آگاہ ہیں کہ سیرت نبویؐ کا لکھنا کس قدر مشکل ہے، اگر ذرّۂ بے مقدار، خورشیدِ جہاں افروز کے نورِ گیتی آرا کا مکیال بن سکتا ہے تو مجھ سا بے بضاعت کثیر الاشغال بھی، جس کا اس راہ میں کوئی یار و مددگار نہیں، درست طور پر کچھ لکھ سکتا ہے۔ لیکن ایک فرض کا احساس ہے جو سکوت پر غالب آ گیا ہے اور دردِ محبت ہے جس نے بے حس قلب کو تڑپا دیا ہے۔ توفیقِ الٰہی ہے جو برابر اس کام پر مجھے لگائے رکھتی ہے۔ جذبۂ ربّانی ہے جس کی کشش اس طریق حق پر لیے جاتی ہے۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کی صفیر کان میں گونج رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو نبی پاک ﷺ کا کلمہ خواں ہے، [اُس کے لیے] ضرور ہے کہ اپنے علم و فہم کے موافق حضورؐ کا ثناگستر بھی ہو۔ تابشِ ذرّہ اور ضوئِ قمر میں اگرچہ زمین و آسمان کا فرق ہے، مگر دونوں ایک ہی نور کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اگر ایک کی فلک گیر، ٹھنڈی، صاف روشنی ابصار کو

محوِ دیدار کرتی ہے تو دوسرے کی خاک نشیں چمک بھی راہ گیروں کے قدم لیتی ہوئی ان کی نگاہِ کرم کو کبھی کبھی اپنی جانب کھینچ ہی لیتی ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کا اعلان ہر بار ایمان کو حوصلہ افزا ہے اور اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کا ارشاد ہر ایک صحیح الوجدان کا خضرِ راہ۔ اگر میرے لیے یہ سب اسناد عماد نہ ہوتے تو کچھ شک نہیں کہ ایک حرف لکھنے کی بھی جرأت نہ ہو سکتی۔

گل چینِ سیرتِ مصطفویؐ کے سامنے ایک گلشنِ خلد بہار ہوتا ہے، جس کے ہر ایک پھول کی رنگینی و شادابی دامانِ نگہ کو بھر دینے والی ہوتی ہے۔ یہ گل چیں کا اپنا انتخاب اور مذاق ہے کہ کس پھول کو لیا اور کس کو چھوڑا، مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا وہ اس سے کم نہ تھا، جسے چُن لیا۔

[طبع ششم] یوم اشاعت سے اس کتاب کو محدثیں و مؤرخین اُدبا اور فضلا نے جس محبت اور عزت سے دیکھا اور جس کثرت سے اس کے مضامین کو کتابوں، رسالوں اور مضامین ہیں نقل کیا گیا اور جس شغف سے طالب علموں، واعظوں اور خطیبوں نے اس پر توجہ کی اور اقصائے ملک تک جس طرح اس کی اشاعت ہوئی، صلحائے اُمت نے جس تواتر کے ساتھ اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا، میں اس کے لیے اپنے مالک حکیم [و] علیم کے افضالِ عظیمہ و نعم متکاثرہ کا نہایت در نہایت شکر گزار ہوں۔ جامع اوراق کو اس امر کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ ناچیز محنت اس طرح قبول کی جائے گی۔ طبع ششم میں چند در چند معلومات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

[دیباچہ ج ۲] جلد دوم میں ایسے ضروری مضامین ہیں جن میں سے بعض کو علماء سیرت آغاز کتاب میں جگہ دیا کرتے ہیں، مگر میں نے حصہ اول کو صرف ایسے مَالَابُدَّمِنْهُ (ضروری) حالاتِ مبارکہ پر اختصار کے ساتھ محتوی رکھا تھا کہ اگر بقیہ جلدیں شائع بھی نہ ہو سکیں تب بھی وہ نقشِ ناتمام کی صورت میں غیر مکمل نظر نہ آئے۔

قاضی محمد سلیمان عفااللہ عنہ

سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول

متوطن منصور پور علاقہ ریاست پٹیالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لِلهِ الّذی لم یتّخذ ولدًا ولم یکن لهٗ شریك فی الملك ولم یکن لهٗ ولیّ من الذُّل وکبره تکبیرًا — فلله الحمد رب السموات وَرب الارض ربّ العٰلمین - ولهُ الکبریاءُ فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم —

وأشهد أن لا اِله الّا الله وَحدهٗ لا شریك لهٗ، کلمة قامت بها الارض وَالسمٰوات وخلت لاجلها جمیع الموجودات وبها ارسل الله رسله وانزل کتبه وشرع شرائعه ولاجلها نصبت الموازین ووضعت الدواوین واشهد ان محمدًا عبدهٗ ورسوله الّذی یجدونه مکتوبًا عندهم فی التّوراة والانجیل یامرهم بالمعروف وَینههم عن المنکر ویحلّ لهم الطیّبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم ارسله الله بالهدیٰ و دین الحقّ لیظهره علی الدین کله شاهدًا علی الخلائق اجمعین ونذیرًا مبینًا ورحمة للعٰلمین — ومبشّرًا المومنین بأَن لهم من الله فضلاً کبیرا — فصلّی الله تعالی علی نبّیه امینه وحیّه و خیر من خلقه سیدالمرسلین وخاتم النّبیّن امام الخیر و قائد الخیر و رسول الرحمة المبعوث بالدّین القویم والمنهج المستقیم و علی السابقین والاوّلین من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسانٍ رضی الله عنهم ورضوعنه-

اهدی الیه الهنا متواترا دارالصلوة الرهرا العزاء

والی معاشر صحبه العالین والاٰل الکرام السادة الکبراء

مَا اهتزت الارواح من نفس الصبا و تنفس الاوراح بالاضواء

امّا بعد کتاب رَحْمَةٌ لِلعَالَمِیْنَ کی یہ جلد اوّل ہے جو 1912ء/1916ء کے بعد اب بار ششم بعد صحت چھپوائی گئی ہے۔ یوم اشاعت سے اس کتاب کو محدثین و موّرخین اُدبا اور فضلاء نے جس محبّت اور عزت سے دیکھا اور جس کثرت سے اس کے مضامین کو کتابوں رسالوں اور مضامین میں نقل کیا گیا اور جس شغف سے طالب علموں، واعظوں اور خطیبوں نے اس پر توجہ کی اور اقصائے ملک تک جس طرح کی اشاعت ہوئی۔ صُلحاُمت نے جس تواتر کے ساتھ اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا، میں اس کے لیے اپنے مالک حکیم العلیم کے افضالِ عظیمہ و نعمِ متکاثرہ کا نہایت درنہایت شکر گزار ہوں۔ جامع اوراق کو اس امر کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ ناچیز محنت اس طرح قبول کی جائے گی۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔

طبع ششم میں چند در چند معلومات کا اضافہ کر دیا گیا ہے اب دعا ہے کہ رب العلمین بقیہ کتاب کے بھی جلد شائع ہونے کی توفیق فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ۔

محمّد سلیمان کان اللہ لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمہ

حضرت مسیحؑ سے قریباً دو ہزار سال پیشتر کا ذکر ہے کہ سلطنتِ بابل نہایت عروج پر تھی، سلطنت کی مالی حالت مستحکم اور فوجی طاقت زبردست تھی۔ دولت کثیر، امن بسیط نے بادشاہ کے دماغ میں نخوت و غرور اس قدر بھر دیا تھا کہ اس نے سلطنت کے معبدِ اعظم میں اپنی سونے کی مورت رکھوا کر حکم دیا تھا کہ مخلوق اسی کو سجدہ کرے اور اسی سے منت و نذر اور نیاز مانگی جایا کرے۔

رب العالمین نے اس کی ہدایت کے لیے ابراہیمؑ کو مبعوث کیا۔ ان کا سلسلہ ۹ واسطے سے حضرت نوحؑ سے جاملتا ہے، بادشاہ کو توحید کی آواز پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس کے قبول کرنے سے بادشاہ کو خدائی کے درجہ سے اُتر کر بندہ بننا پڑتا تھا۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ کا گھرانا جو بادشاہ رس تھا، اپنے خاندان کے نونہال سے ناراض ہو گیا، قوم اور سلطنت کی مخالفت دیکھ کر انھوں نے وطن چھوڑ دیا، سارہؓ جو بیوی تھی اور لوط بن فاران جو اُن کا بھتیجا تھا، دونوں نے مہاجرت میں ان کا ساتھ دیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی گذران کے لیے بھیڑ بکریاں رکھ لی تھیں، خدا نے ان میں برکت دی اور وہ بڑھ کر بہت سے گلے بن گئے۔ امساک بارش سے وہ سرسبز میدان جہاں ان کے گلے رہتے اور پلتے تھے، جب خشک بیابان بن گیا تو حضرت ابراہیمؑ وہاں سے آگے بڑھے اور مصر پہنچ گئے۔

مصر پر اس وقت جو حکمران تھا اس کا نام رقیون ۱ تھا اور وہ دراصل بابل ہی کا باشندہ تھا۔ (ممکن ہے، مصر جاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے ہم وطنی کے رشتہ کو وجہ تعارف خیال کر لیا ہو۔) بادشاہ مصر نے بی بی سارہؓ کو اپنے ملک کی خاتون سمجھ کر اپنے لیے پسند کیا، لیکن اسے خدا نے جلد معلوم کرا دیا کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی کی بیوی ہے، حضرت ابراہیمؑ کی اس نے نہایت قدر و منزلت کی اور جب وہ وہاں سے وطن کو واپس ہوئے تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ ۲ بھی ساتھ کر دی، تاکہ اسی نیک خاندان میں اس کی تربیت ہو اور وہ اپنے ہی ملک اور قدیم نسل کے باشندوں میں بیاہی جائے، اپنے مہمان نواز بادشاہ کی خوش آیند آرزو کے پورا کرنے کی غرض سے حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہؓ سے نکاح کر لیا، خدا نے انھیں پہلوٹا بیٹا اسی کے بطن سے عنایت کیا۔ اس کا نام اسماعیلؑ۔۔۔ رکھا گیا۔

بی بی سارہؓ سے دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اسحقؑ۔۔۔ رکھا گیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے دوست ابراہیمؑ کو بتا دیا تھا کہ یہ دونوں ۳ بیٹے بڑے بابرکت ہوں گے اور بڑی بڑی

۱- خطبات احمدیہ، ص ۱۰۹ (دکتور فی الآداب حسن ابراہیم حسن مصری نے اپنی تالیف تاریخ عمرو بن العاص مطبوعہ مطبعہ السعادۃ، مصر، جلد ۲، ص ۱۸۲۔ مصر میں اس بادشاہ کا نام طوطیس بن مالیا اور اس کے دارالخلافہ کا نام منف لکھا ہے۔ ص ۱۸۳ پر طوطیس کو سلاطیس کہا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ رقیون اس کا اصلی نام اور طوطیس اس کا شاہی نام تھا، اس مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی بادشاہ نے سیدہ ہاجرہ تک مصر کا غلہ پہنچانے کے لیے دریائے نیل سے بحیرہ احمر تک نہر نکالی تھی جس کی بعد میں اوربان قیصر، نیخوس، دارا نے بھی تجدید کرائی اور بالآخر عمر فاروقؓ نے اسے از سر نو نکلوایا تھا۔ ۲- ہاجرہ کو صرف یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ شہزادی ہیں بلکہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ہاں بھی ان کا درجہ بالاتر تھا، کتاب پیدایش ۱۶:۷ تا ۱۱، ۲۱:۱۷ سے واضح ہے کہ خدا کے فرشتے ہاجرہ کے سامنے خود آتے اور خدا کا حکم اسے پہنچایا کرتے تھے مگر سارہ بی بی کے سامنے کبھی کوئی فرشتہ نہیں آیا۔ کتاب پیدایش ۱۸:۱۰ سے ثابت ہے کہ سارہ کو بیٹے کی بشارت فرشتہ نے حضرت ابراہیم کی معرفت دی تھی۔ ۳- حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحقؑ کا برابر کا درجہ اور برابر کی برکت مندرجہ ذیل حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہے: (الف) خدا نے درد و غم کو سنا... ہاجرہ کے... ۱۶-۱۱ کتاب پیدایش..... سارہ کے... ۱۸-۱۴" (ب) خدا نے نام رکھا... ہاجرہ کے فرزند اسماعیلؑ کا... ۱۶-۱۱"..... سارہ کے فرزند اسحقؑ کا... ۱۷-۱۹" (ج) خدا نے برکت دی... ہاجرہ کے فرزند اسماعیلؑ کو... ۱۷-۲۰"..... سارہ کے فرزند اسحقؑ کو... ۱۷-۱۹" (د) خدا ساتھ تھا... اسماعیلؑ کے..... ۲۱-۲۰"..... اسحقؑ کے..... ۲۶-۲۴ "(ہ) قوموں اور بادشاہوں کا اسماعیلؑ..... ۲۵-۱۶" باپ ہوگا اسحقؑ..... ۱۷-۶"

قوموں کے جدّ اعلیٰ ہوں گے اور ان کی اولاد کثرت سے گنی نہ جاسکے گی۔ اس لیے باپ نے خدا کے حکم اور کنبہ والوں کی درخواست پر ان کے لیے علیحدہ علیحدہ ملک تقسیم کر دیے تھے۔

شام کا ملک اسحاقؑ کو دیا کیونکہ بابل اس کے مشرق میں تھا اور اسحقؑ کو اپنے ننھیال سے قرب کا موقع ملا۔

عرب کا ملک اسماعیلؑ کو دیا کیونکہ مصر اس کے مغرب میں تھا اور اسماعیلؑ کو اپنے ننھیال سے قریب تر رہنے کا موقع مل گیا اور بایں ہمہ دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے کہ ان کے درمیان کوئی تیسرا ملک نہ تھا تاکہ وقت پر ایک بھائی دوسرے کی امداد و اعانت کرتا رہے۔ ا؎

اسماعیل کی شادی بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ بنو جرہم عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا، اور مضاض اپنے علاقہ کا واحد فرماں روا تھا۔ اور اسحقؑ کی شادی اپنے ننھیال میں ہوئی تھی، اس طرح ایک ہی نسل کے بچوں میں جسمانی بعد بڑھتا رہا۔ لیکن رب العالمین وقتاً فوقتاً اس بُعد کو دونوں قوموں کے باہمی ملاپ اور معاونت سے دور فرماتا رہا۔

ا- پیدایش باب ۲۵، درس ۹ میں ہے کہ ابراہیمؑ کو اس کے بیٹے اسحقؑ اور اسماعیلؑ نے دفن کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں بھائی کس طرح دکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔

۲- خلاصہ تاریخ العرب، پروفیسر سیڈیو، ص ۲۳۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے خوف سے بھاگ کر عرب ہی میں پناہ لی تھی، اور پھر جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نجات دلا کر لائے، تب بیابان عرب ہی میں انھوں نے چالیس سال پورے کیے تھے۔

حضرت (داؤدؑ) بھی جب بادشاہ سموئیل کے خوف سے بھاگ کر اپنے ملک سے نکلے تھے تو عرب ہی میں آ کر ٹھہرے تھے۔

جب بنی اسرائیل کو بخت نصر نے تباہ کیا تھا تو انھیں معد بن عدنان نے عرب ہی میں آرام اور عزت سے رکھا تھا۔

حضرت اسحقؑ کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیا نے بھی اپنی الہامات میں بنی اسماعیل کی بابت بہت کچھ اشارے کیے ہیں۔

اس جگہ میرا مقصود صرف حضرت اسماعیلؑ کی بابت کچھ لکھنے کا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اور ان کی والدہ کو اس جگہ آباد کیا تھا، جہاں اب مکہ آباد ہے۔ مقدس باپ نے نامور بیٹے کی شمولیت سے اس جگہ ایک مسجد بھی (مکعب شکل کی) بنادی تھی۔ اور خدا سے دعا کی تھی کہ وہ مالک اس سنسان جگہ میں آباد ہونے والی قوم کی روزی کا خود سامان کرے، انھیں کھانے کے لیے عمدہ عمدہ میوے ترکاریاں ملتی رہیں[1] اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ایک عظیم الشان رسولؐ بھی اس مقام پر پیدا ہو۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں بارہ بیٹے ہوئے[2]۔ انھوں نے عرب کو آپس میں تقسیم کر لیا اور وہ

۱- جو لوگ مکہ جاتے ہیں ان کو دو باتیں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں: (۱) زمین مکہ میں کوئی روئیدگی یا پیداوار نظر نہیں آتی (۲) مکہ کے بازاروں میں سبز ترمیوے، ترکاریاں بہت سستی اور بہتات سے ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو قبول کیا اور اس سے دلیل پکڑی جاتی ہے کہ خدا نے دعا کے دوسرے جزو یعنی رسول پیدا کرنے کو بھی ضرور قبول کیا۔ نبی موعود کا حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے پیدا ہونا تورات کی کتاب استثنا باب ۱۸: ۱۷، ۱۸، ۱۹ سے اور مکہ (فاران) سے ظاہر ہونا استثنا ۳۳: ۲ سے ثابت ہے۔

۲- حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ کے بھی بارہ بیٹے ہوئے۔ بی بی لیاہ کے بطن سے چھ (روبن، شمعون، لاوی، یہودہ، اشکار [اور] زبلون، بی بی راخل کے بطن سے دو (یوسفؑ، بن یامین) زلفہ کے بطن سے جو بی بی لیاہ کی لونڈی تھی، دو (جد، آشر) بلہہ کے بطن سے جو بی بی راخل کی لونڈی تھی دو (دان، نفتالی) پیدایش باب ۲۹، ۳۰۔ انھی بارہ کی اولاد سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ہیں جنھیں حضرت یعقوبؑ، موسیٰؑ، داؤدؑ مسیح یوحنا نے برکت یافتہ بتایا ہے۔ اگر عیسائیوں کا یہ بیان صحیح سمجھا جائے کہ بی بی ہاجرہ بھی بی بی سارہ کی لونڈی تھیں، جسے سارہ نے اپنے شوہر سے بیاہ دیا تھا، تب بھی بنی اسماعیل پر وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے، جیسا کہ جد، آشر، دان، نفتالی پر اور ان کی اولاد پر کوئی اعتراض نہیں رکھتے، جو بلہہ اور زلفہ لونڈیوں کے بچے ہیں۔

بہت جلد اس قدر پھیل گئے کہ مغرب کی طرف مصر سے جو ان کا ننھیال تھا' جا ملے' اور جنوب کی طرف ان کے خیمے یمن تک پہنچ گئے' جہاں باپ نے ان کے بھائیوں بنو قطورہ کو آباد کیا تھا اور شمال کی طرف ان کی بستیاں شام سے جا ملیں' جہاں ان کے بھائی بنو اسحٰق آباد تھے۔

اس طرح ایک ہی باپ کے فرزند بابل اور مصر کے قدیم علم و تہذیب کے مالک ہو گئے اور بحر ہند اور بحیرۂ احمر کی ایسی بندرگاہوں پر ان کا قبضہ ہو گیا' جہاں سے اس وقت کی تمام متمدن دنیا کی تجارت پر وہ اپنا قبضہ کر سکتے تھے۔ اور عرب کا اندرونی حصہ بھی ان کے پاس آ گیا' جو غیر اقوام سے بچاؤ کے لیے ہمیشہ ناقابل تسخیر حصار ثابت ہوا ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ان کا دوسرا فرزند قیدار نہایت نامور ہوا ہے۔ قیدار کی اولاد خاص مکہ میں آباد رہی۔ انھوں نے اپنے باپ کی طرح اس مقدس مسجد کے حقوق کو ہمیشہ پورا کیا' جو دنیا کے لیے توحید کی پہلی درس گاہ تھی۔

قیدار کا ذکر

قیدار کی اولاد میں ۳۷ پشت کے بعد عدنان اول نہایت [صاحبِ] عزم شخص گزرا ہے۔ اس کے چھوٹے بھائی عک نے یمن میں سلطنت قائم کر لی تھی۔

عدنان کے بعد اس قوم پر بنی جرہم کا قبیلہ غالب آ گیا۔ اگرچہ وہ ان کے ماموں ہی تھے' تاہم بنو جرہم نے ان کو ۲۰۷ء میں مکہ سے نکال دیا تھا' کیونکہ بنو اسماعیلؑ نے اب تک بنو جرہم کا بت پرستی میں ساتھ نہ دیا تھا۔

لیکن قصیؑ نے جو عدنان دوم سے پندرہویں پشت میں ہے' پھر مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا اور اس نے مکہ میں مشترکہ حکومت کی بنیاد ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجہ ذیل عہدے قائم کیے:

(۱) رفادہ (۲) سقایہ (۳) حجابتہ (۴) قیادہ (۵) لواء کہتے تھے۔

(۶)ندوہ یادارالندوہ کہتے تھے۔

قصیّ کے بعد اس کا فرزند عبد مناف ا پھر اس کا فرزند ہاشم ۲، اس کا فرزند عبدالمطلب ۳ (المولود ۴۹۷ء) اس کا فرزند ابوطالب اپنے اپنے وقت میں مکہ کے محترم سردار ہوتے رہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جن کی سیرتِ پاک پر یہ متوسط کتاب لکھی گئی ہے، عبدالمطلب کے پوتے تھے۔ مذکورہ بالا بیان سے آپ سمجھ گئے ہیں کہ عرب میں بسنے والے کون تھے اور ان کا ہمسایہ ممالک کی قوموں کے ساتھ کیا تعلق تھا، لیکن ابھی ملک عرب کی نسبت مجھے کچھ اور بیان کرنا ضروری ہے۔

[عرب کا محل وقوع]

نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب وہ جزیرہ نما ہے جس کے مغرب میں بحیرہ احمر اور جنوب میں بحر ہند، مشرق میں خلیج فارس اور شمال میں ملک شام ہے۔ اسے شام سے وہ سلسلہ کوہ جدا کرتا ہے جو اس کے شمال میں چلا گیا ہے۔ مصر سے آبنائے سویز جو چالیس برس پیشتر خاکنائے سویز سے موسوم تھی، الگ کرتی ہے۔ ہندوستان اور عرب کے درمیان خلیج بحیرہ عرب واقع ہے۔ عرب وسعت میں مملکت فرانس سے تقریباً دوچند بڑا ہے۔ ملک کے مختلف حصے اپنی اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہیں، یمن کی وادی اور طائف کے پہاڑ ایسے سرسبز ہیں کہ ہندوپاک کے بہترین حصوں کو رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی زمین اور وسط عرب کا وسیع ریگستان اس قدر بے آب وگیاہ ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ سے مقابلہ کرتا ہے۔

عرب کی سیاسی اور اخلاقی حالت

ہم جس ستودہ صفات کے عہد سے اپنی کتاب کا آغاز کرنے والے ہیں، ان کی پیدایش کے وقت عرب کی

ا۔ عبد مناف کا نام مغیرہ تھا، پیدایش کے بعد ان کو مناف بت کے مندر میں لے گئے تھے اس لیے عبد مناف مشہور ہو گئے تھے۔ ۲۔ ہاشم کا نام عمرو تھا، یہ شوربا میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر غریبوں کو کھلایا کرتے تھے اس لیے ہاشم نام پڑ گیا۔ ۳۔ عبدالمطلب کا نام شیبہ تھا۔ جب پیدا ہوئے تو سر کے بال سفید تھے۔ اس لیے ماں نے ان کا نام شیبہ (بوڑھا) رکھا۔ مطّلب ان کا چچا تھا، جس نے یتیمی کے دنوں میں انھیں پالا تھا، اس شکر گزاری میں یہ تمام عمر عبدالمطّلب کہلائے۔

ملکی اور اخلاقی حالت کا یہ حال تھا کہ ان کے جنوب پر سلطنت حبش کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ ا؎ تھا۔ اندرونِ ملک بزعمِ خود آزاد تھا۔ لیکن ہر ایک سلطنت اس پر قبضہ کرنے کے درپے تھی۔

عرب کی اخلاقی حالت

ملک کے باشندوں پر خود مختاری نے بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ان میں خود مختاری سے خود سری پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا۔ بے کاری اور کاہلی نے جوا اور شراب کی عادت عام کر دی اور طبیعت ثانی بنا دی تھی۔ ممالکِ غیر سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے ان کی زبان اور نسل بے شک کھری تھی۔ لیکن فصاحت کا استعمال وہ زیادہ تر خود ستائی یا دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے یا اپنے فحش کارناموں کو مشتہر کرنے کے لیے زبان کی ساری طاقت خرچ کر کے اپنے ساتھ اپنی معشوقہ کی بھی خوب تشہیر کیا کرتے تھے۔ الگ تھلگ رہنے نے مصاہرت ا؎ کی برائی ان کے ذہن میں قائم کر دی تھی اور مدعیان شرافت بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا' فطرت کی ہر ایک چیز' پتھر' درخت' چاند' سورج' دریا وغیرہ کو وہ اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے۔ اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت بھی بھول چکے تھے' اس لیے انسانی حقوق کے لیے نہ کوئی ضابطہ تھا اور نہ ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کے لیے کوئی قانون تھا۔ قتل انسان' رہزنی' حبسِ بے جا' تصرفِ ناجائز' مداخلتِ بے جا' عورتوں کو جبر یا پھسلاوٹ سے بھگا لے جانا' بیٹیوں کو زندہ پیوندِ خاک کر دینا اسی شجر کے ثمر تھے کہ بت پرستی نے ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ حقیر ہستی انسان ہی کو بنا دیا تھا۔

برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں یہی نقش کر دیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت' ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ان کے مذہب سے بہتر کوئی

ا؎ تاریخ العرب' پروفیسر سیڈیو' ص ۴۰

مذہب ہو ہی نہیں سکتا۔

[عرب کی مذہبی حالت]

عرب کے مختلف اطراف میں مختلف حکومتوں اور سلطنتوں کے تعلق کی وجہ سے تمام ملک میں مختلف مذاہب اور بھی پائے جاتے تھے۔ یہودی[1] عیسائی[2] صابی ایسے مذاہب ہیں جن کے نام سن کر ناواقف شخص دھوکا کھا سکتا ہے کہ ان لوگوں میں ان مذاہب کی عمدگیوں کے نمونے بھی پائے جاتے ہوں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنے کی بجائے مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کر دیا تھا۔ اگر موسیٰؑ و عیسیٰؑ و شعیبؑ و صالحؑ پیغمبروں کو ان کو دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہر گز نہ پہچان سکتے کہ یہ ہمارے ہی اصول پر چلنے والے لوگ ہیں۔ عام عیسائی ایک مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں، لیکن عرب کے عیسائی مریمؑ کو خدا کی جورو اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی کہا کرتے تھے، اور بت پرست تو لات و عزیٰ کو مونث خدا (لات مونث ہے الٰہ کا اور عزیٰ مونث ہے اَعزَ کا) بھی کہا کرتے تھے۔ اس زمانہ کے عام یہودی حضرت عزیرؑ کو توریت کے حافظ ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کہا کرتے ہیں مگر عرب کے یہودی اپنی قوم کے سب زن و مرد کو خدا کے بیٹے، بیٹی، پیارے، پیاری، کہا کرتے تھے۔

آتش پرست غالباً بیٹی، بہن کو گھر میں ڈال لیا کرتے تھے مگر عرب کے ملحد اپنی حقیقی والدہ کو چھوڑ کر اپنے باپ کی تمام جوروؤں کو اپنی لونڈیاں بنالیا کرتے تھے۔ عرب کی جملہ اقوام (باستثنائے بعض افراد) لکھنے پڑھنے سے بے خبر، علوم سے بے بہرہ، فنون سے عاری، تمدن سے ناواقف، مصالحت اور معافی سے ناآشنا تھے۔

1- یہودیوں کو جب یونانیوں اور سریانیوں نے اپنے علاقے سے نکالا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے اور بنو اسماعیل نے (اپنے ان چچازاد بھائیوں کا) خیر مقدم کیا اور ان کے مذہب نے حجاز اور خیبر و مدینہ کے نواح میں اچھی اشاعت پائی (از کتاب خلاصہ تاریخ العرب، ص ۳۸) ۲-۳۳۰ء میں بنو غسان نے عیسائیت کو قبول کیا اور پھر عراق، عرب، بحرین اور صحرائے فاران و دومۃ الجندل اور فرات و دجلہ کے دوآبہ میں یہی مذہب پھیل گیا۔ اس دین کی اشاعت میں نجاشی اور قیصر نے باہم مل کر کوشش کی۔ ۳۹۵ء تا ۵۱۳ء میں اس کی اشاعت پر بڑا زور دیا گیا تھا اور یمن میں انجیل بکثرت پھیل گئی تھی۔ (ایضاً، ص ۳۹)

ملحد اور دہریے بھی عرب میں آباد تھے' وہ حیات اور موت کو اتفاق اور وقت سے موسوم کر کے دنیا کے ہر انقلاب کو دور زمانے سے منسوب کیا کرتے تھے۔ خدا کی ہستی کا اقرار اور جزاو سزا کا تصور' نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج مترتب ہونا ان کے نزدیک قابل تمسخر خیال تھا۔ ان جملہ عیوب کی وجہ سے عرب گویا جملہ مذاہب باطلہ اور تخیلات کی برائیوں کا مجموعہ تھا۔

عرب [کی اہمیت بلحاظِ] محل وقوع

اگر ہم عرب کو کرۂ ارض کے نقشہ پر دیکھیں تو اس کے محل وقوع[1] سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اسے ایشیاء' یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری (دونوں راستوں) سے دنیا کو اپنے دہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لیے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ مذاہب کا پہنچ جانا اور جہالت کی حکومت اعلیٰ کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے ایک واحد مرکز قائم کرنے کے لیے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو عرب ہی اس کے لیے موزوں ہے۔ خصوصاً اس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ' یورپ

۱- کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض بلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجے تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ درجہ اور نصف ۶۰ ہوا۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجے سے تفریق کریں تب ۲۰ رہ جاتے ہیں اور جب ۶۰ میں سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کر دیں تب بھی ۲۰ درجہ شمالی رہ جاتے ہیں اور مکہ معظمہ ۲۱۱/۲ درجے پر آباد ہے' اس لیے کل کرہ ارض میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

الف: یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مکہ کا نام لغات کی کتابوں میں نافِ زمین ہے' انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے' ڈیڑھ درجہ کا جو تفاوت ہے' وہ اس لیے ہے کہ مکہ نافِ زمین ثابت ہو۔

ب: اب اس طرح سمجھو کہ ملک عرب ۱۵ سے ۳۵ درجہ ہائے عرض بلد شمالی پر واقع ہے اور انھی خطوط کے اندر دنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق میں آریہ و منگول اور مغرب میں حبشی و ہامائٹ (نسل عام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے اصلی باشندے) اور جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہنچانا مد نظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے' غالباً اس لیے بھی قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ [البقرۃ ۲:۱۴۳] ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا ہے' تاکہ قوموں کے سامنے تم خدا کی شہادت ادا کرو۔ فقط!

اور ایشیا کی تین بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا۔ تو عرب کی آواز ان براعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ رب العالمین نے (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اسی لیے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب میں پیدا کیا۔ اور ان کو بتدریج قوم اور ملک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔

نبی ﷺ کے اعلیٰ کام

ناظرین اس کتاب کو پڑھ کر معلوم کر سکیں گے کہ نبی ﷺ کا کام کس قدر مشکل تھا۔ انھوں نے اس فرض کو کیسی خوش اسلوبی، صبر و حلم، استقامت اور تحمل سے شروع کیا۔ کیونکر تہذیب و تمدن اور علم و اخلاق کو پھیلایا۔ کیونکر قوموں اور ملکوں کو ایک بنایا، کس طرح انسان کا درجہ بلند کیا، کس طرح توحید کی اشاعت کی اور انسان کے دل پر عظمت و کبریائیِ ربانی کا نقش قائم کرنے کے بعد کس طرح جملہ اشیا و اسباب کا خادم انسان ہونا ثابت کر دیا۔

وحدت تعلیم

رسول کریم ﷺ نے کس طرح نسل اور قومیت کی خصوصیتوں اور ملک و مقام کی حالتوں اور امیری و غریبی کے امتیازوں اور فاتح و مفتوح کے تفاوتوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں کے مابہ الامتیازوں سے قطع نظر کر کے کیسی خوش اسلوبی سے سب کو دین واحد کے رشتہ سے متحد و متفق، یکساں و مساوی، ہم سطح و ہم خیال، ہم اعتقاد و ہم آواز بنایا اور جب وہ اس عظیم الشان کام کو انجام دے چکے، بندوں کو خدا سے نزدیک اور قوموں کو قوموں سے قریب لا چکے، نفرت و عداوت کی جگہ نصرت و اخوت کو بٹھا چکے، ظلمت اور جہالت کو نکال کر ان کے دل و دماغ پر نور صداقت و علم کو متمکن کر چکے، تب کیسی فارغ البالی، کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ اس دنیا سے سدھار گئے۔

نبی ﷺ کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کے لیے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا، جو نیک پھل لائے تھے۔ نجاشی ملک حبشہ، جیفر ملک عمان، اکیدر شاہ دومۃ الجندل۔ نجد کے وحشی، تہامہ کے بدو، اور یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔

عبداللہ بن سلام یہودیت اور ورقہ بن نوفل عیسائیت اور عثمان بن طلحہ ابراہیمیت کی مسند ہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کیے جانے پر نازاں ہیں۔

یہودیوں کا زر خرید غلام سلمان فارسی ''منا اہل البیت'' کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور بت پرستوں کے زر خرید غلام بلال حبشی کو' فاروق اعظم بھی جس کی سطوت و ہیبت سے قیصر و کسریٰ کے اندام پر لرزہ تھا' سید سید (آقا' آقا) کہہ کر پکار رہا ہے' رنگتوں کا اختلاف' زبانوں کا تباین' قومیت کا تفرقہ' ملکی خصوصیات کا امتیاز سب کچھ جاتا رہا ہے حسب و نسب کی شرافت کا زبان پر لانا' کمینگی کی دلیل بن گیا ہے۔ دین واحد نے سب کو ملت واحد بنا کر ایک ہی ولولہ دلوں میں' ایک ہی جوش طبیعتوں میں' ایک ہی خیال دماغوں میں' ایک ہی آوازۂ توحید زبانوں پر جاری کر دیا ہے۔ دشمن دوست بن گئے' اور جان لیوا' جان نثار ثابت ہوئے ہیں۔ عمرو بن عاص جو حبش میں نجاشی کے پاس قریش کا سفیر بن کر گیا تھا کہ مسلمانوں کو بطور اکسٹراڈیشن مجرموں کے حاصل کرے۔ چند سال کے بعد وہی عمان کے بادشاہ کے پاس داعیِ اسلام بن کر جاتا ہے اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی بشارت نبی ﷺ کی خدمت میں لاتا ہے۔ وہی خالد بن ولید جو جنگ اُحد میں بت پرستوں کے رسالہ کی کمانڈ کرتا ہوا مسلمانوں کو تباہ کرنا اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتا تھا' کچھ عرصہ بعد حاضر ہوتا ہے۔ لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھوں سے گراتا' اور اسلامی فتوحات میں گرم جوش جنرل کا درجہ پاتا ہے۔ وہی عروہ بن مسعودؓ جو حدیبیہ میں آنحضرتؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے قریش کا سفیر بن کر آیا تھا' خود بخود مدینہ میں حاضر ہوتا اور اپنی قوم میں دعوت اسلام کی اجازت حاصل کر کے اسی خدمت میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہی سہیل بن عمرو جو معاہدہ حدیبیہ میں بت پرستوں کی جانب سے کمشنر معاہدہ تھا اور جس نے عہد نامہ میں اسم پاک محمدؐ کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر انکار کیا تھا' وفات نبوی کے بعد بیت اللہ میں کھڑے ہو کر اسلام کی صداقت' اور دین الٰہی کی تائید میں ایسی زبردست تقریر کرتا ہے جو سینکڑوں دلوں میں سکینہ اور ایمان

بھر دیتی ہے۔ وہی عمرؓ جو تلوار لے کر گھر سے آنحضرتؐ کا سر قلم کرنے کے لیے نکلا تھا۔ وفات نبویؐ کے دن عقیدت و محبت کے غلو سے شمشیر برہنہ لے کر کہہ رہا ہے کہ جو کوئی کہے گا' آنحضرتؐ نے وفات پائی' اس کا سر قلم کر دیا جائے گا' وہی وحشی جس نے امیر حمزہؓ کو مارا' کلیجہ نکالا' اعضا کاٹے' جنازہ بے حرمت کیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مسلمان ہو جاتا' شرم و خجالت سے منہ سامنے نہیں کرتا اور بالآخر مسیلمہ جیسے کذاب کے قتل کو اپنی حرکت سابقہ کی تلافی سمجھتا ہے۔ وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حقیقی چچا کا بیٹا ہو کر بھی نبی ﷺ کی ہجو میں متواتر اشعار کہا کرتا تھا' جذبۂ توفیق سے خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جنگ حنین کے میدان میں وہی اکیلا رکاب نبویؐ تھامے نظر آتا ہے۔ وہی ابوسفیان بن حرب جو سات برس تک برابر آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں فوجیں لاتا رہا اور مسلمانوں کے خلاف سارے ملک میں آتش فساد بھڑکاتا رہا' اسلام لاتا اور نجران کے عیسائی علاقہ پر حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ وہ طفیل دوسیؓ جو مکہ میں روئی کی ڈاٹ کانوں میں لگا کر پھرتا تھا کہ محمدؐ کی آواز کانوں میں نہ پہنچے' بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتا اور محمدؐ کی آواز کو پہنچاتا تھا۔ وہ عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں' بچوں کو پتھراؤ کرنے کے لیے نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا تھا۔ آخر مدینہ حاضر ہوا اور وہاں سے اپنی قوم کے پاس جواہر ایمان و ایقان لایا تھا' وہی بریدہ بن الحصیب اسلمی جو ہجرت کے وقت قریش سے سو (۱۰۰) شتر سرخ کے انعام کا وعدہ لے کر آنحضرت ﷺ کی گرفتاری کے لیے ستر سواروں کا دستہ لے گیا تھا' چند گھنٹہ کے بعد نبی ﷺ کا علم بردار بن گیا۔ الغرض ایسی مثالوں کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

معجزات مادی' معجزات علمی

یہ سب کرشمے اس پاک تعلیم کے تھے جو آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتی جاتی تھی۔ اکثر انبیاءؑ نے معجزے دکھائے۔ لاٹھی' سانپ' پتھر' دریا' آگ کی قلب ماہیت یا سلب خاصیت کا نظارہ دیکھنے والوں کو نظر آیا۔ لیکن نبی ﷺ (فداہ ابی و اُمی) نے عظیم الشان معجزہ یہ دکھایا کہ دلوں کو بدل دیا اور روح کو پاکیزہ بنا دیا۔ انسان اور لاٹھی' انسان اور سانپ' انسان اور پتھر میں جتنا تفاوت ہے۔ وہی تفاوت

اس معجزہ اور دیگر معجزات میں بھی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو آج تک ان سب دماغوں کی حیرت و محویت کا موجب ثابت ہوئی ہے، جنھوں نے نبی ﷺ کے متعلق (باوجود مخالفت مذہب) کچھ کہنا یا کچھ لکھنا چاہا ہے۔ کاش مسلمان اس پاکیزہ تعلیم کی قدر کریں، کاش وہ نبی ﷺ کے پاک مقصد سے آگاہی حاصل کریں۔ کاش! وہ اسلام کی حفاظت کو اپنا فرض سمجھیں، کاش وہ اسلام کی بقا کو اپنی جانوں، اپنے بچوں، اپنے ماں باپ، پیر، بزرگوں کی حیات و بقا سے زیادہ ضروری سمجھنے لگیں۔ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

سیرت نبویؐ کی اعلیٰ خصوصیات

قارئین! نبی ﷺ کی سیرت میں یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس سے ہر طبقہ کا شخص ہدایت پا سکتا ہے۔ آنحضرتؐ دنیا کی ہوا میں سانس لینے سے پیشتر یتیم ہو چکے تھے، اس لیے مسکینی و غربت ایسے اوصاف ہیں جو حضورؐ کے توام ہیں۔ عمر کے ابتدائی سال دیہاتی زندگی میں بسر ہوئے تھے اس لیے سادگی و بے تکلفی نے حضورؐ کے ساتھ نشو و نما پائی تھی۔ لڑکپن کا زمانہ ایسے وقت میں کٹا تھا، جب کہ قوم حرب الفجار وغیرہ لڑائیوں میں مصروف تھی اس لیے امن بسیط اور ہمدردی عامہ کی قدر و منزلت شروع ہی سے حضورؐ کے ذہن نشین تھی۔ ۲۵ سال کی عمر تک حضورؐ نے شادی نہیں کی۔ تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوانِ شباب کا عالم تھا، کمال عفت و عصمت، شرم و حیا سے بسر ہوا۔ دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضورؐ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر باشرم و باحیا تھے۔

آنحضرت ﷺ نے معاش کے لیے تجارت کو پسند فرمایا تھا، اور اس طرح ان بلند حوصلہ لوگوں کے لیے جو ثبات و استقلال، معاملہ فہمی و ضرورت شناسی، حلم و بردباری سے متصف ہوں، ہدایت فرمائی کہ تجارت سے بہتر اور کوئی ذریعہ معاش نہیں۔

مردانہ جمال میں کمال حسین، حسب و نسب میں عالی خاندان ہونے پر بھی ایک بیوہ عورت سے جو عمر میں حضورؐ سے پندرہ سال زیادہ تھی، پہلا نکاح کیا۔ اور اس سے عقدِ بیوگان کی ضرورت

اور عظمت پر نہایت شاندار نمونہ قائم فرمایا۔ نیز واضح کر دیا کہ متاہل زندگی میں بھی ہم کیونکر شہوانی خیالات کے تقید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔ یہ بیوی نہایت متمول تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنی قانعانہ قابلیت اور زاہدانہ سیرت کی وجہ سے اپنے آپ کو اپنی بیوی یا اپنے خاندان کی امداد مالی سے ہمیشہ مستغنی ثابت کیا اور اس طرح اپنی مدد آپ کرنے والوں کے لیے سر راہ ایک مشعل روشن فرمائی۔

آنحضرت ﷺ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی صادقانہ و ہمدردانہ زندگی کا اثر خونخوار عرب پر پھیلا دیا تھا۔ اور سب کے دلوں میں اپنے لیے عزت و محبت کے ساتھ جگہ بنالی تھی اور اس طرح راست بازوں کے لیے ایک درخشندہ مثال قائم فرما دی کہ کیوں کر نیکی اور صداقت کی طاقت ظلم اور جہالت کو مغلوب کر سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تعاون و تمدن کی برکات اور طاقت کو سمجھا اور حلف الفضول کے قائم کرنے سے قیام امن اور حفاظت نوع انسانی کی جدید سڑک تیار کر دی۔ اور ان منتظمین کو جو سچے دل سے کسی ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں' اسی ملک کے باشندوں کو شریکِ انتظام کر لینے کے زرین اصول کا سبق دیا۔ حجر اسود کے نصب کرنے میں آنحضرتؐ نے بتا دیا کہ جب مختلف اغراض اور مختلف مقاصد کے لوگ ایک جگہ فراہم ہو جائیں تو ان کو کیونکہ مرکز واحد پر لا سکتے ہیں' نیز ثابت فرما دیا کہ خدشہ جنگ کے ٹلا دینے اور امن کو مستحکم رکھنے کے لیے طاقت کی نہیں بلکہ اعلیٰ دماغی قابلیت کی ضرورت ہے۔

آنحضرتؐ کی نبوت کی مجموعی شان

آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جملہ انبیا کی شان نظر آتی ہے۔ آپؐ مسیحؑ کی طرح جھٹلائے اور ستائے گئے' پھر بھی صابر و شاکر ہی پائے گئے۔ آپؐ نے یحییٰؑ کی طرح بیابانوں اور بستیوں میں خدا کی آواز کو پہنچایا۔ آپؐ نے عیسیٰ روح اللہ کی طرح خدا کے گھر کی عظمت و حرمت کو از سر نو زندہ فرمایا۔ آپؐ نے ایوبؑ کی صبر و شکیبائی کے ساتھ گھاٹی میں تین سال تک محصوری

کے دن کاٹے اور پھر بھی آپ کا دل خدا کی ثنا گزاری سے لبریز اور زبان ستایش گوئی سے زمزمہ سنج رہی۔ آپؐ نے نوحؑ کی طرح قوم کے برگشتہ بخت لوگوں کو خفیہ اور علانیہ، خلوت اور جلوت میں، میلوں اور جلسوں، گزرگاہوں اور راہوں پر، پہاڑوں اور میدانوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور لوگوں کو ان کے افعال بد سے نفرت دلائی۔ آپؐ نے ابراہیمؑ کی طرح نافرمان قوم سے علیحدگی اختیار کی، مادر وطن کو چھوڑ کر شجرۂ طیبہ اسلام کے لگانے کے لیے پاک زمین کی تلاش میں رہ نورد ہوئے۔ آپؐ شب ہجرت کو داؤدؑ کی طرح دشمنوں کے نرغہ سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اور یونسؑ کی طرح (جنھوں نے تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہ کر پھر نینویٰ میں اپنی منادی کو جاری کیا تھا) غار ثور کے شکم میں تین دن رہ کر پھر مدینہ طیبہ میں کلمۃ اللہ کی آواز کو بلند فرمایا۔ آپؐ نے موسیٰؑ کی طرح جنھوں نے بنی اسرائیل کو فرعون مصر کی غلامی سے آزاد کرایا تھا، شمالی عرب کو شاہ قسطنطنیہ کے تسلط سے اور شرقی عرب کو کسریٰ ایران کے حلقہ غلامی سے اور جنوبی عرب کو شاہِ حبش کے طوق بندگی سے نجات دلائی۔ آپ نے سلیمانؑ کی طرح مدینہ میں خدا کے لیے ایک گھر بنایا جو ہمیشہ کے لیے خدا کی یاد کرنے والوں سے معمور اور ضیائے توحید سے پُرنور رہا ہے، جسے کوئی بخت نصر جیسا سیاہ بخت ویران نہ کر سکا۔ آپؐ نے یوسفؑ کی طرح اپنے ایذارسان و ستم پیشہ برادران مکہ کے لیے نجد سے (بتوسط ثمامہ بن اثال) غلہ بہم پہنچایا اور بالآخر فتح مکہ کے دن قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا مژدہ سنا کر اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کے فرمودہ سے انھیں پابندِ منّت واحسان بنایا۔

وقت واحد میں آپؐ موسیٰؑ کی طرح صاحب حکومت تھے اور ہارونؑ کی طرح صاحب امامت بھی۔ ذات مبارکؐ میں نوحؑ کی سی گرمی، ابراہیمؑ جیسی نرم دلی، یوسفؑ

کی سی ستم فراموشی، داؤدؑ کی سی فتوحات، یعقوبؑ کا سا صبر، سلیمانؑ کی سی سطوت، عیسیٰؑ کی سی خاکساری، یحییٰؑ کا سا زہد، اسماعیلؑ کی سی سبک روحی کامل ظہور بخش تھی۔

اے کہ بر تختِ سیادت زازل جاداری

آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

خورشیدِ رسالت میں اگرچہ تمام مقدس رنگ موجود تھے لیکن رحمۃ للعالمینی کا وہ نور تھا، جس نے تمام رنگتوں کو اپنے اندر لے کر دنیا کو ایک برگزیدہ و چیدہ (بیضا و نقیہ) روشنی سے منور کر دیا ہے۔

ذرۂ بے مقدار کی کیا تاب کہ خورشید عالم افروز کی جلوہ نمائی میں آئینہ داری کرے، اس لیے سادہ و مختصر حالات پیش کرتا ہوں۔ خداوند کریم میرے حسن نیت پر نظر فرما کر میری لغزشوں سے عفو فرمائے اور برادرانِ اسلام میری کمی ءبضاعت کو ملحوظ رکھ کر تقصیرِ خدمت کو معاف فرمائیں۔

خاکسار

محمد سلیمان

باب اوّل

سیّد کونین ﷺ کی مکی زندگی

فصل اول

بچپن جوانی اور بعثت

اسم گرامی اور بچپن

سیدنا[1] محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصّی ہمارے نبی ﷺ ہیں۔ دادا نے آنحضرت ﷺ کا نام محمدؐ اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پاکر احمدؐ[2] رکھا تھا[3]۔ نبی ﷺ حضرت ابراہیم[4] خلیل الرحمن وابوالانبیا) کی اولاد سے ہیں، جو ہاجرہ بی بی کے بطن سے ہوئی۔ ہاجرہ بادشاہ مصر 'رقیون' کی بیٹی تھی۔ خدا کے ہاں ان کا ایسا درجہ تھا کہ خدا کے فرشتے ان کے سامنے آیا کرتے اور خدا کے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔[5]

۱- لفظ محمد، حمد سے اسم مفعول ہے یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لیے ہے اور احمد بھی حمد سے واقع علی المفعول ہے، اسم محمدؐ سے حمد کی کثرت و کمیت اور اسم احمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے، حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے: وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ (خدا نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو، رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرت محمدؐ ہیں) واضح ہو کہ نبی ﷺ کو حمد سے خاص مناسبت ہے۔ حضور ﷺ کا نام محمد و احمد ہے اور حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے۔ اُمت محمدیہ کا نام حمادون ہے اور آنحضرت ﷺ کے لواء کا نام لواء محمد ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا۔ ۲- حدیث میں ہے کہ زمین پر میرا نام محمدؐ اور آسمان پر احمدؐ ہے۔ تورات میں اسم مبارک محمدؐ اور انجیل میں احمدؐ ہے۔ ۳- سیدہ آمنہ بی بی کو نام رکھنے کی بشارت فرشتے کی معرفت ایسے ہی ملی تھی جیسے کہ فرشتے کی بشارت سے ہاجرہ بی بی نے اسماعیل کا نام (پیدایش ۱۶:۱۱) اور مریم نے یسوع کا نام (لوقا، ۱:۳۰-۳۱) رکھا تھا۔ ۴- حضرت ابراہیمؑ کا نام شروع میں ابرام تھا۔ خدا نے ابراہیم رکھا، اس کے معنی ''قوموں کا باپ'' ہیں (پیدایش ۵:۱۷) بنی اسماعیل و بنی اسرائیل و بنی عصو و بنی قیطورہ انھی کی اولاد ہیں، پادری صاحبان جو صرف بنی اسرائیل کا نام ہی زبان پر رکھتے ہیں، وہ غور کریں کہ ان کے قول کے مطابق حضرت ابراہیمؑ قوموں کا باپ کیونکر ثابت ہوئے۔ ۵- کتاب پیدایش، ۱۶:۱۱، ۱۷:۱-۲۱۔

ہاجرہ بی بی کے فرزند کا نام اسماعیلؑ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹے بیٹے ہیں۔ باپ نے ان کو وادی میں اس جگہ آباد کیا تھا جہاں اب مکہ معظمہ ہے۔ خدا نے اسماعیلؑ کے لیے زمزم کا چشمہ ظاہر کیا تھا۔[1] حضرت اسماعیلؑ کو خدا نے بارہ بیٹے دیے تھے۔ ان میں سے قیدار بہت مشہور ہیں۔ تورات میں ان کا ذکر بکثرت آیا ہے۔[2] قیدار کی اولاد میں عدنان اور عدنان کی اولاد میں قصیّ بہت مشہور ہیں، جو چار واسطے سے نبی ﷺ کے دادا ہیں۔ نبی ﷺ کی ماں کا نام آمنہ ہے، جو وہب کی بیٹی ہیں، وہب قبیلہ بنو زہرہ کا سردار تھا، ان کا سلسلۂ نسب فہر الملقب بہ قریش کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ ددھیال اور ننھیال میں عرب کے بہترین قبیلہ، بہترین قوم اور شاخ میں سے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ موسم بہار[3] میں دوشنبہ کے دن ۹[4] ربیع الاول ۱۵[5] عام الفیل،[6] مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱[7] مطابق یکم جیٹھ ۶۲۸۸[8] بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق[9] و قبل از طلوع

۱- صحیح بخاری روایت ابن عباسؓ و پیدایش ۱۹:۲۱۔ ۲- یسعیاہ ۷:۶۰، زبور ۵:۱۲۰، یرمیاہ ۲۸:۵۹ وغیرہ۔ ۳- حضرت یحییٰ و حضرت داؤدؑ کی ولادت بھی فصل بہار میں ہوئی تھی۔ فوجہی والزمان وشہر وضعیر بیع فی ربیع فی ربیع ۴- نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں دوشنبہ کا دن خصوصیت رکھتا ہے۔ ولادت، نبوت، ہجرت، وفات، سب اسی دن ہوئی ہیں، اس سے مختلف تاریخوں کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ۵- تاریخ ولادت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ طبری و ابن خلدون نے ۱۲ تاریخ اور ابوالفدا [ابن کثیر] نے ۱۰ لکھی ہے مگر سب کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن، ۹ ربیع [الاول] کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں کھاتا، اس لیے ۹ ربیع الاول ہی صحیح ہے۔ تاریخ دول العرب والاسلام میں محمد طلعت بک عرب نے بھی ۹ تاریخ ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۶- واقعہ عام الفیل سے ۵۵ یوم بعد۔ ۷- ۲۲ اپریل گریگورین رول کے مطابق ہے جس پر ستمبر ۱۷۵۲ء سے انگریزی تقویم کا حساب شروع ہوا ہے لیکن قاعدہ قدیم کے مطابق ۹ ربیع مطابق ۱۹ اپریل ۵۲۸۴ جولین کے تھی اور گریگورین نے اس ۱۹ کو ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بروئے حساب قدیم قرار دیا۔ فقط! ۸- واضح ہو کہ شمسی سال کی صحیح مقدار ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہے مگر سمت پروشٹہ کے جاری کرنے والے نے ۲۳ منٹ ۲۳ سیکنڈ کی مقدار اس سے زیادہ تجویز کی۔ اس زیادتی کی وجہ سے سمت پروشٹہ سنہ عیسوی کے مقابلہ میں ۲۳ منٹ ۲۳ سیکنڈ کی تاخیر سے شروع ہوتا ہے۔ سمت پروشتہ ۱ کا آغاز یوم یکشنبہ (مطابق ۱۴ مارچ ۴۶۵۷ جولین) ہوا تھا، یعنی اعتدال ربیعی سے ۹ یوم پہلے مگر سمت ۶۲۸ پروشٹہ کا آغاز ۲۲ مارچ ۵۷۱ء کو ہوا تھا، یعنی اعتدال ربیعی سے ایک یوم بعد، اور ہمارے زمانہ میں سمت ۱۹۷۲ پروشٹہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء کو شروع ہوا ہے یعنی اعتدال ربیعی سے ۲۳ یوم بعد، آئندہ بھی سمت پروشٹہ میں اسی تناسب سے یہ فرق بڑھتا رہے گا۔ یعنی ساڑھے اکسٹھ سال کے بعد سمت کا شروع ایک دن مؤخر ہوتا رہے گا۔ غرض سمت پروشٹہ میں جو غلطی متعلق سال شمسی کے ابتدائے قائمی سمت مذکور سے موجود ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سمت ۶۲۸ پروشٹہ کا یکم جیٹھ مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء تھا اور سمت ۱۹۷۴ پروشٹہ کا یکم جیٹھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۲۵ء کے ہے۔ ۹- یوم ولادت باسعادت کو مکہ معظمہ میں صبح صادق کا طلوع ۴ بج کر ۲۰ منٹ (دھوپ گھڑی کے گھنٹوں کے حساب سے) ۹ بج کر ۵۷ منٹ (حساب مروجہ حال عرب سے) ہوا تھا اور آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۲۰ دقیقے پر تھا اور تاریخ یکم جیٹھ کے شروع ہونے پر ۱۳ گھنٹے ۱۶ منٹ گزر چکے تھے۔ یسعیاہ ۶:۹ میں ہے: ''ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا''۔ یہ بشارت نبی ﷺ کی بابت ہے جو حضرت مسیح کی نہیں ہو سکتی کیونکہ انجیل متی سے ظاہر ہے کہ مسیح کی اور بھی بہن اور بھائی تھے اور وہ مریم [کے اکلوتے بچے نہ تھے۔ (انجیل کا یہ بیان جھوٹ اور تحریف ہے۔ حضرت مریم [کے اور بچے نہ تھے)۔

نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے بچے تھے۔ والد بزرگوار کا آنحضرت ﷺ کی پیدایش سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ عبدالمطلب، آنحضرت ﷺ کے دادا نے خود بھی یتیمی کا زمانہ دیکھا تھا۔ اپنے ۲۴ سال کے نوجوان پیارے فرزند عبداللہ کی اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی گھر میں آئے، اور بچے کو خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگ کر واپس لائے، ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کو دعوت دی۔

قوم کو نام پر تعجب ہوا

دعوت کھا کر لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے بچے کا نام کیا رکھا؟ عبدالمطلب نے کہا: 'محمدؐ'، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے سب مروجہ ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی ستایش اور تعریف کا شایاں قرار پائے۔[1]

ایام رضاعت

شرفائے مکہ کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو جبکہ وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے۔ دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب وہوا کے مقام پر باہر بھیج دیا کرتے تھے۔

۱-ابوالفدا ص ۱۱۰، نیز یسعیاہ ۶۲: ۹ وہ اس نام سے کہلاتا ہے عجیب۔

اسی دستور کے موافق آنحضرت ﷺ کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا' وہ ہر چھٹے مہینے لا کر ان کی والدہ اور دیگر اقربا کو دکھا جاتی تھیں۔ دو برس کے بعد آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ مائی حلیمہ آپ کو لے کر حضرت آمنہؓ کے پاس آئیں۔ حضرت آمنہؓ نے اس خیال سے کہ وہاں کی آب و ہوا حضور ﷺ کے خوب موافق تھی اور شاید مکہ کی آب و ہوا موافق نہ ہو۔ پھر مائی حلیمہ ہی کے سپرد کر دیا۔

والدہ مکرمہ [اور دادا محترم] کا انتقال

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چار برس کی ہوئی تو والدہ مکرمہ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور دادا نے آپ کی پرورش اور نگرانی اپنے ذمہ لی۔[1] جب آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ برس ۱۰ دن کی ہوئی تو آپ کے دادا عبدالمطلب نے ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ابو طالب آنحضرت ﷺ کے چچا تھے اور آپ کے والد عبداللہ کے حقیقی بھائی' اب وہ آنحضرت ﷺ کی نگرانی اور تربیت کے ذمہ دار بنے۔

بَحِیریٰ راہب کی ملاقات

اکثر کتابوں[2] میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بارہ سال کے ہوئے تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ جب کہ وہ تجارت کے لیے شام کو جاتے تھے' سفر میں گئے' بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا کہ نبی موعود یہی نوجوان ہے۔ چچا سے کہا کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ۔ وہ اسے پہچان کر کہیں گزند نہ پہنچائیں۔ شفیق چچا نے آنحضرت کو بصریٰ ہی سے واپس کر دیا۔[3]

(۱) اس بارے میں جو حدیث ترمذی میں ہے' اس میں یہ بھی ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرت کے ساتھ بلال کو بھیجا تھا۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ صریح غلطی ہے۔ اوّل تو اس وقت بلالؓ نہ ابو طالب کے پاس تھا' نہ ابو بکرؓ کے پاس۔ دوسرے یہ بھی

۱- ماخوذ از خطبات احمدیہ (مصنفہ سر سید احمد خاں المتوفی ۱۳۱۵ھ) زاد المعاد [ج ۱، ص ۷۶، طبع مؤسسۃ الرسالۃ، الکویت ۱۹۹۷ء] ۲- زاد المعاد [ایضاً ص ۷۶-۷۷] ۳- پادری صاحبان نے اتنی بات پر "بحیرہ نصرانی ملا تھا" یہ شاخ و برگ اور بھی لگا دیے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آنحضرت ﷺ نے ظاہر کی تھی وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت ﷺ نے تثلیث اور کفارہ کا رد' مسیحؑ کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔ (محمد سلیمان)

ممکن ہے کہ وہ ان دنوں موجود ہی نہ ہو۔[1]

(۲) قرآن مجید کی آیت وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ[2] سے ثابت ہے کہ یہودی رسول موعود کے انتظار میں رہا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے آنے پر یہودیوں کو کافروں پر فتح و نصرت ہو گی۔ یہ اعتقاد ان کا اس وقت تک رہا' جب تک کہ حضور ﷺ کی بعثت نہ ہوئی۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بحیرہ راہب کا قول غلط تھا' کیونکہ اگر یہودی اس لڑکپن میں آنحضرت ﷺ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضور ﷺ کو اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ کر نہایت خدمت گذاری کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ راہب کی داستان ناقابل اعتبار ہے۔

تجارت کا خیال

جب نبی ﷺ جوان ہوئے تو آپ کا خیال پہلے تجارت کی طرف ہوا' مگر گھر کا روپیہ پاس نہ تھا۔ مکہ میں نہایت شریف خاندان کی ایک بیوہ عورت خدیجہؓ تھی۔ وہ بہت مال دار تھی' اپنا روپیہ تجارت میں لگائے رکھتی تھی۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف سن کر اور آپ کی سچائی' دیانت داری' سلیقہ شعاری کا حال معلوم کر کے خود درخواست کر دی کہ اس کے روپے سے تجارت کریں۔ آنحضرت ﷺ اس کا مال لے کر تجارت کو گئے' اس تجارت میں بہت نفع ہوا۔

نکاح

اس سفر میں خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ اس نے بھی آنحضرت ﷺ کی ان تمام خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر خدیجہؓ کو سنایا' جو سفر میں خود دیکھی تھیں۔ ان اوصاف کو سن کر خدیجہؓ نے درخواست کر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ حالانکہ خدیجہؓ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست نکاح کو رد کر چکی تھی۔

جب یہ نکاح ہوا تو آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں وہ ۲۵ سال تک زندہ رہیں۔ آنحضرت ﷺ ان کی وفات کے بعد بھی

۱- زاد المعاد' مصنفہ علامہ ابن القیم (المتوفی ۲۳ رجب ۷۵۱ھ)' ص ۱۷ [ج ۱، ص ۷۶-۷۷] ۲- [البقرۃ ۲:۸۹] یہ لوگ نبی کے آنے سے پیشتر کافروں پر فتح اس کے ذریعہ پانے کی آرزو میں رہا کرتے جب نبی ظاہر ہوا اور انھوں نے پہچان بھی لیا' تب اس سے منکر ہو بیٹھے۔

اکثر ان کا محبت سے ذکر کیا کرتے اور ان کی سہیلیوں سے بھی عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ اس شادی کے بعد آنحضرت ﷺ کا سارا وقت خدا کی عبادت اور بنی آدم کی بہبود و خیر اندیشی میں پورا ہوا کرتا تھا۔

قیامِ امن و انعقادِ انجمنِ حقوقِ انسانی

انھی دنوں میں آنحضرت ﷺ نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کی بدامنی، راستوں کا خطرناک ہونا، مسافروں کا لٹنا، غریبوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کر کے ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن قائم ہو گئی، جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم شامل تھے۔ انجمن کے ارکان عہد کیا کرتے تھے کہ:

۱- ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

۲- ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔

۳- ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

۴- ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔[۱]

اس تدبیر سے بنی آدم کے جان و مال کی بہت کچھ حفاظت ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو مستعد و متحرک ہوں گا۔

قوم کی طرف سے صادق اور امین کا لقب

ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے ان دنوں میں لوگوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے، بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی، جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو (جس کی دیواریں سیلاب کے صدمے سے پھٹ گئی تھیں) از سر نو تیار کرنا شروع کیا۔[۲]

۱- انگلستان میں نائٹ ہڈ کا آرڈر جس کے ممبر قریباً یہی اقرار کرتے تھے، اس انجمن سے کئی صدیوں کے بعد قائم ہوا تھا۔ ۲- کعبہ کی اول تعمیر حضرت ابراہیمؑ نے مع حضرت اسماعیلؑ کے کی تھی۔ پھر بنی جرہم، بنو عمالقہ، قصی اور قریش نے اس کی تجدید کی تھی، تجدید عمارت کی ضرورت مرورِ زمانہ کے اثر یا صدمہ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھی، کسی غیر قوم کے قبضہ کر کے گرا دینے، منہدم کرنے کا واقعہ اس عمارت کعبہ کے ساتھ پانچ ہزار سال سے نہیں ہوا تھا جیسا کہ ہیکل یروشلم کے ساتھ بارہا ایسے واقعات پیاپے اور متعدد بار ہوتے رہے اور یہ ایسا شرف ہے کہ دنیا کے کسی عبادت خانہ کو حاصل نہیں۔

عمارت کے بنانے میں تو سب ہی شامل تھے۔ مگر جب حجر اسود[1] کے قائم کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر ایک ہی چاہتا تھا کہ یہ کام اس کے ہاتھ سے سرانجام پائے۔ چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔

حجر اسود کی تنصیب کا فیصلہ

آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے بڑی عمر کا تھا' یہ رائے دی کہ کسی کو حکم بنا کر اس کے فیصلے پر عمل کریں' اس رائے کو مانا گیا اور قرار دیا گیا کہ جو کوئی اب سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے' آنحضرت ﷺ کو دیکھنا تھا کہ هذا الامین رضیناه[2]

۱- حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ کو عبادت گاہ مقرر کرتے وہاں ایک لمبا بن گھڑا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے تھے' جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی وغیرہ گاڑ لیا کرتے ہیں جسے سترہ کہتے ہیں' اس کا ثبوت کتاب پیدائش' باب ۱۲' درس ۷-۸' باب ۱۳ درس ۱۸' باب ۲۶ درس ۲۵' باب ۲۸ درس ۱۸-۱۹' ۲۲ و کتاب خروج باب ۲۴ درس ۴' باب ۲۵ [مکمل] سے بخوبی ملتا ہے۔ حجر اسود بھی اسی قسم کا پتھر ہے اور یہ بھی ایک شہادت اس امر کی ہے کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے' اب کونے میں لگا دینے کے بعد یہ اتنا کام دیتا ہے کہ طواف کا شروع اور ختم اس جگہ سے شروع کیا جاتا ہے' مسلمانوں میں جو درجہ اس کا ہے وہ اس کے نام حجر اسود (کالا پتھر) سے ظاہر ہے' ایک دفعہ فاروق اعظمؓ نے لوگوں کو سنانے کے لیے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا: ''تو ایک پتھر ہے' نہ کسی کو نفع نہ ضرر دے سکتا ہے (صحیح بخاری عن عابس بن ربیعہ' باب ماذکر فی الحجر الاسود)۔ ۲- ہم لکھ چکے ہیں کہ نبی ﷺ کو عرب کے لوگ نبوت سے پہلے صادق اور امین کہہ کر بلایا کرتے تھے' چنانچہ اس موقع پر بھی انھوں نے الامین ہی حضور ﷺ کو کہا ہے' اب پہلے نبیوں کے پاک نوشتہ سے اس نام کی تصدیق ہوتی ہے۔ بائیبل کے سب سے آخر میں مکاشفات یوحنا کی کتاب ہے۔ اس کتاب کے شروع میں یہ درس ہے: یسوع مسیح کا مکاشفہ جو خدا نے اسے دیا کہ اپنے بندوں کو دے' وہ باتیں جن کا جلد ہونا ضرور ہے' دکھا دے'' اور اس سے یہ ثابت ہے کہ مکاشفات میں ان باتوں کا ذکر ہے جو یوحنا کے بعد دنیا میں ہونے والی تھیں' یہ بھی یاد رہے کہ سینٹ یوحنا حضرت مسیحؑ کا حواری تھا' جس نے یہ مکاشفہ حضرت مسیحؑ کے دنیا پر سے جانے کے بعد دیکھا تھا۔ یوحنا کہتا ہے: ''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور دیکھو کہ: (الف) ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار۔ (ب) امانت دار اور سچا کہلاتا ہے۔ (ج) اور وہ راستی سے عدالت کرتا ہے (د) اور لڑتا ہے (ہ) اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند (د) اور کسی کے سر پر بہت سے تاج (ز) اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا (ح) اور خون میں ڈوبا ہوا لباس وہ پہنے تھا۔ (ط) اور اس کا نام کلام خدا ہے (ج) اور وے فوجیں جو آسمان میں ہیں صاف اور سفید کتانی لباس پہنے ہوئے نقرئی گھوڑوں پر سوار اس کے پیچھے ہو لیں۔ (ک) اور اس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے کہ وہ اس سے قوموں کو مارے۔ (ل) اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکمرانی کرے گا (م) اور وہ خود قادر مطلق خدا کے قہر و غضب کے کولہو میں روندتا ہے (ن) اور اس کے لباس اور اس کی ران پر یہ نام لکھا ہے کہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند'' (مکاشفہ باب ۱۹' درس ۱۱-۱۶)۔ اب میں نہایت اختصار سے اس کی شرح کر دینا چاہتا ہوں: (الف) نقرئی گھوڑے اور اس کے سوار کا ذکر مکاشفہ ۶:۲ میں بھی ان الفاظ سے ہے: دیکھو ایک نقرئی گھوڑا اور وہ جو اس پر سوار تھا' کمان لیے ہے اور تاج اسے دیا گیا اور وہ فتح کرتا ہوا اور فتح مند ہونے کو نکلا۔ مکاشفہ ۱۱:۱۹ میں نقرئی گھوڑے کے سوار کے نام کی اور مکاشفہ ۶:۲ میں اس کے صاحب کمان اور صاحب فتح ہونے کی علامت بیان کی گئی ہے اور یہ علامات آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آتی ہیں۔

کے نعرے لگ گئے (امین آگیا، ہم اس کے فیصلے پر سب رضامند ہیں)۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی زیر کی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھائی۔ اس پر پتھر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلے کے سردار کو کہا کہ چادر پکڑ کر

بقیہ حاشیہ (۱) نبی ﷺ کی سواری میں بھی نقرئی گھوڑا تھا جس کا نام بحر تھا (دیکھو، کتاب سفر السعادت) (۲) آنحضرت ﷺ عربی کمان کو ہاتھ میں رکھتے، بسا اوقات خطبہ کے وقت بھی کمان ہاتھ میں ہوتی، مسلمانوں کو کمان چلانے کی تاکید فرماتے۔ حدیث میں ہے: ارموا فان اباکم کان رامیًا [بخاری، کتاب الجہاد، باب ۷۸، حدیث ۲۸۹۹] (تیر چلایا کرو، تمھارے باپ اسماعیلؑ تیرانداز تھے)۔ (۳) آنحضرت ﷺ کے لیے فتح مبین ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ جس کام کے لیے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تھے اسے بدرجہ کمال پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ کلیم اللہ اپنی اُمت کو وعدہ کی زمین میں پہنچانے سے پہلے اور مسیحؑ روح اللہ اپنی بہت سی باتیں بتانے سے پہلے دنیا سے الگ ہو گئے اور نبی ﷺ تمام و کمال کا اعلان دے کر یہاں سے رخصت ہوئے تو حضور ﷺ کی فتح مبین میں اور فتح مند ہونے میں کچھ شک نہیں رہ جاتا۔ (ب) امانت دار اور سچا کہلاتا ہے۔ امانت دار (امین) سچا (صادق) کا ترجمہ ہے، کہلاتا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ لوگ اسی نام سے پکاریں گے اور یہی معاملہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوتا رہا۔ (ج) وہ راستی سے عدالت کرتا۔ یسعیاہ، باب [۱۱، درس ۴] میں بھی ہے: وہ راستی سے مسکینوں کا انصاف کرے گا اور انصاف سے زمین کے خاکساروں کے لیے انفصال کرے گا۔ یوحنا نے اسی کو دوہرا کر بتادیا کہ اس کا تعلق زمانہ مابعد مسیحؑ سے ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ [الاعراف ۷:۱۵۷، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے]۔ (د) ''اور لڑتا ہے راستی کے ساتھ۔'' لڑنے کی صفت بھی بتائی گئی تاکہ کوئی پادری غلطی سے اس مکاشفہ کو کسی اور پر چسپاں نہ کرے کیونکہ اس سوار کے لیے مجاہد و غازی ہونا ضروری ہے۔ (ھ) ''اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند'' نبی ﷺ کے حلیہ میں جو تمام نوشتوں میں ہے، آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں سرخی ہونا ضرور درج ہے، چنانچہ ایسا ہی تھا کہ مردمک انور کے گرداگرد سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ (و) ''اس کے سر پر بہت سے تاج'' انبیا کے پاک گروہ کو دیکھو، کوئی واعظ ہے (سلیمانؑ) کوئی مبشر ہے (عیسیٰؑ) کوئی منذر ہے (نوحؑ) کوئی منجی ہے (موسیٰؑ) کوئی مناظر ہے (ابراہیمؑ) کوئی مجاہد ہے (داؤدؑ) لیکن نبی ﷺ میں جملہ صفات جامعیت کے ساتھ موجود ہیں اسی لیے اللہ پاک فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (۴۵) وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (46) [الاحزاب ۳۳:۴۶] اے نبیؐ! ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور روشن کر دینے والا سراج بنا کر بھیجا ہے، سر پر بہت سے تاج ہونے کے معنی یہی ہیں کہ وہ جامع صفات نبیؐ ہیں۔ (ز) ''اس کا ایک نام لکھا ہے جسے اس کے سوا کسی نے نہ جانا'' آنحضرت ﷺ کا اسم پاک احمدؐ و محمدؐ وہ ہیں جو پہلے کسی کا نام نہیں ہوا۔ مسیح اور یسوع تو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بیسیوں ہوئے۔ (ح) ''خون میں ڈوبا ہوا لباس وہ پہنے تھا'' نبی ﷺ کے ساتھ طائف میں منادی کرنے کے وقت ایسا ہی گزرا کہ تمام جسم مبارک پتھر کھاتے کھاتے لہولہان ہو گیا تھا اور لباس خون میں تر، جسم کا خون بہہ بہہ کر ایسا جم گیا کہ وضو کے لیے جوتا اُتارنا مشکل ہو گیا تھا اور چونکہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ تنہا تھے اس لیے یسعیاہ [باب ۶۳، درس ۱-۳] بھی آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آتا ہے۔ (ط) ''کلام خدا'' نبی ﷺ کی یہ علامت حضرت موسیٰؑ نے اپنے سب سے آخری وعظ (کتاب ۵، باب ۳) اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آخری وعظ (یوحنا ۱۶:۷-۱۳) میں خصوصیت سے بیان کی تھی۔ اب یوحنا حواری نے بھی بیان کی جس سے معلوم ہوا کہ یوحنا کے مکاشفہ تک کلام خدا والی علامت کا پورا ہونا باقی تھا۔ پس یہ قرآن ہی ہے جس کی بابت خدا خود فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۴) [النجم ۵۳-۴:۳]، نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وہ کلام خدا ہے جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔

اٹھائیں۔اسی طرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا۔آنحضرت ﷺ نے پھر اسے اٹھا کر کونے یعنی طواف کے سرے پر لگا دیا۔

بقیہ حاشیہ (ی)فرشتوں کا اور ملکوتی طاقتوں کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہونا قرآن مجید میں بھی ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (۴)[التحریم ۶۶:۴] یعنی (فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں)۔فرشتوں کے صاف سفید کپڑے نبی ﷺ کے اتباع میں ہیں' نبی ﷺ کو سفید لباس محبوب تھا' آپ کے نشان (علم) کا رنگ بھی سفید تھا۔امتناعِ جنگ اور قیام صلح کے لیے بھی سفید پھریرا ہی اڑایا کرتے تھے۔(ک)''اس کے منہ سے تیز تلوار نکلتی ہے'' یہ جہاد ہے اور جن لوگوں پر کیا گیا ان کا مذکور بھی اسی مکاشفہ' باب ۱۹، درس ۱۷ سے ۲۱ تک میں بیان کر دیا گیا ہے۔(ل)''لوہے کے عصا سے حکمرانی کرے گا'' زبور ۲:۹ میں بھی اس کا مذکور ہے' مکاشفہ میں زبور کے الفاظ دہرانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان الفاظ کا جو کوئی مصداق ہے وہ یوحنا کے بعد آنے والا ہے۔پس وہ یقیناً محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ پھر کوئی بھی حضور ﷺ کے سوا وحی' نبوت اور سلطنت محکم کا جامع نہیں ہوا۔(م)''وہ قادر مطلق کے قہر کے کولھو میں روندتا ہے'' سرکش قبائل کا تباہ و خراب ہونا' قیصر و کسریٰ کو نافرمانی محمد ﷺ کی سزا ملنا خدا کے قہر ہی سے تھا۔(ن)''اس کے لباس اور ران پر بادشاہوں کا بادشاہ' خداوندوں کا خداوند لکھا ہو گا'' آنحضرت ﷺ کے القاب عالیہ میں سے امام الانبیا سید المرسلین بھی ہیں اور یہی مراد مکاشفہ کے الفاظ کی ہے۔(محمد سلیمان)

آنحضرت ﷺ نے اس مختصر تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا انسداد کر دیا' ورنہ اس وقت کے اہلِ عرب میں ریوڑ کے پانی پلانے' گھوڑوں کے دوڑانے' اشعار میں ایک قوم سے دوسری قوم کو اچھا بتانے جیسی ذرا ذرا سی باتوں پر ایسی جنگ ہوتی تھی کہ بیسیوں برس تک ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔

قربِ زمانۂ بعثت اور غارِ حرا کی خلوتیں

بعثت سے سات برس پہلے ایک روشنی اور چمک سی نظر آنے لگی تھی۔[1] اور آنحضرت ﷺ اس روشنی کے معلوم کرنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔[2] اس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہ ہوتی تھی۔ بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا' آنحضرت ﷺ کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ اکثر پانی اور ستّو لے کر شہر سے کوئی کوس پرے سنسان جگہ کوہ حرا[3] کے ایک غار میں جس کا طول ۴ گز' عرض پونے دو گز تھا'

۲۵- صحیحین عن ابن عباس، [بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث ۳] ۲- سفر السعادت مشرح مطبوعہ افضل المطابع' کلکتہ چاپ ۱۲۵۲ھ' صفحہ ۳۱۔ ۳- اب اسے جبل نور کہتے ہیں مفصل حال ہمارے سفر نامہ حجاز میں ہے۔

جا بیٹھتے، عبادت کیا کرتے، اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی۔[1] جب تک پانی اور ستّو ختم نہ ہو جاتے، شہر میں نہ آیا کرتے۔[2]

اب آنحضرت ﷺ کو خواب نظر آنے لگے۔ خواب ایسے سچے ہوتے تھے کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے، دن میں ویسا ہی ظہور میں آجاتا۔[3]

بعثت و نبوت

جب آنحضرت ﷺ کی عمر چالیس[4] سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول[5] ۴۱ سنہ میلادی (مطابق ۲ فروری ۶۱۰ء) کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم نبوت لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ غار حرا میں تھے۔ روح نے کہا: محمدؐ! بشارت قبول فرمایئے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل[6] ہوں۔ اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔[7]

اخلاقِ عالیہ پر خدیجہ الکبریٰؓ کی شہادت

خدیجہ الکبریٰ نے کہا: نہیں، آپ کو ڈر کاہے کا؟! میں دیکھتی ہوں کہ آپؐ اقربا پر شفقت فرماتے، سچ بولتے، رانڈوں، یتیموں،

۱- سفر السعادۃ، جمعًا للاقوال ۲- صحیحین عن عائشہؓ [بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث ۳] ۳- صحیحین عن عائشہؓ، مشکوۃ صفحہ ۵۱۳ [ایضاً] ۴- صحیح بخاری عن ابن عباس باب مبعث النبی ﷺ، حضرت موسیٰؑ کو بھی ۴۰ سال پورے ہونے پر نبوت ملی تھی۔ دیکھو کتاب اعمال مشمولہ انجیل۔ ۵- زاد المعاد، ص ۱۸ میں ۸ ربیع لکھی ہے، دوشنبہ کے دن پر اتفاق ہے، چونکہ دوشنبہ کا دن ۹ کو پڑتا ہے اس لیے وہی صحیح ہے۔ ۶- سفر السعادت، مشرح صفحہ ۳۵۔ ۷- اس فقرے سے حضور ﷺ کا مطلب مشکلاتِ نبوت کا بیان تھا۔

بے کسوں کی دستگیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں، خدا آپؐ کو کبھی اندوہ گین نہ فرمائے گا۔[1] اب خدیجہ الکبریٰؓ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اس لیے وہ نبی ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے رشتے کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔[2]

اس کتاب کے مقدمے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی اور قیصر کی کوششوں سے عیسائیت عرب میں آچکی تھی۔ اس لیے بعثت محمدیؐ کے قریب عرب میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو علمائے یہود و نصاریٰ سے بہت سی معلومات کا استفادہ کر چکے تھے۔ اور دین جاہلیت کو چھوڑ کر یہ خبریں دیا کرتے تھے کہ عنقریب رسول ظاہر ہونے والا ہے، جو ابلیس اور اس کے لشکر پر غالب ہوگا۔ ان اشخاص میں عثمان بن حریث، عبید، زید بن عمرو، اور ورقہ بن نوفل کے نام خصوصیت سے مشہور ہیں۔

زید بن عمرو جو عمر فاروقؓ کے چچا تھے، وہ بزرگوار ہیں، جنھوں نے رسولِ موعود کی تلاش میں دُور دُور سفر کیے تھے اور آخر یہ معلوم کر کے کہ وہ مکہ میں پیدا ہوں گے، اسی مبارک انتظار میں رہ کر انتقال کر چکے تھے۔

آپؐ کی نبوت پر ورقہ بن نوفل کی شہادت

الغرض حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر نبی ﷺ نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبریلؑ کے آنے، بات کرنے کا واقعہ بیان فرمایا۔ وہ جھٹ بول اٹھا، یہی ہے وہ ناموس جو موسیٰؑ پر اُترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب قوم آپ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ بولا: ہاں! اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی، اس سے (شروع میں) عداوت ہی ہوتی رہی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور ﷺ کی نمایاں خدمت کروں۔[3]

۱۔ صحیحین عن عائشہؓ مشکوٰۃ، ص ۵۱۴۔ ۲۔ خلاصہ تاریخ العرب، پروفیسر سیڈیو۔ ۳۔ صحیحین عن عائشہؓ، مشکوٰۃ، ص ۵۱۴۔ ورقہ مرحوم اس واقعہ سے چند دنوں بعد ہی مر گیا تھا۔ وہ نہایت ضعیف اور فاقد البصر ہو گیا تھا، بزرگوار ورقہ نے ہجرت کا ذکر یسعیاہ ۴۲ میں پڑھا ہوگا۔

نزول قرآن کا آغاز

کچھ دنوں[1] بعد فرشتہ پھر آیا اور نبی ﷺ کو جنھوں نے اب تک لکھنا پڑھنا نہ سیکھا تھا' خدا کا وہ پاک نام اور پاک کلام پڑھایا جو سارے علموں کی کنجی اور ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے۔ روح الامین نے ان آیات کو پڑھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ شروع ہے اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور نہایت رحم والا ہے

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ جس نے انسان کو پانی کے کیڑے سے بنایا۔

اقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ (ہاں) پڑھتا چلا جا۔ تیرا پروردگار تو بہت کرم والا ہے

الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی'

عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ (جس نے) انسان کو وہ سب کچھ سکھایا' جو وہ نہ جانتا تھا۔[2] [العلق ۵-۱:۹۶]

نماز اور تبلیغ کا آغاز

اس کے بعد روح الامین نبی ﷺ کو دامن کوہ میں لایا۔ نبی ﷺ کے سامنے خود وضو کیا اور آنحضرت ﷺ نے بھی وضو کیا۔ پھر دونوں نے مل کر نماز پڑھی [جو] روح الامین نے پڑھائی۔

نبی ﷺ نے گھر پہنچ کر تبلیغ شروع کر دی۔ خدیجہؓ (بیوی)، علیؓ ([چچازاد] بھائی عمر آٹھ سال)، ابو بکرؓ (دوست)، زید بن حارثہؓ (مولیٰ) پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے۔[3]

۱- علما کا اتفاق ہے کہ ولادت باسعادت بماہ ربیع الاول ہوئی۔ نیز اتفاق ہے کہ ابتدا وحی ۴۱ ویں سال کے شروع میں ہوئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابتدا وحی بھی بماہ ربیع الاول ہوئی مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قرآن مجید کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ ابتدائے نزول بماہ رمضان ہے' کچھ دنوں سے مراد اس عرصہ کا درمیانی فاصلہ قریباً چھ ماہ ہے جس میں وہ رویائے صادقہ آتے رہے جو نبوت کا چھیالیسواں حصہ (۲۳ سال عہد نبوت کا چھیالیسواں حصہ' چھ ماہ) تھے۔ امام طبری نے نزول قرآن کی تاریخ ۱۷ یا ۱۸ رمضان روایت کی ہے۔ چونکہ ۱۸ رمضان ۱ نبوت کو یوم جمعہ تھا (مطابق ۱۷ اگست ۶۱۰ء)۔ اس لیے نزول قرآن مجید شب جمعہ ۱۸ رمضان کو تھا۔ ۲- اس خوبی کو دیکھیے کہ اللہ کا کلام جو انسان کی ہدایت کے لیے اُترا' انسان کی ابتدائی حالت ہی سے شروع ہوتا ہے اور سب سے پہلے انسان کے لیے تعلیم کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ نبی کو خود خالق نے تعلیم دی۔ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ سے آنحضرت کا اَن پڑھ ہونا ظاہر ہے۔ کتاب یسعیاہ

[۲۹:۱۲] میں ہے: اَن پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھیے۔ قرآن مجید کے لفظاً و معناً کلام الٰہی ہونے کے لیے دیکھو، استثنا [۱۵:۱۸-۲۰] ۳- علما میں اختلاف رہا ہے کہ علیؓ مرتضٰی پہلے اسلام لائے یا ابو بکر صدیقؓ۔ میں نے اس بحث کو چھوڑ دیا کیونکہ یہ بحث ابو بکر صدیقؓ یا علیؓ مرتضٰی کی سیرت میں ہونی چاہیے۔

ان اشخاص کا ایمان لانا جو آنحضرت ﷺ کی چالیس سالہ ذرا ذرا سی حرکات و سکنات تک سے واقف تھے، نبی ﷺ کی اعلیٰ صداقت اور راست بازی کی قوی دلیل ہے۔

سابقین اولین بلالؓ، عمرو بن عنبسہؓ، وخالد بن سعد بن عاصؓ بھی چند روز کے بعد ہی مسلمان ہو گئے۔ ابو بکرؓ بڑے مالدار تھے۔ تجارت کرتے تھے۔ مکہ میں ان کی دکان بزازی [کپڑا فروشی] کی تھی۔ لوگوں سے ان کا بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے عثمان غنیؓ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، طلحہؓ، سعدؓ بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔ پھر ابو عبیدہؓ عامر بن عبداللہ بن الجراح، جن کا لقب بعد میں امین الامۃ ہوا، عبدالاسدؓ بن بلال، عثمانؓ بن مظعون، عامرؓ بن فہیرہ ازدی، ابو حذیفہؓ بن عتبہ، سائب بن عثمان بن مظعون اور ارقم مسلمان ہوئے۔

عورتوں میں ام المومنین خدیجہؓ کے بعد نبی ﷺ کے چچا عباسؓ کی بیوی ام الفضلؓ، اسما بنت عمیسؓ، اسماء بنت ابو بکرؓ اور فاطمہؓ خواہر عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا۔

پہاڑ کی گھاٹیوں پر نماز ان دنوں مسلمان پہاڑ کی گھاٹی میں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نبوت کے ابتدائی تین سال تک لوگوں کو چپکے چپکے سمجھایا کرتے تھے۔ اور پتھروں، درختوں، چاند، سورج کی پوجا سے ہٹا کر خدا کی بندگی سکھایا کرتے تھے۔

علانیہ تبلیغ کا حکم

اب خدا کا حکم پہنچا: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ اے درست کرنے والے (عالم کے) اٹھو (گندے اعمال والوں کو) ڈراؤ

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اور اپنے پروردگار کی بزرگی کو پھیلاؤ اور پاکدامنی اختیار کرو

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مخلوق پرستی کی) نجاست سے علیحدگی اختیار کرو۔ احسان اس نیت سے نہ کرو کہ لوگوں سے

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ اس کا فائدہ حاصل کیا جائے، اپنے پروردگار کے لیے رسالت کرتے ہوئے ہر ایک امتحان اور تکلیف میں استقلال رکھو۔

۱- از دثر الطائر تدثیراً درست ساخت طائر آشیانہ خود را۔ منتہی الارب، باب د، ث، ر۔ علامہ ابو السعود اپنی تفسیر جلد ہشتم ص ۲۸۸ پر لکھتے ہیں: مدثر - ای الذی دثر ھذا الامر العظیم وعصب بہ۔

آپؐ کی نبوت کا مقصد

ان آیات سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی رسالت اور نبوت کے مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

۱-نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت سے آگاہ کرنا اور انجام سے ڈرانا۔

۲-اللہ کی ربوبیت اور کبریائی اور عظمت و جلال کا آشکار کرنا۔

۳-لوگوں کو اعتقاد اور اعمال اور اخلاق کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دینا۔

۴-پاکیزگی، صفائی اور پاکدامنی سکھانا۔

۵-الٰہی تعلیم مفت دینا۔ نہ ان پر احسان جتانا، نہ ان سے اپنے کسی فائدے کی توقع رکھنا۔

۶-اس کام میں جس قدر بھی مصائب اور شدائد جھیلنا پڑیں، سب کو برداشت کرنا۔

جو شخص نبی ﷺ کی پاک زندگی کے حالات پر غور کرے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کیسی خوبی سے ان سب مقاصد کو پورا کیا۔

تبلیغ کے پنج گانہ مراتب

نبی ﷺ کی تبلیغ کا کام بمدارج ذیل آہستہ آہستہ وسعت پکڑتا رہا۔

اول: قریب کے رشتہ دار اور خاص خاص احباب۔

دوم: قوم اور شہر کے دوسرے لوگ۔

سوم: مکہ کے اطراف و جوانب کے قبیلے۔

چہارم: عرب کے جملہ حصص اور قبائل۔

پنجم: دنیا کی جملہ [متمدن] اقوام اور جملہ مشہور مذاہب۔

حضور ﷺ نے اس تبلیغ کے لیے نہایت استحکام، کمالِ استقلال اور کشادہ پیشانی و نزہت خاطر سے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے میں ثابت قدمی فرمائی تھی اور اپنی تعلیم کو دلائل بین و براہین محکم سے ثابت کر دکھایا تھا۔

قارئین اس کتاب میں تبلیغ کے ان پنج گانہ مراتب کے متعلق نبی ﷺ کی مساعی کا ذکر معلوم کر سکیں گے۔

بعثت کے وقت عالم کی حالت

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس وقت نبی ﷺ تبلیغ عالم کے لیے مبعوث ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی، وحشت و درندگی کا دنیا پر تسلط تھا۔ انسانیت، تہذیب، اخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آ سکتے تھے۔ مگر دلوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

الف: بنی اسرائیل تو مسیحؑ سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلانے کے مستحق ٹھیر چکے تھے، اب مسیحؑ کے لعنت بھیجنے سے ظاہری شکل وصورت کے سوا ان میں آدمیت کا ذرا بھی نشان باقی نہ رہا تھا۔ اور ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں بت پرستی قائم ہو چکی تھی۔

ب: یورپ میں جہالت و وحشت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔ نارتھمبرلینڈ، مڈلینڈ، کون ٹیز، نارفوک، سوفوک، ساسیکس (اضلاع انگلستان) میں ورڈن بت کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس، برن ہلڈ، سگ فرٹ، فرے دی، گوٹن دی، مل ہے رک، حیوانی زمانہ میں تھا، جبکہ پادریوں کے ایما سے بہت سی بے ہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ لڑائی ۷۸۲ء کے بعد تک جاری رہی۔ جب کہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہر ورڈون میں ہلاک کیے گئے۔ ہنگری ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی و ناشائستہ آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا جس کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔[1]

ج: ایران پر مزدکیہ کا زور تھا جنھوں نے زن، زر، زمین کے وقف عام کر دینے سے اخلاق وانسانی ترقیات کو ملیامیٹ کر دیا۔

د: ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا[2] اور بام مارگی فرقہ قابض تھا۔ وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگان خدا کی رہبری کرتے تھے۔ مندروں میں زن و مرد کی برہنگی کی تماثیل بنا کر رکھی جاتی تھیں اور انھی کی پرستش کی جاتی تھی۔ عبادت خانوں کے در و دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کی جاتی تھیں، جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہیے۔

ہ: چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ

۱- سول اینڈ ملٹری گزٹ، ۱۲- اکتوبر ۱۹۰۷ء، ایڈیٹوریل نوٹ۔ ۲- اردو تہذیب قدیم ہندوستان، مسٹر آر- سی- دت،

موڑ لیا تھا۔ ہر کام کے بت جدا جدا تھے۔ کوئی بارش کا' کوئی اولاد کا' کوئی جنگ کا' کوئی امن کا' اور ہر ایک بت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔ کانفیوشس کو چین کا مصلح سمجھا جاتا ہے، لیکن اس وقت تک اس کا بھی ظہور نہ ہوا تھا۔

و: مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی۔ مسیحؑ کی شخصیت اور ابنیّت کی تعریف و تحدید' توحد و تفریق کے متعلق روز روز نئے نئے اعتقادات پیدا ہوتے' نئے نئے فرقے بنتے تھے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا۔ اپنے مخالف کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی ہے جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے۔ اور جن میں سے ہر ایک کو بجائے خود علم و تہذیب کے بڑے بڑے دعوے تھے۔

ز: عرب کا قیاس انھی ممالک پر کر لیجیے اور قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ رکھیے کہ یہ ایسا ملک تھا' جہاں صدیوں سے نہ کسی بادشاہ کا تسلط ہوا تھا' نہ کوئی اثر قانون نے ڈالا تھا [اور] نہ کوئی ہادی ان کی ہدایت کے لیے پہنچا تھا۔ اس حیوانی[1] آزادی پر بے علمی' جہالت اور اقوام متمدنہ سے علیحدگی اور اجنبیت نے ان کی حالت کو اور بھی زیادہ تباہ کر دیا تھا۔ اس بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ واجب الرحم ٹھہرایا اور رب العالمین نے اصلاح عالم کا آغاز اسی جگہ سے ہونا پسند فرمایا۔

اپنے کنبے میں تبلیغ اور ان کو آپؐ کی تقریر

قرآن مجید میں خصوصیت سے تھا: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [الشعراء ۲۶:۲۱۴] چنانچہ نبی ﷺ نے ایک روز سب کو کھانے پر جمع کیا۔ یہ سب بنی ہاشم ہی تھے۔ ان کی تعداد چالیس یا اس سے ایک کم یا زیادہ تھی۔

اس روز ابولہب کی بکواس کی وجہ سے نبی ﷺ کو کلام کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اس لیے دوسری شب پھر انھی کی دعوت کی گئی۔ جب سب کھانا کھا کے' دودھ پی کے فارغ ہو گئے' تب نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- انسانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کی پابندی کے تحت میں ہر شخص کو حاصل ہے اور حیوانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کے اثر کو باطل ٹھہرا کر حاصل ہوئی ہو۔

اے حاضرین! میں تم سب کے لیے دنیااور آخرت کی بہبود لے کر آیا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ عرب بھر میں کوئی شخص بھی اپنی قوم کے لیے اس سے بہتر اور افضل کوئی شے لایا ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اس کی دعوت دوں۔ بتاؤ، تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟

یہ سن کر سب کے سب چپ ہو گئے، حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا۔ یارسول اللہؐ! میں حاضر ہوں۔ نبی ﷺ نے ابو طالب سے کہا: تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے، سنا کرو۔ یہ فقرہ سن کر مجمع خوب کھلکھلا کر ہنسا اور ابو طالب سے تمسخر کرنے لگا، دیکھو! محمدؐ نے تمھیں کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔[1]

پہاڑی کا وعظ اور اہل مکہ کو تبلیغ

ایک روز نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کے لوگوں کو پکارنا شروع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم مجھے بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا جانتے ہو؟ سب نے ایک آواز میں کہا، ہم نے کوئی بات غلط یا بے ہودہ تیرے منہ سے نہیں سنی، ہم یقین کرتے ہیں کہ تو صادق اور امین ہے۔[2]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو! میں پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور تم اس کے نیچے ہو۔ میں پہاڑ کے ادھر بھی دیکھ رہا ہوں اور ادھر بھی نظر کر رہا ہوں۔ اچھا اگر میں یہ کہوں کہ رہزنوں کا ایک مسلح گروہ دُور سے نظر آ رہا ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہو گا۔ کیا تم اس کا یقین کر لو گے؟''

لوگوں نے کہا: ''بے شک! کیونکہ ہمارے پاس تجھ جیسے راست باز آدمی کے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں، خصوصاً جبکہ وہ ایسے بلند مقام پر کھڑا ہے کہ دونوں طرف دیکھ رہا ہے۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔ اب یہ یقین کر لو کہ موت تمھارے سر پر آ رہی ہے اور تمھیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور میں عالم آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں، جیسے دنیا پر تمھاری نظر ہے''۔

۱- ابوالفداء، ص ۱۷۷۔ [تاریخ ابن کثیر، ج ۱، ص ۴۵۹] ۲- دیکھو مکاشفہ ۱۱:۱۹-۱۲

اس دل نشین وعظ سے مطلب نبی ﷺ کا یہ تھا کہ نبوت کے لیے ایک مثال پیش کریں کہ کس طرح ایک شخص عالم آخرت کو دیکھ سکتا ہے، جبکہ ہزاروں اشخاص نہیں دیکھ سکتے۔ (اس وقت آپ کے چچا ابولہب نے آپ کو بہت برا بھلا کہا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''لہب'' نازل فرمائی)۔

تبلیغ میں آنحضرتؐ کی کوششیں

اب نبی ﷺ نے سب کو عام طور پر سمجھانا شروع کیا۔ ہر ایک میلے میں، ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی خوبی بتاتے، بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے، بیٹیوں کو مار ڈالنے سے ہٹاتے، زنا سے منع کرتے اور جوا کھیلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔

آپؐ کے وعظ کی بڑی بڑی باتیں

آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اپنے جسم کو نجاست سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک وصاف رکھیں۔ وعدہ اور اقرار کی سخت پابندی کریں۔ لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں۔ خدا کی ذات کو نقص سے، عیب سے، آلودگی سے پاک سمجھیں۔ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے بڑے سب کے سب خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت و تندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔

منڈیوں اور میلوں میں تبلیغ اور قریش کی مخالفت

عرب میں عکاظ اور یعینہ ۷۴ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ دُور دُور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی ﷺ ان مقامات پر جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت فرمایا کرتے تھے۔

مغرور قریش کو، جو عرب میں اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے، جیسے سمندر میں ویل مچھلی، نبی ﷺ کا وعظ پسند نہ آیا۔ اس کی چند وجوہات تھیں:

(۱) وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کے سمجھانے کے لیے آئے۔

(۲)وہ جزاو سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔اس لیے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہو گی'ان کے نزدیک بالکل قابل تمسخر تھی۔

(۳)وہ خاندان اور شرافت بزرگان پر نہایت مغرور تھے اور انھیں اسلامی مساوات اور اسلامی

اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلت محسوس ہوتی تھی۔

(۴)ان میں اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے اور دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا انھیں عار معلوم ہوتا تھا۔

(۵)وہ بت پرستی پر بالکل قانع تھے اور اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان بھی ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

(۶)وہ زنا، جوا، رہزنی، قتل، عہد شکنی، آوارگی، ہر ایک قانون و وعدہ کی بندش و قیود سے آزاد رہنے، بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھنے کے عادی تھے اور اسلام کا قانون ان کو اپنی پیاری عادات کا دشمن معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے انھوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا فیصلہ کیا۔

اسلام کے خلاف تدبیریں

اوّل تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیت دی جائے تاکہ جو مسلمان ہو چکے ہیں، وہ واپس آجائیں اور نئے لوگ اسے اختیار نہ کریں۔ قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم کیے، انھیں جو تکالیف اور اذیتیں دیں، ان کا مفصل بیان دشوار ہے۔ مختصر طور پر ان کے عذاب دہی کے طریقوں اور چند بزرگواروں کا حال مذکور ہوتا ہے۔

۱-اسلام لانے والوں پر جور و ستم

۱-بلالؓ حبشی تھے۔ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب اُمیہ نے سنا کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں۔ گونا گوں عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے۔ گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انھیں لیے پھرتے۔ رسی کا نشان گردن پر نمایاں ہو جاتا۔ وادی مکہ کی گرم ریت پر انھیں لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا۔ مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔ دھوپ میں بٹھایا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ حضرت بلالؓ ان سب حالتوں میں اَحد اَحد کے نعرے لگاتے رہتے۔ ابو بکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو خریدا اور خدا کے لیے آزاد کر دیا۔[۱]

۱-۲۰ھ میں بمقام دمشق بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔

۲- عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابو جہل نے انھیں گوناگوں عذاب پہنچائے۔ ایک دن نبی ﷺ نے انھیں عذاب سہتے دیکھا۔ فرمایا: اِصْبِرُوْا یَالَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃ۔ یاسر والو، صبر کرو! تمھارا مقام جنت ہے۔ کم بخت ابو جہل نے بی بی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور اسے جان سے مار ڈالا۔[۲]

۳- ابو فکیہہؓ جن کا نام افلح تھا، کے پاؤں میں رسی باندھ کر انھیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔[۳]

۴- خباب بن ارتؓ کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی، گرم پتھروں سے، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔[۴]

۵- یعینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس بے چاری لونڈیاں تھیں اور ان کے سنگ دل آقا ان کو ایسی ہی سخت وحشیانہ سزائیں دیا کرتے تھے۔

قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا، اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگ دلی کا برتاؤ کیا کرتے۔[۵]

۶- عثمان بن عفانؓ کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا کو ہوئی تو وہ کم بخت حضرت عثمانؓ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

۷- مصعب بن عمیرؓ[۶] کو ان کی ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔ اسی جرم میں کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔

۸- بعض صحابہؓ کو قریش گائے، اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے، بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا کرتے تھے۔ غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ پہلی امتوں نے تو کھوٹے روپے لے کر انبیا کو گرفتار اور قتل تک کرا دیا تھا۔[۷]

۱- جنگ صفین میں بعمر ۹۱-۹۲ سال شہید ہوئے۔ ۲- مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۵۰۳- اعجاز التنزیل، ص ۵۳۔ ۴- مدینہ میں بعمر ۶۳ سال ۱۹ھ میں وفات پائی۔ ۵- اعجاز التنزیل، ص ۵۳۶- جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ ۷- زاد المعاد، جلد ۱، ۲۹۷/۲۴ [طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ، ج ۳، ص ۲۲]

۲-آنحضرت ﷺ کے ساتھ بد سلوکیاں

بسا اوقات نبی ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے، تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ گھروں کے دروازے پر عفونتیں پھینکی جاتیں تاکہ صحت وجمعیتِ خاطر میں خلل پیدا ہو۔[۱] اس ظلم کے جواب میں نبی ﷺ اس قدر فرمادیا کرتے کہ فرزندانِ عبد مناف! حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط آیا۔ اس نے اپنی چادر کو لپیٹ دے کر رسی جیسا بنایا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے، گردن مبارک بہت بھنچ گئی تھی، تاہم حضور ﷺ اسی اطمینان قلب سے سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ابو بکر صدیقؓ آئے، انھوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت بھی پڑھ کر سنائی:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو، اور صرف اس جرم میں کہ

اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ [المؤمن ۲۸:۴۰][۲] وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمھارے پاس اپنی روشن

دلائل بھی لے کر آیا ہے۔

چند شریر ابو بکر صدیقؓ سے لپٹ گئے اور ان کو بھی بہت زدوکوب کیا۔

دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ قریش بھی صحن کعبہ میں جا بیٹھے۔ ابو جہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے، اٹھا لائے اور اس (نبی ﷺ) کے اُوپر دھر دے۔ شقی عقبہ اٹھا، نجاست بھری اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی۔ آنحضرت ﷺ رب العزت کی جانب متوجہ تھے۔ کچھ خبر بھی نہ ہوئی۔ کفار ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ ابن مسعودؓ صحابی بھی موجود تھے۔ کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا تو حوصلہ نہ پڑا۔ مگر معصوم سیدہ فاطمہؓ زہرا آگئیں۔ انھوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک

۱- تاریخ طبری [ج ۲، ص ۳۴۳، دار المعارف، مصر] ۲- صحیح بخاری عن [عبداللہ] بن عمرو العاص، [کتاب فضائل الصحابة]، باب ما لقی النبی من المشرکین [حدیث ۳۶۴۳]

دیا اور ان سنگ دل لوگوں کو سخت سست بھی کہا۔

۳-ایذا رسانی کی کمیٹیاں

قریش مکہ نے نبی ﷺ اور مسلمانوں پر جو جور و ستم ہو رہے تھے، اسے ہنوز ناکافی سمجھا، اس لیے بجائے متفرق کوششوں کے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔

ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا میر مجلس ابولہب تھا اور مکہ کے ۲۵ سردار اس کے ممبر تھے۔

اس کمیٹی میں حل طلب سوال ایک یہ بھی تھا کہ جو لوگ دور دراز سے مکہ میں آتے ہیں، انھیں محمد ﷺ کی نسبت کیا کہا جائے تاکہ وہ لوگ اس کی باتوں میں نہ پھنسیں اور اس کی عظمت کے قائل نہ ہوں۔

تعلیم نبوی پر کفار کی شہادت

ایک نے کہا: ہم بتلایا کریں گے کہ وہ کاہن ہے۔ ولید بن مغیرہ (جو ایک خرانٹ بڈھا تھا) بولا: میں نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں، لیکن کہاں تو کاہنوں کی تک بندیاں اور کجا محمد ﷺ کا کلام، ہم کو ایسی بات نہ کہنی چاہیے جس سے قبائل عرب یہ سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

ایک نے کہا: ہم اسے دیوانہ بتایا کریں گے۔ ولید بولا: محمدؐ کو دیوانگی سے کیا نسبت ہے؟

ایک بولا: اچھا ہم کہیں گے، وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے۔ اصنافِ سخن ہم کو بخوبی معلوم ہیں۔ محمدؐ کے کلام کو شعر سے ذرا مشابہت نہیں۔

ایک بولا: ہم بتایا کریں گے، وہ جادو گر ہے۔ ولید نے کہا: جس طہارت و لطافت اور نفاست سے محمدؐ رہتا ہے، وہ جادو گروں میں کہاں ہوتی ہے، جادو گروں کی منحوس صورتیں اور نجس عادتیں الگ ہی ہوتی ہیں۔

اب سب نے عاجز ہو کر کہا: چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کہا جائے؟ ولید نے کہا: سچ تو یہ ہے کہ محمدؐ کے کلام میں عجب شیرینی ہے۔ اس کی گفتگو

۱- صحیح بخاری، عن ابن مسعود الثالثة، کتاب الجهاد والسیر، صحیح مسلم

نورس حلاوت ہے۔ کہنے کو تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کلام ایسا ہے، جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر وزن میں جدائی ہو جاتی ہے۔[۱] اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دشمنوں کے ریزولیوشن آنحضرت ﷺ کے خلاف

آخر اس کمیٹی نے مندرجہ ذیل ریزولیوشن پر اتفاق کیا۔ ''محمدؐ کو ہر طرح سے دق کیا جائے۔ بات بات میں اس کی ہنسی اڑائی جائے۔ تمسخر اور ایذا سے اسے سخت تکلیف دی جائے۔ محمدؐ کے سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار کیا جائے''۔

فصل دوم

ہجرت حبش

جب کفار نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا تو نبی ﷺ نے صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ جو کوئی چاہے وہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لیے حبش کو چلا جائے۔ اس اجازت کے بعد ایک چھوٹا سا قافلہ ۲ مرد [اور] ۴ عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔[۲]

حضرت عثمانؓ کی فضیلت

اس مختصر قافلہ کے سردار حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ سیدہ رقیہؓ (بنت النبی ﷺ) ان کے ساتھ تھیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: لوط و ابراہیمؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنھوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی ہے۔[۳]

مسلمانوں کا تعاقب

ان کے پیچھے اور بھی مسلمان (۸۳ مرد، ۱۸ عورتیں) مکہ سے نکلے اور حبش کو روانہ ہوئے، ان میں نبی ﷺ کے چچیرے بھائی جعفر طیارؓ بھی تھے۔ قریش نے سمندر تک ان کا تعاقب کیا مگر یہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ حبش کا بادشاہ عیسائی تھا۔ مکہ کے کافر بھی اس کے پاس تحفے تحائف لے کر گئے اور جا کر کہا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے ملک سے بھاگ کر آئے ہیں، ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر:

۱- سیرت ابن ہشام، جلد ۱، ص ۹۰ و الشفا، قاضی عیاض، ص ۱۲۹۲- زاد المعاد، جلد اول، ص ۲۴ [طبع جدید، مؤسسۃ الرسالۃ ج ۳، ص ۲۳] ۳- رواہ حاکم ۱۲ [المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، **باب ذکر رقیۃ بنت رسول اللہ**، ج ۴، ص ۵۰، حدیث ۶۸۴۹]

''اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بے ہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمان داری کا نشان نہ تھا۔ ہمسایہ کی رعایت نہ تھی۔ کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، سچائی، دیانت داری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دُور رہیں، برائیوں سے بچیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں۔ ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا، ہم کو ستایا تاکہ ہم وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہو گئے، تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لیے آئے ہیں۔[1]

بادشاہ نے یہ تقریر سن کر کہا: مجھے قرآن سناؤ۔ جعفر طیارؓ نے اسے سورۂ مریم سنائی۔ بادشاہ پر ایسی تاثیر ہوئی کہ وہ رونے لگ گیا اور اس نے کہا کہ ''محمدؐ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیحؑ نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا''۔ پھر بادشاہ نے مکہ کے کافروں کو دربار سے نکلوا دیا۔

[نبی ﷺ کے خلاف کفار کی چالیں]

جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ حبش تک جانے کا بھی کچھ فائدہ نہ نکلا تو انھوں نے کہا: آؤ محمدؐ کو پہلے تو لالچ دیں، پھر دھمکی دیں۔ کسی طرح تو مان ہی جائے گا۔ یہ مشورہ کر کے مکہ کا مشہور مال دار سردار جس کا نام عتبہ تھا، نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے یوں تقریر کی:

''میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم خود ہی

۱۔ سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص ۱۱۶

تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے۔ اگر تم عزت کے بھوکے ہو تو اچھا ہم سب تم کو اپنا رئیس مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو بادشاہِ عرب بنا دیتے ہیں جو چاہو سو کرنے کو حاضر ہیں مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو اور اگر تمھارے دماغ میں کچھ خلل آگیا ہے تو بتا دو کہ ہم تمھارا علاج کرائیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جو کچھ تم نے میری بابت کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں، مجھے مال، عزت، دولت، حکومت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں، میری حقیقت تم کو قرآن کے اس کلام سے معلوم ہو گی:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔(۱) ’یہ فرمان خدا کے حضور سے آیا ہے وہ بڑی رحمت والا اور نہایت رحم

حٰمٓ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ والا ہے۔ یہ برابر پڑھی جانے والی کتاب ہے عربی زبان میں، سمجھ دار لوگوں

الرَّحِیۡمِ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ کے لیے اس میں سب باتیں کھلی کھلی درج ہیں جو لوگ خدا کا حکم مانتے ہیں

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے اور جو انکار کرتے ہیں ان کو

بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے، تاہم بہت سے لوگوں نے اس فرمان سے

فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ وَقَالُوۡا منہ موڑ لیا ہے وہ اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ہمارے دل پر

قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ کوئی اثر نہیں اور ہمارے کان اس کے شنوا نہیں اور ہم میں اور تم میں ایک

اِلَیۡہِ...الخ... [حم السجدۃ ۴۱:۱-۵] طرح کا پردہ ہے، تم اپنی تدبیر کرو، ہم اپنی (تدبیر) کر رہے ہیں، اے نبیؐ ان

لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں، مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے، اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، ان کے لیے آخرت میں بڑا درجہ ہے“۔

کلام پاک کے سننے سے عتبہ پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ ہاتھوں پر سہارا دیے گردن پشت پر ڈالے ہوئے سنتا رہا اور بالآخر چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش، جو نتیجۂ ملاقات معلوم کرنے کے مشتاق بیٹھے تھے، سردار عتبہ کے پاس جمع ہو گئے، پوچھا: کیا دیکھا، کیا کہا، کیا سنا؟

عتبہ بولا: معشر قریش! میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں، جو نہ کہانت ہے، نہ شعر ہے، نہ

جادو ہے‘ نہ منتر ہے۔ تم میرا کہا مانو‘ میری رائے پر چلو‘ محمد کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا۔: لو، عتبہ پر بھی محمد کی زبان کا جادو چل گیا۔[1]

جب لالچ کی تدبیر نہ چلی‘ تب سارے قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آکر یوں تقریر کی:

ہم نے آپ کا بہت ادب کیا‘ آپ کا بھتیجا ہمارے ٹھاکروں اور بتوں کو‘ جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے‘ اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کر دیں‘ ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔

سارے ملک کی عداوت دیکھ کر چچا کا دل درد اور محبت سے بھر گیا۔ اس نے نبی ﷺ کو بلایا اور سمجھایا کہ بت پرستی کا رد نہ کیا کرو ورنہ میں بھی تمھاری کچھ حمایت نہیں کر سکوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لا رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر‘ تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا‘ اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا۔ اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔[2]

اس ناکامی کے بعد قریش مکہ نے مشاورت کی کہ محمد ﷺ کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے۔ اس مشاورت کے بعد انھوں نے نبی ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ سردارانِ قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ کے اندر جمع ہیں۔ نبی ﷺ خوش خوش وہاں گئے۔ کیونکہ حضور ﷺ کو ان کے ایمان لے آنے کی بڑی ہی آرزو تھی۔ جب آنحضرت ﷺ وہاں جا بیٹھے تو انھوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا: ”اے محمدؐ! ہم نے تجھے یہاں بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔ بخدا ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص اپنی قوم پر اتنی مشکلات لایا ہو‘ جس قدر تو نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی خرابی ایسی نہیں جو تیری وجہ سے ہم پر نہ آچکی ہو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنے اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھارے لیے مال جمع کر دیں‘ اتنا کہ ہم میں سے کسی کے پاس

---

[1] سیرت ابن ہشام‘ جلد ۱‘ ص ۱۰۰۲۔ سیرت ابن ہشام‘ جلد ۱‘ ص ۸۹

اتنار وپیہ نہ نکلے‘اور اگر شرف وعزت کے خواستگار ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار بنالیں‘اور اگر تم سلطنت کے طالب ہو تو تمھیں اپنا بادشاہ مقرر کرلیں اور اگر تم سمجھتے ہو کہ جو چیز تمھیں دکھائی دیتی ہے‘وہ کوئی جن ہے جو غالب آگیا ہے تو ہم ٹونے ٹوٹکوں کے لیے مال صرف کردیں تاکہ تم تندرست ہو جاؤ‘یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ‘‘۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کہا‘میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں‘جو تعلیم میں لے کر آیا ہوں‘وہ نہ طلبِ اموال کے لیے ہے‘نہ جلبِ شرف یا حصولِ سلطنت کے واسطے ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے‘مجھ پر کتاب اُتاری ہے‘مجھے اپنا بشیر ونذیر بنایا ہے۔ میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچادیے ہیں اور تمھیں بخوبی سمجھادیا ہے۔ اگر تم میری تعلیمات کو قبول کروگے تو یہ تمھارے لیے دنیا وآخرت کا سرمایہ ہے اور اگر ردّ کروگے‘تب میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا‘کہ وہ میرے لیے اور تمھارے لیے کیا حکم بھیجتا ہے‘‘۔

قریش نے کہا: ’’اچھا محمدؐ! اگر تم ہماری ان باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سنو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کس قدر سختی اور تنگی سے دن کاٹ رہے ہیں‘پانی ہمارے پاس سب سے کم ہے اور گزران ہماری سب سے تنگ ہے۔ اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں[1] کو ہمارے سامنے سے ہٹادے تاکہ ہمارے شہر کا میدان کھل جائے نیز ہمارے لیے ایسی نہریں جاری کر دے جیسی شام وعراق میں جاری ہیں۔ نیز ہمارے باپ دادوں کو زندہ کردے۔ ان زندہ ہونے والوں میں قصیّ[2] بن کلاب ضرور ہو‘کیونکہ وہ ہمارا سردار تھا اور سچ بولا کرتا تھا۔ ہم اس سے تیری بابت بھی پوچھ لیں گے۔ اگر اس نے تیری باتوں کو سچ مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے

۱۔ منکرانِ مکہ تو صرف مکہ کے پہاڑوں کو پرے ہٹا کر اپنا صحن کھلوانا چاہتے تھے لیکن ایمان والوں کے لیے جبرالٹر سے لے کر کوہِ قاف تک کوئی پہاڑ بھی روک نہ بن سکا اور تمام روئے زمین گھر کا صحن بن گیا۔ ۲۔ آنحضرت ﷺ کے دادا عبد مناف کے والد کا نام ہے جس نے بنو جرہم کو مکہ سے نکالا اور قریش کے قبیلوں کو اکٹھا کر کے مکہ میں آباد کیا اور رفادہ‘دیت‘سقایہ‘لواء‘سفارت‘حجابہ‘ازلام کی خدمات کو تقسیم کر دیا (دیکھو‘جلد ۲‘رحمۃ للعالمین)

سوالوں کو بھی پورا کر دیا۔ تب ہم بھی تجھے سچا جان لیں گے اور مان لیں گے کہ ہاں خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے اور اس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان کاموں کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو اس تعلیم کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں نے خدا کے پیغامات تمھیں سنا دیے ہیں، اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لو گے، تو یہ تمھاری دنیا و آخرت کے لیے سرمایہ ہے اور اگر ردّ کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا جو کچھ اسے میرا اور تمھارا فیصلہ کرنا ہو گا، فرمائے گا''۔

قریش نے کہا: ''اچھا، اگر تم ہمارے لیے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے ہی لیے خدا سے سوال کرو۔

(۱) کہ وہ ایک فرشتے کو تمھارے ساتھ مقرر کر دے، جو یہ کہتا رہا کرے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہم کو تمھاری مخالفت سے منع بھی کر دے۔

(۲) ہاں تم اپنے لیے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں، بڑے بڑے محل بن جائیں، خزانہ میں سونا چاندی جمع ہو جائے جس کی تمھیں ضرورت بھی ہے۔ اب تک تم خود ہی بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کیا کرتے ہو، ایسا ہو جانے کے بعد ہی ہم تمھاری فضیلت اور شرف کی پہچان حاصل کر سکیں گے اور تمھیں خدا کا رسول[1] سمجھ سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسا نہ کروں گا اور خدا سے بھی ایسا سوال نہ کروں گا، اور ان باتوں کے لیے میں مبعوث بھی نہیں ہوا، مجھے تو اللہ نے بشیر و نذیر بنایا ہے۔ تم مان لو تو تمھارے لیے ذخیرۂ دارین ہے، ورنہ میں صبر کروں گا اور خدا کے فیصلے کا منتظر رہوں گا''۔

قریش نے کہا: ''اچھا، تم آسمان کا ٹکڑا ہی توڑ کر ہم پر گرا دو، کیونکہ تمھارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ پس جب تم ایسا نہ کرو گے، ہم ایمان نہیں لانے کے''۔[2]

۱۔ دنیوی ثروت و امارت، محل و بستان سرا وغیرہ جن کو اہل مکہ نے صداقت کا نشان ٹھہرایا تھا، وہ نشان ایمان والوں کے ساتھ خدا نے پورے کیے اور معلوم ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم فی الحقیقت دنیا کی بہتری کے لیے سرمایہ تھی جیسا کہ آخرت کے لیے وہ بالضرور خیر ہے۔ ۲۔ جس عذاب کی درخواست ان لوگوں نے کی تھی جنگ بدر کے دن وہ ان پر اترا اور انکار کرنے والوں اور تمسخر کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خدا کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے تو ایسا کرے''۔

قریش نے کہا: ''محمدؐ! یہ تو بتاؤ کہ تیرے خدا نے تجھے پہلے سے یہ نہ بتایا کہ ہم تجھے بلائیں گے، ایسے ایسے سوال کریں گے، یہ یہ چیزیں طلب کریں گے، ہماری باتوں کا یہ جواب ہے اور خدا کا منشا ایسا ایسا کرنے کا ہے؟''

''چونکہ تیرے خدا نے ایسا نہیں کیا اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا ہے، اس کا نام رحمن[1] ہے، وہی تجھے ایسی باتیں سکھاتا ہے، ہم تو رحمن پر کبھی ایمان نہیں لانے کے۔ محمد! دیکھو، آج ہم نے اپنے سب عذرات سنا دیے ہیں۔ اب ہم تجھ سے قسمیہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دیں گے، حتیٰ کہ ہم مر جائیں یا تو مر جائے''۔

یہاں تک بات چیت ہوئی تھی کہ ایک ان میں سے بولا: ''ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔ دوسرا بولا: ''محمدؐ! ہم تیری بات کا یقین نہیں کریں گے، جب تک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں''۔

نبی ﷺ آخری بات سن کر اُٹھ کھڑے ہوئے، نبی ﷺ کے ساتھ عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ یہ آپؐ کا پھوپھی زاد بھائی (عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا) تھا، اس نے کہا: ''محمد! دیکھو! تمھاری قوم نے اپنے لیے کچھ چیزوں کا تم سے سوال کیا۔ وہ بھی تم نے نہ مانا۔ پھر انھوں نے یہ چاہا کہ تم خود اپنے ہی لیے ایسی علامات کا اظہار کرو جس سے تمھاری قدر و منزلت کا ثبوت ہو سکتا ہو، اسے بھی تم نے قبول نہ کیا۔ پھر انھوں نے اپنے لیے تھوڑا سا وہ عذاب بھی چاہا، جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو، تم نے اس کا بھی اقرار نہ کیا، پس اب میں تم پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا۔ اگرچہ تم میرے سامنے آسمان کو زینہ لگا کر اُوپر چڑھ جاؤ اور میرے سامنے اس زینے سے اُترو۔ اور تمھارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمھاری شہادت بھی

۱- خدا کے اسمائے حسنیٰ اسلام نے بتائے ہیں، ان میں رحمن ایسا نام ہے جس سے عرب ہرگز واقف نہ تھے اس لیے وہ خدا کے نام رحمن سے بہت چڑا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ یہ کسی گمنام شخص کا نام ہوگا۔ رحمن رحمت سے مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی کمال رحمت والا۔

دیں، میں تو تب بھی تم پر ایمان نہیں لاؤں گا۔[1]

نبی ﷺ اس ردّ و انکار پر بھی برابر قریش کو اسلام کی ہدایت کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ میری تعلیم ہی میں سب کچھ تمھارے لیے موجود ہے۔ جن دانش مندوں نے ایمان قبول کیا اور تعلیم نبویؐ پر کاربند ہوئے، انھیں اس سے زیادہ معارف و فوائد حاصل ہو گئے، جس کا سوال کفار نے کیا تھا۔ ہم کو اس موقع پر انجیل کا وہ مقام یاد آتا ہے جس میں مسیحؑ کی آزمایش کے لیے شیطان نے کئی سوال کیے اور مسیحؑ نے ان کا جواب انکار میں دیا۔[2] حقیقت یہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ رسول اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنی تعلیم پیش کیا کرتے ہیں، معجزہ یا خرقِ عادت کو پیش نہیں کیا کرتے۔ کیونکہ پھر صفتِ ایمان بالغیب کی خوبی باقی نہیں رہتی، اگرچہ کسی دیگر اوقات میں کسی ضرورت کے لیے ان سے معجزات کا صدور بھی بکثرت ہوتا رہتا ہے۔

امیر حمزہؓ کا اسلام [لانا]

نبوت کے چھٹے برس کا ذکر ہے کہ ایک روز ہمارے نبی ﷺ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے تھے، ابوجہل وہاں پہنچ گیا، اس نے نبی ﷺ کو پہلے گالیاں دیں اور جب نبی ﷺ گالیاں سن کے چپ رہے تو اس نے ایک پتھر حضور ﷺ کے سر پر پھینک مارا جس سے خون چلنے لگا۔ نبی ﷺ کے چچا حمزہؓ کو خبر ہوئی۔ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ قرابت کے جوش میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ حمزہؓ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا: ”بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابوجہل سے تمھارا بدلہ لے لیا۔“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں! تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو۔ حمزہؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

۱- سیرت ابن ہشام، جلد ۱، ص ۱۰۱۔ دیکھا قارئین کہ اسلام کی عداوت میں عبداللہ کتنا سخت ہے، لیکن چند سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ فتح مکہ سے پیشتر یہی عبداللہ بجذبہ توفیق ربانی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لایا۔ اہل دانش جان سکتے ہیں کہ ایسے شخص کا گرویدۂ اسلام ہو جانا نبی ﷺ کا ایسا معجزہ ہے جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جانے، نوشتہ لانے، فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جن کے دیکھ لینے کے بعد بھی عبداللہ ایمان نہیں لانا چاہتا تھا۔ ۲- انجیل متی ۱: ۴-۱۱۔

عمر فاروقؓ کا اسلام لانا

امیر حمزہؓ سے تین دن پیچھے عمر بن خطابؓ مسلمان ہوئے' یہ بڑے دلیر اور بہادر تھے۔ قریش کی طرف سے بیرونی ممالک کی سفارت کا کام ان سے متعلق تھا۔ ایک دن عمرؓ اپنی بہادری کے بھروسے پر نبی ﷺ کے قتل کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ بدن پر سب ہتھیار سجا رکھے تھے۔ راستے میں ان کو پتہ لگا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر بہن کے گھر گئے۔ ان دونوں کو خوب مارا۔ ان کی بہن فاطمہؓ نے کہا: ''عمر! تم پہلے وہ کتاب سن لو' جسے سن کے ہم ایمان لائے ہیں' اگر وہ تم کو اچھی نہ لگے تو ہم کو مار ڈالنا''۔ عمر نے کہا: ''اچھا''۔ اس وقت ان کے گھر میں نبی ﷺ کا ایک صحابیؓ بھی تھا جو عمرؓ کے آجانے سے چھپ گیا تھا۔ اس نے قرآن مجید (طٰہٰ کا پہلا رکوع) سنایا۔ عمرؓ قرآن سن رہا تھا اور بے اختیار رو رہا تھا۔ غرض' عمرؓ اس وقت سے نبی ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آیا۔ جو گھر سے قاتل بن کر نکلا تھا وہ جاں نثار بن گیا۔ آگے چل کر ان کا لقب ''فاروق'' ہوا۔ اس وقت تک مسلمان نماز اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے۔ کافر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ جلے اور مسلمانوں کو اور نبی ﷺ کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آتے تھے۔

[شعب ابی طالب میں]

جب کفار نے دیکھا کہ ایسی اذیتوں اور تکلیفوں پر بھی نبی ﷺ اپنی تعلیم پر قائم ہے اور بے نظیر جرأت اور ان تھک محنت سے اپنا کام کیے جاتا ہے تو بہ ماہِ محرم ۷ نبوت انھوں نے کہا کہ بنو ہاشم جو نبی ﷺ کا قبیلہ ہے اگرچہ مسلمان نہیں ہوا۔ پھر بھی نبیؐ کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ آؤ ان سے رشتہ ناطہ کرنا چھوڑ دو۔ انھیں گلی بازار میں نہ پھرنے دو۔ ان کو کوئی چیز مول بھی نہ دو۔[1] یہ معاہدہ طے پایا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا۔

نبی ﷺ اور ان کا قبیلہ مجبور ہو گئے۔ گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی میں محبوس و محصور ہو کے رہنے لگے۔ قریش نے اجناسِ خوردنی کا جانا بھی بند کر دیا۔ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے' کہ ان کی آواز گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی۔[2]

۱۔ زاد المعاد' ص ۲۹۹' جلد ۱۔ [طبع جدید، محولہ بالا، ج ۳، ص ۲۹] ۲۔ زاد المعاد' ص ۲۹۹' جلد ۱۔ [ایضاً، ص ۳۰]

تین برس تک نبی ﷺ اور ان کے خاندان نے اسی طرح کاٹے اور جو مسلمان تھے وہ بھی اپنے گھروں میں قیدی بن کے رہنے لگے۔ حج کے دنوں میں جب کافر بھی دشمن سے لڑنا حرام جانتے تھے، نبی ﷺ اس گھاٹی سے باہر نکلا کرتے تھے اور لوگوں کو خدا پر ایمان لانے کا وعظ سنایا کرتے تھے۔ کم بخت ابولہب صبح سے شام تک نبیؐ کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا اور کہا کرتا: لوگو! یہ دیوانہ ہے، اس کی بات نہ سنو۔ جو کوئی اس کی بات سُنے گا اور مانے گا وہ تباہ ہو جائے گا۔

تین برس تک نبی ﷺ نے اس سختی کو نہایت صبر واستقلال سے برداشت کیا۔ جب کافروں نے گھاٹی پر سے پہرے اُٹھا لیے اور دیمک نے ان کے معاہدہ کا کاغذ کھا لیا جو کعبہ پر لٹکایا گیا تھا، تب نبی ﷺ باہر نکلے، اور پھر وعظ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک روز نبی ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ وہاں مشرک سردار بیٹھے تھے۔ ابوجہل نے نبی ﷺ کو دیکھا اور تمسخر سے کہا: ''عبد مناف والو! دیکھو تمہارا نبی آگیا''۔

عتبہ بن ربیعہ بولا: ''ہمیں کیا انکار ہے، ہم میں سے کوئی نبی بن بیٹھے، کوئی فرشتہ کہلائے''۔ نبی ﷺ یہ باتیں سن کر لوٹے اور ان کے پاس آئے۔

پہلے عتبہ سے فرمایا: ''عتبہ! تو نے خدا اور رسولؐ کی حمایت کبھی بھی نہ کی، تو اپنی ہی بات کی پچ پر اڑا رہا''۔

پھر ابوجہل سے فرمایا: ''تیرے لیے وہ وقت بہت قریب آرہا ہے، دُور نہیں رہا ہے کہ تو تھوڑا ہنسے گا، اور بہت روئے گا''۔ پھر قریش سے فرمایا: ''تمھارے لیے وہ ساعت نزدیک آرہی ہے کہ جس دین کا تم انکار کرتے ہو، آخر اسی میں داخل ہو جاؤ گے''۔[1]

قارئین اس کتاب میں دیکھیں گے کہ یہ پیش گوئی کیوں کر پوری ہوئی۔

ابوطالب اور خدیجہ الکبریٰؓ کا انتقال

۱۰ نبوت میں نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کا جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد تھے، انتقال ہو گیا۔ ابوطالب نے لڑکپن سے نبیؐ کی تربیت کی تھی اور جب سے

۱۔ طبری، ص ۲۳۱۔ [تاریخ طبری، دار المعارف، مصر، ج ۲، ص ۳۴۸]

آنحضرتؐ نے نبوت کی دعوت اور منادی شروع کی تھی، وہ برابر مددگار رہے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ کو ان کے مرنے کا صدمہ ہوا۔ ان سے تین دن پیچھے نبیؐ کی پیاری بیوی طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے انتقال فرمایا۔ اس بیوی نے اپنا سارا مال وزر نبیؐ کی خوشی پر قربان اور راہِ خدا میں صرف کر دیا تھا۔ یہ سب سے پہلے اسلام لائی تھی۔ جبریلؑ نے اس بیوی کو خدا کا سلام پہنچایا تھا۔ اس بیوی کے گزر جانے کا رنج نبی ﷺ کو بہت ہوا۔

اب قریش نے نبی ﷺ کو زیادہ ہی ستانا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ ایک شریر نے نبی ﷺ کے سر پر کیچڑ پھینک دی۔ آنحضرتؐ اسی طرح گھر میں داخل ہوئے۔ نبی ﷺ کی بیٹی اٹھی، وہ سر دھلاتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پیاری بیٹی! تم کیوں روتی ہو، تمھارے باپ کی حفاظت خدا خود فرمائے گا''۔

[نبی ﷺ کا سفر طائف]

اگرچہ ابوطالب کا سہارا جاتا رہا، اگرچہ خدیجہ r جیسی بیوی، جو مصیبتوں اور تکلیفوں میں نہایت غم گسار تھی، جدا ہو گئی، نبی ﷺ نے اب زیادہ جوش سے وعظ کا کام شروع کر دیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں بعد نبی ﷺ مکہ سے نکلے اور بیرون جات کو وعظ کے لیے تشریف لے گئے۔ نبی ﷺ کے ساتھ اس سفر میں زید بن حارثہؓ تھے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جتنے قبیلے تھے، سب کو وعظ سناتے، توحید کی منادی کرتے ہوئے نبی ﷺ پیادہ پا طائف پہنچے۔ طائف میں بنو ثقیف آباد تھے۔ سرسبز ملک اور سرد پہاڑ پر رہنے کی وجہ سے ان کے غرور کی کوئی حد نہ تھی۔ عبد یالیل، مسعود، حبیب تینوں بھائی وہاں کے سردار تھے۔ نبی ﷺ پہلے ان ہی سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت فرمائی۔ ان میں سے ایک بولا: ''میں کعبہ کے سامنے ڈاڑھی منڈوادوں، اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہو''۔ دوسرا بولا: ''کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی بھی رسول بنانے کو نہ ملا؟ جسے چڑھنے کی سواری بھی میسر نہیں اُسے رسول بنانا تھا تو کسی حاکم یا سردار کو بنایا ہوتا''۔

تیسرا بولا کہ میں تجھ سے کبھی بات ہی نہیں کرنے کا۔ کیونکہ اگر تو خدا کا رسول ہے جیسا کہ

تو کہتا ہے ‘تب تو یہ خطرناک بات ہے کہ میں تیرے کلام کو رد کروں‘ اور اگر تو خدا پر جھوٹ بولتا ہے تو مجھے شایاں نہیں کہ تجھ سے بات کروں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو‘ کہ یہ خیالات دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں‘‘۔

نبی ﷺ نے وعظ کہنا شروع فرمایا۔ ان سرداروں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھا دیا۔ وہ لوگ وعظ کے وقت نبی ﷺ پر اتنے پتھر پھینکتے کہ حضور ﷺ لہو میں تربتر ہو جاتے۔ خون بہہ بہہ کر جوتے میں جم جاتا اور وضو کے لیے پاؤں سے جوتا نکالنا مشکل ہو جاتا۔

ایک دفعہ بدمعاشوں اور اوباشوں نے نبی ﷺ کو اس قدر گالیاں دیں‘ تالیاں بجائیں‘ چیخیں لگائیں کہ خدا کے نبی ﷺ ایک مکان کے احاطے میں جانے پر مجبور ہوئے۔ یہ جگہ عتبہ و شیبہ فرزندان ربیعہ کی تھی۔ انھوں نے دُور سے اس حالت کو دیکھا اور نبی ﷺ پر ترس کھا کر اپنے غلام عداس کو کہا کہ ایک پلیٹ میں انگور رکھ کر اس شخص کو دے آؤ۔ غلام نے انگور نبی ﷺ کے سامنے لا کر رکھ دیے‘ نبی ﷺ نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا‘ اور زبان سے فرمایا: ’’بسم اللہ‘‘ اور پھر انگور کھانے شروع کیے۔

عداس نے حیرت سے نبی ﷺ کی طرف دیکھا اور پھر کہا: ’’یہ ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے نہیں بولا کرتے‘‘۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ’’تم کہاں کے ہو اور تمھارا مذہب کیا ہے؟‘‘

عداس نے جواب دیا: ’’میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں‘‘۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ’’کیا تم مرد صالح یونسؑ بن متی کے شہر کے باشندے ہو؟‘‘

عداس نے کہا: ’’آپ کو کیا خبر ہے کہ یونسؑ بن متی کون تھا اور کیسا تھا؟‘‘

نبی ﷺ نے فرمایا: ’’وہ میرا بھائی ہے‘ وہ بھی نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں‘‘۔

عداس یہ سنتے ہی جھک پڑا اور اس نے نبی کا سر‘ ہاتھ‘ قدم چوم لیے۔

عتبہ اور شیبہ نے دُور سے غلام کو ایسا کرتے دیکھا اور آپس میں کہنے لگے: لو‘ غلام تو ہاتھوں سے نکل گیا۔ جب عداس اپنے آقا کے پاس لوٹ کر گیا تو انھوں نے کہا: ’’کم بخت تجھے کیا

ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں، سر، چومنے لگ گیا تھا؟'' عداس نے کہا: ''حضور عالی! آج اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی بھی نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی جو صرف نبی ہی بتا سکتا ہے''۔ انھوں نے عداس کو ڈانٹ دیا کہ خبردار! کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا، تیرا دین تو اس کے دین سے بہتر ہے۔[1]

اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے خدا کے رسولؐ کے اتنی چوٹیں لگیں کہ حضور ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ زید نے ان کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔ آبادی سے باہر لے گئے۔ پانی کے چھینٹے دینے سے ہوش آیا۔

اسی سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد اور ایک شخص تک کے مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے وقت بھی نبی ﷺ کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس وقت جو دعا حضور ﷺ نے مانگی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھم الیك اشکوبثی وحزنی وضعف قوتی وقلة الٰہی، اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت

حیلتی وھوانی علی الناس یاارحم تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ

الراحمین۔ انت رب المستضعفین و رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا

انت ربی الی من تکلنی الی بعید[2] مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ

یجھمنی او الی عدو ملکتہ امری ترش رُو کے یا اس دشمن کے جو [میرے] کام پر قابو رکھتا ہے، لیکن مجھ

ان لم یکن علی غضبك فلا ابالی پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ تیری عافیت

ولکن عافیتك ھی اوسع لی اعوذ بنور میرے لیے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور [کی] پناہ چاہتا

وجھك الذی اشرقت لہ الظلمت ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین

وصلح علیہ امر الدنیا والاٰخرة کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر

من ان ینزل بی غضبك او یحل اُترے یا تیری ناراضمندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے

علی سخطك لك العتبی حتی ترضی تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا

ولا حول ولا قوة الا بك۔ ۳ بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

_____

۱- طبری۔ [ایضاً، ص۳۴۶] ۲- طبری نے لفظ بعید روایت کیا ہے جس کا ترجمہ بیگانہ کیا گیا ہے۔ ابن ہشام و ابن اثیر نے لفظ محمد روایت کیا ہے جس کے معنی دوست کے ہو سکتے ہیں۔ ۳- صحیح مسلم عن عائشہؓ ام المومنینؓ۔ [کتاب الجہاد والسیر، باب۳۹، باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أذی المشرکین والمنافقین، حدیث ۱۷۹۵]

نبی ﷺ نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے یہ بھی فرمایا: ''میں ان لوگوں کی تباہی کے لیے کیوں دعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا؟ اُمید ہے کہ ان کی آیندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لانے والی ہوں گی''۔[1]

[مختلف مقامات و مواقع پر تبلیغ]

مکہ میں واپس آکر نبی ﷺ نے اب ایسا کرنا شروع کیا' کہ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں میں تشریف لے جاتے یا مکہ سے باہر چلے جاتے اور جو کوئی مسافر آتا جاتا مل جاتا اسے ایمان اور خدا پرستی کا وعظ فرماتے' انھی ایام میں قبیلہ بنو کندہ میں تشریف لے گئے۔ سردار قبیلہ کا نام ملیح تھا اور قبیلہ بنو عبداللہ کے ہاں بھی پہنچے۔' انھیں فرمایا کہ تمھارے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ تم بھی اسم با مسمّٰی ہو جاؤ۔ قبیلہ بنو حنیفہ کے گھروں میں تشریف لے گئے۔ انھوں نے سارے عرب میں سب سے بدتر طریق پر نبی ﷺ کا انکار کیا۔ قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس گئے۔ سردارِ قبیلہ کا نام بحیرہ بن فراس تھا۔ اس نے دعوتِ اسلام سن کر نبی ﷺ سے پوچھا: بھلا اگر ہم تیری بات مان لیں اور تو مخالفین پر غالب آجائے تو کیا تو یہ وعدہ کرتا ہے کہ تیرے بعد یہ امر مجھ سے متعلق ہوگا؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہے گا میرے بعد اسے مقرر کرے گا''۔ بحیرہ بولا: ''خوب! اس وقت تو عرب کے سامنے سینہ سپر ہم بنیں اور جب تیرا کام بن جائے تو مزے کوئی اور اڑائے۔ جاؤ! ہم کو تیرے کام سے کچھ سروکار نہیں۔ قبائل کے سفر میں حضور ﷺ کے رفیق طریق ابو بکر صدیقؓ تھے۔

سوید بن صامت کا ایمان لانا

انھی ایام میں نبی ﷺ کو سوید بن صامت ملا۔ اس کا لقب اپنی قوم میں کامل تھا۔ نبی ﷺ نے اسے دعوتِ اسلام فرمائی۔ وہ بولا: ''شاید آپ کے پاس وہی کچھ ہے جو میرے پاس بھی ہے''۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''تمھارے پاس کیا ہے؟'' وہ بولا: ''حکمت لقمان''۔ نبیؐ نے فرمایا: ''بیان کرو''۔ اس نے اپنے کچھ عمدہ اشعار سنائے۔

۱- صحیح مسلم عن عائشہؓ ام المومنینؓ۔ [کتاب الجهاد والسير، باب ۷۹، باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أذی المشرکین والمنافقین، حدیث ۱۷۹۵]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اچھا کلام ہے، لیکن میرے پاس قرآن ہے جو اس سے افضل تر ہے اور ہدایت و نور ہے''۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے اسے قرآن سنایا اور وہ بے تامل اسلام لے آیا۔ جب یثرب لوٹ کر گیا تو قوم خزرج نے اسے قتل کر ڈالا۔[1]

اہل یثرب کو تبلیغ، ایاس بن معاذ کا راہ یاب ہونا

انھی ایام میں ابوالحیسر[2] انس بن رافع مکہ آیا۔ اس کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے بھی چند نوجوان تھے۔ جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا۔ یہ لوگ قریش کے ساتھ اپنی قوم خزرج کی طرف سے معاہدہ کرنے آئے تھے۔ نبی ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا:

''میرے پاس ایسی چیز ہے، جس میں تم سب کی بہبود ہے۔ کیا تمھیں کچھ رغبت ہے؟'' بولے: ''ایسی کیا چیز ہے؟'' فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں، مخلوق کی طرف مبعوث ہوں، بندگانِ خدا کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا ہی کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں۔ مجھ پر خدا نے کتاب نازل کی ہے''۔ پھر ان کے سامنے اسلام کے اصول بیان فرمائے اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ جو ابھی نوجوان تھا، سنتے ہی بولا: ''اے میری قوم! بخدا یہ تمھارے لیے اس مقصد سے بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو''۔

انس بن رافع نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اٹھائی اور ایاس کے منہ پر پھینک ماری اور کہا: بس چپ رہ! ہم اس کام کے لیے تو نہیں آئے۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر چلے گئے۔ یہ واقعہ جنگ بعاث سے، جو اوس و خزرج میں ہوئی، پہلے کا ہے، ایاس واپس جا کر چند روز کے بعد مر گیا۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر جاری تھی۔ مرحوم کے دل میں نبی ﷺ کے اسی وعظ سے اسلام کا بیج بویا گیا تھا[2] جو مرتے وقت پھل پھول لے آیا تھا۔

[ضماد ازدی کا قبولِ اسلام]

انھی ایام میں ضماد ازدی مکہ میں آیا۔ یہ یمن کا بادشاہ تھا اور عرب کا مشہور افسُون گر تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمدؐ پر جنّات کا اثر ہے تو اس نے قریش سے کہا کہ میں محمدؐ کا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: محمدؐ! آؤ تمھیں

۱- [تاریخ طبری، دارالمعارف، مصر ۱۹۶۱ء، ج ۲، ص ۳۴۵]۔ ۲- طبری، ص ۲۳۲۔ [محولہ بالا، ص ۳۵۲]

منتر سناؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پہلے مجھ سے سن لو۔ پھر آنحضرتؐ نے اسے سنایا:

الحمدللّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ من سب تعریف اللہ کے واسطے ہے، ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے

یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہٗ ومن ہیں اور ہر کام میں اس کی اعانت چاہتے ہیں، جسے خدا راہ دکھاتا ہے،

یضلہ فلا ھادی لہٗ واشھد ان اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا ہی رستہ نہ دکھائے اس کی کوئی

لا اِلٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لاشریك رہبری نہیں کر سکتا۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق

لہٗ واشھد انّ محمدًا عبدہٗ کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں یہ بھی ظاہر کرتا

ورسولہٗ امّابعد! ہوں کہ محمدؐ خدا کا بندہ اور رسول ہے، اس کے بعد مدعا یہ ہے"۔

ضماد نے اسی قدر سنا تھا، بول اٹھا کہ انھی کلمات کو پھر سنا دیجیے۔ دو تین دفعہ اس نے انھی کلمات کو سنا اور پھر بے اختیار بول اُٹھا: میں نے بہتیرے کاہن دیکھے اور ساحر دیکھے، شاعر سنے، لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہ سنا۔ یہ کلمات تو ایک اتھاہ سمندر جیسے ہیں۔ محمدؐ! خدارا اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں اسلام کی بیعت کر لوں۔

فصل سوم

واقعہ معراج اور اس کے بعد

۲۷ رجب ۱۰ نبوت کو معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی سیر کرائی۔

اوّل مسجد الحرام سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے۔ وہاں امام بن کر جماعت انبیا کو نماز پڑھائی۔ پھر آسمانوں کی سیر کرائی اور انبیا سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور بیتِ معمور تک پہنچے اور وہاں سے قربِ حضوری خاص حاصل ہوا اور گوناگوں وحی سے مشرف ہوئے۔[۲]

۱- صحیح مسلم [کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، ح ۸۶۸] ۲- علامہ ابن القیم لکھتے ہیں: حضرت عائشہ و معاویہ وامام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسراء روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہیں ہوا تھا۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ اسراء روحی میں اور خواب میں بہت تفاوت ہے، اسراء روحی سے مراد تو یہ ہے کہ روح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی اور خواب میں یہ بات بھی نہیں ہوتی، یہ درجہ اتم واکمل، اشرف واعلیٰ ہے۔ علمائے جمہور کا قول ہے کہ اسرا بدن وروح کے ساتھ تھا (زاد المعاد، ص ۳۰۰ [طبع جدید، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۷ء، ج ۳، ص ۴۰])۔ واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آج کل کے فلسفۂ خشک کی بنیاد پر فضول ہے، کیونکہ جس قادرِ مطلق نے اجرامِ سماویہ کے بھاری بھر کم اجسام کو خلا میں مقیم رکھا ہے وہ جسم انسانی کے صغیر جرم کو خلا میں لے جانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ آج کل نائٹروجن کی طاقت سے ہوائی جہاز اور جہازوں کے اندر آدمی اُڑ رہے ہیں اس لیے خداوند کریم کا اپنے نبی کریم کی بسواری براق (جو برق سے مشتق اور الکٹرسٹی کی طاقتِ مخفیہ کی جانب اشارہ کن ہے) ملک السموات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ معراج جسم کے ساتھ اور بحالت بیداری تھی۔ (محمد سلیمان)

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:[1]

وأُسرِی به الی المسجد الاقصی ثم الی سدرة المنتهی والی ماشاء الله وکل ذٰلك بجسده صلی الله علیه وسلم فی الیقظة ولکن ذٰلك فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادة جامع لاحکامها۔ فظهر علی الجسد احکام الروح وتمثل الروح والمعانی الروحیة اجسادًا، وکذلك بان لکل واقعة من تلك الوقائع تعبیر۔ نبی ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا' سیر کرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا۔ لیکن یہ ایک مقام ہے' جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے۔ پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور معانی نے جسم قبول کر کے تمثل اختیار کیا۔ اسی لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک حقیقت ہے۔

(۱) اما شق الصدر وملأہٗ ایمانا فحقیقتہٗ غلبة انوار الملکیة وانطفائُ لهب الطبیعة وخضوعها لما یفیض علیها من خطیرة القدس۔ صدر کا چاک کرنا [اور] اسے ایمان سے بھر دیا جانا [تو] اس کی حقیقت ہے' انوار ملکیہ کا غلبہ ہو جانا اور شعلۂ طبیعت کا بجھ جانا' اور جو کچھ خطیرۃ القدس سے طبیعت کو فیضان ہوتا ہے اس کے لیے مطیع بن جانا۔

(۲) واما رکوبه علی البراق فحقیقتہٗ استواء نفسه النطقیة علی نسمته التی هی الکمال الحیوانی فاستویٰ راکبًا علی البراق کما غلبت احکام نفسه النطقیة علی البهیمیة وتسلط علیها۔ براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسمیہ پر جو کمال حیوانی ہے' غالب آ جائے۔ پس آنحضرت ﷺ براق پر ایسی خوبی سے سوار ہوئے جیسا کہ حضور ﷺ کے نفسِ انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور مسلط تھے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ' ص ۳۸۷۔

(۳)واما اسرائه الی المسجد الاقصٰی فلانه محل ظهور شعائر اللّٰه ومتعلّق هم الملاء الاعلٰی ومطمح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کوة الی الملکوت۔ مسجد اقصیٰ تک سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائر الٰہیہ کے ظہور کا محل ہے۔ ملااعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاءؑ کی نگاہوں کی نظرگاہ ہے گویا وہ ملکوت کی جانب...ایک روزن ہے۔

(۴) واما ملاقاته مع الانبیاء صلوٰت اللّٰه علیهم ومفاخرته معهم فحقیقتها اجتماعهم من حیث ارتباطهم بخطیرة القدس وظهورما اختص به من بینهم من وجوه الکمال۔ انبیاءؑ کے ساتھ ملاقات اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرۃ القدس سے ان کو اجتماعی ربط وضبط حاصل ہے اور پھر ان اجتماعی امور کی خصوصیات کا نہایت کاملیت اور خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ سے ظہور ہوا ہے۔

(۵) وامارقیة الی السموت سمائً بعد سمایٍ فحقیقته الانسلاخ الی مستوی الرحمٰن منزلة بعد منزلة ومعرفة حال الملٰئکة الموکلة بها ومن لحق بهم من افاضل البشر والتدبیر الذی اوحاه اللّٰه فیها والاختصام الّذی یحصل فی ملاء ها۔ آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے کی حقیقت درجہ بدرجہ تعلقاتِ طبعی سے نکل کر مستوی رحمن کی طرف جانا ہے۔ نیز احوال ملائکہ کی معرفت، جو اس مقام سے خصوصیت رکھتے ہیں، نیز ملائکہ اور نسل انسانی کے ان بزرگوں کے احوال کی شناخت جو ملائکہ سے ملے ہوئے ہیں، نیز اس تدبیر کلیہ کی معرفت جو مقام مذکور میں وحی ربانی سے بتائی گئی، نیز ان امور کی شناخت جن پر ملائکہ مسابقت کیا کرتے ہیں۔

(۶)واما بكاء موسٰى فليس بحسد ولكن مثال لفقدہ عموم الدعوة وبقاء كمال لم يحصله مما هو فى وجهه۔ واضح ہو کہ گریہ موسٰیؑ سے حسد کا اظہار مراد نہیں، بلکہ اظہار اس امر کا ہے کہ ان کی رسالت تمام دنیا کے لیے عام نہ تھی، اور اس طرح ایک کمال باقی تھا جو حضرت موسٰیؑ کو حاصل نہ تھا۔

(۷)واما سدرة المنتهٰى فشجرة الكون وترتب بعضها على بعض وانجماعها فى تدبير واحد كانجماع الشجر فى الغاذية والنامية ونحوهما ولم تتمثل حيوانًا لان التدبير الجمل الاجمالى الشبيهة للسياسة الكلى افرادہٗ وانما اشبه الاشياء به الشجرة دون الحيوان فان الحيوان فيه قوى تفصيلية والارادة فيه اصرح من سنن الطبيعة۔ سدرۃ المنتہٰی درخت عالم ہے کہ ایک وجود دوسرے وجود پر مترتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں۔ جیسا کہ درخت کا بھی غذا و نمو میں یہی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اس کی تمثیل نہیں دی گئی، کیونکہ وہ تدبیر کلیہ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے۔ وہ بھی مفرد ہے اور اسی لیے بہترین مشابہت اس کی درخت میں پائی جاتی ہے (کہ ایک ہی تنا پر مختلف شاخیں، ڈالیاں، ٹہنیاں اور پتے ہوتے ہیں اور غذا و نمو میں برابر سب مستفیض ہیں) اور حیوان میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی کیونکہ حیوان میں قوائے تفصیلیہ بھی ہیں اور قوت ارادہ بھی ہے اور یہ سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

(۸)واما الانهار فى اصلها رحمة فائضة فى ملكوت حذ والشهادة وحيوٰة ونماء فكذلك تعين هنالك بعض الامور النافعة فى الشهادة كالنيل والفرات۔ دریاؤں کی اصل وہ رحمتِ فائضہ ہے جو عالم شہادت کے محاذی عالم ملکوت میں موجود ہے۔ نیز حیات اور نمو بھی اسی اصل میں شامل ہیں، اسی لیے ظاہر اً چند اسباب نافعہ مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین کیا گیا ہے۔

(۹)واما الانوار الّتى غشينها فتدليات الٰهيّة وتدبيرات رحمانية تلعلعت فى الشهادة حيث ما استعدت لها۔ رہے وہ انوار جنھوں نے اسے ڈھانپ لیا تھا، یہ وہ تدلیات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانی ہیں جو عالم ظہور میں جلوہ گستر اور نور بیز ہیں جہاں تک اس عالم میں ان کی استعداد پائی جاتی ہے۔

(۱۰) واما البیت المعمور فحقیقتہٗ التجلی الالٰھی الذی یتوجہ الیہ سجدات البشر وتضرعاتھا یتمثل بیتًا علی حذو ما عندھم من الکعبۃ وبیت المقدس۔ بیت المعمور کی حقیقت وہ الٰہی تجلی ہے جس کی طرف بندگانِ خدا کی دعاؤں اور سجدوں کا رُخ ہوتا ہے اور خانہ کعبہ وبیت المقدس کے محاذ ہیں، جیسا کہ لوگوں کا ان ہر دو کی بابت اعتقاد ہے۔ ایک گھر کا تمثل لیے ہوئے ہے۔

(۱۱) ثم اتی باناءٍ من لبن واناء من خمرٍ فاختار اللّبن۔ فقال جبریل ھدیت للفطرۃ ولواخذت الخمر لغوت امتك فکان ھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم جامع امتہ ومنشاء ظھورھم وکان اللّبن اختیارھم الفطرۃ والخمر اختیارھم لذّات الدنیا۔ شب معراج نبی ﷺ کے سامنے ایک برتن دودھ کا، ایک برتن شراب کا پیش کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا اور جبریلؑ نے بتادیا کہ آپ نے فطرت اصلیہ کو پسند فرمایا۔ اگر شراب کا برتن آپ لے لیتے تو آپ کی اُمت بھٹک جاتی۔ دیکھو نبی ﷺ اپنی اُمت کو فطرت پر جمع کرنے والے تھے اور دودھ سے مراد یہی ہے کہ اُمت فطرت کو پسند کرے اور خمر سے یہ مراد تھی کہ لذاتِ دنیا کو پسند کرے۔[۱]

۱۔ اکثر مصنفین نے معراج کا ذکر بعد از واپسی طائف کیا ہے مگر امام طبری نے اپنی کتاب ''تاریخ الملل والامم'' میں ابتدائے نبوت سے دوسرے دن ہی معراج کا ہونا تحریر کیا ہے۔ ان کی تائید اس دلیل سے بخوبی ہوتی ہے کہ جب فرضیت نماز کا حکم شب معراج میں ہوا اور نبی ﷺ اور دوسرے مسلمان اسی وقت سے برابر نماز پڑھتے تھے تو نماز کی فرضیت کا حکم گیارہ سال تک کیوں کر متاخر رہ سکتا ہے، لیکن حسب بیان شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۱ھ (مندرجہ شرح سفر سعادت، ص ۳۶) ''کہ پہلے صرف دو نمازیں فجر وعصر کی فرض ہوئی تھیں، اب شب معراج کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ کوئی اشکال نہیں رہ جاتا''۔

(۱۲) وامر بخمس صلوات بلسان التجوز لانها خمسون باعتبار الثواب۔ ثم اوضح اللّٰہ مرادہ تدریجًا۔ لیعلم ان الحرج مدفوع وان النعمۃ کاملۃ وتمثل ھذا المعنی مستندًا الی موسٰی علیہ السلام فانّہ اکثر الانبیآء معالجۃ للامانۃ ومعرفتہٖ بسیاستھا، پانچ نمازوں کا تقرر بھی زبان تجویزی سے ہوا۔ یہ پانچ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ گویا رب کریم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو (۵۰ کے برابر کا) کامل ہے۔ ہرج اور مرج اٹھا دیا گیا ہے۔ یہ مطلب حضرت موسٰیؑ کی سند سے متمثل کیا گیا ہے کیونکہ جناب ممدوح اُمت کی اصلاح و درستی اور اصول سیاست اُمت کی شناخت میں اکثر انبیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔

طفیل بن عمرو دوسی کا ایمان لانا

انھی دنوں طفیل بن عمرو مکہ میں آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا اور نواحی یمن میں ان کے خاندان میں رئیسانہ حکومت تھی۔ طفیل بذاتِ خود شاعر و دانش مند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور اعلیٰ پیمانہ پر اس کی خدمت اور تواضع کی۔ طفیل کا اپنا بیان ہے: ''مجھے اہل مکہ نے یہ بھی بتایا کہ یہ شخص جو ہم میں سے نکلا ہے' اس سے ذرا بچنا۔ اسے جادو آتا ہے' جادو سے باپ' بیٹے' زن و شوہر' بھائی بھائی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام ابتر کر دیے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ تمھاری قوم پر بھی ایسی ہی کوئی مصیبت پڑے' اس لیے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے کہ نہ اس کے پاس جانا، نہ اس کی بات سننا اور نہ خود بات چیت کرنا''۔

یہ باتیں انھوں نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کر دیں کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا' تو کانوں کو روئی (پنبہ) سے بند کر لیتا تاکہ محمد ﷺ کی آواز کی بھنک بھی میرے کان میں نہ پڑ جائے۔ ایک روز میں صبح ہی خانہ کعبہ میں گیا۔ نبی ﷺ

نماز پڑھ رہے تھے۔ چونکہ خدا کی مشیت یہ تھی کہ ان کی آواز میری سماعت تک ضرور پہنچے' اس لیے میں نے سنا کہ ایک نہایت عجیب کلام وہ پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں' باعلم ہوں' اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں، پھر کیا وجہ ہے اور کون سی روک ہے کہ میں اس کی بات نہ سنوں۔ اچھی بات ہو گی تو مانوں گا ورنہ نہیں مانوں گا۔ میں یہ ارادہ کر کے ٹھہر گیا۔ جب نبی ﷺ واپس گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا اور جب مکان پر حاضر ہوا تو نبی ﷺ کو اپنا واقعہ مکہ میں آنے' لوگوں کے بہکانے' پنبہ در گوش رہنے اور آج حضور ﷺ کی زبان سے کچھ سن پانے کا کہہ سنایا اور عرض کیا: مجھے اپنی بات سنایئے! نبی ﷺ نے قرآن پڑھا۔ بخدا! میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا جو اس قدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو"۔

الغرض طفیل اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ جسے قریش بات بات میں مخدوم و مطاع کہتے تھے وہ بات کی بات میں محمد ﷺ کا دل و جان سے خادم اور مطیع بن گیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت ہی شاق و ناگوار گزرا۔[1]

ابوذر غفاریؓ کا ایمان لانا

ابوذرؓ اپنے شہر یثرب ہی میں تھے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی۔ انھوں نے اپنے بھائی سے کہا: تم جاؤ' مکہ میں اس شخص سے مل کر آؤ۔ انیس برادر ابوذرؓ ایک مشہور فصیح شاعر زبان آور تھا۔ وہ مکہ میں آیا۔ نبی ﷺ سے ملا۔ پھر بھائی کو جا بتایا کہ میں نے محمد ﷺ کو ایک ایسا شخص پایا جو نیکیوں کے کرنے کا اور شر سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ابوذرؓ بولے: اتنی بات سے تو کچھ تسلی نہیں ہوتی۔ آخر خود پیدل چل کر مکہ پہنچے۔ حضرت ابوذرؓ

۱۔ ملخصاً' زاد المعاد' ص ۴۹۳-۴۹۴' جلد اول۔

کو نبی ﷺ کی شناخت نہ تھی اور کسی سے دریافت کرنا بھی وہ پسند نہ کرتے تھے۔ زم زم کا پانی پی کر کعبہ ہی میں لیٹ رہے۔ علی مرتضیٰؓ آئے۔ انھوں نے پاس کھڑے ہو کر کہا: یہ تو کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے۔ ابوذرؓ بولے: ہاں۔ علی مرتضیٰؓ نے کہا: اچھا میرے ہاں چلو۔ یہ رات کو وہیں رہے۔ نہ علی مرتضیٰؓ نے کچھ پوچھا' نہ ابوذرؓ نے کچھ کہا۔ صبح ہوئی' ابوذرؓ پھر کعبہ میں آ گئے۔ دل میں آنحضرت ﷺ کی تلاش تھی مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے۔ علی مرتضیٰؓ پھر آ پہنچے۔ انھوں نے فرمایا: شاید تمھیں اپنا ٹھکانہ نہ ملا۔ ابوذرؓ بولے: ''ہاں''۔ علی مرتضیٰؓ پھر ساتھ لے گئے۔ اب انھوں نے پوچھا: تم کون ہو اور کیوں یہاں آئے ہو؟'' ابوذرؓ نے کہا: راز میں رکھو تو میں بتا دیتا ہوں۔ علی مرتضیٰؓ نے وعدہ کیا۔

ابوذرؓ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو نبی اللہ بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا۔ وہ یہاں سے کچھ تسلی بخش بات لے کر نہ گیا' اس لیے خود آ گیا ہوں۔

علی مرتضیٰؓ نے کہا: تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے۔ دیکھو' میں انھی کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔ میں پہلے اندر جا کر دیکھ لوں گا، اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہو گا تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ گویا جوتا درست کر رہا ہوں۔

الغرض ابوذرؓ علی مرتضیٰؓ کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں پہنچے' اور عرض کیا: مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ نبی ﷺ نے اسلام کی بابت بیان فرمایا اور ابوذرؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ابوذرؓ! تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ۔ جب تمھیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے' تب آ جانا۔ ابوذرؓ بولے: بخدا! میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا۔ اب ابوذرؓ کعبہ کی طرف آئے۔ قریش جمع تھے۔ انھوں نے سب کو سنا کر بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ قریش نے کہا: اس بے دین کو مارو۔ لوگوں نے مار ڈالنے کے لیے انھیں مارنا شروع کیا۔ عباسؓ آ گئے' انھوں نے انھیں جھک کر

دیکھا، کہا: کم بختو! یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے، جہاں تم تجارت کو جاتے اور کھجوریں لاتے ہو، لوگ ہٹ گئے۔ اگلے دن انھوں نے پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا۔ پھر لوگوں نے مارا اور عباسؓ نے ان کو چھڑا دیا اور یہ اپنے وطن کو چلے آئے۔[1]

اسبابِ ہجرت

۱۱ نبوت کے موسمِ حج کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے رات کی تاریکی میں شہر مکہ سے چند میل پرے مقام عقبہ ۲ پر لوگوں کو باتیں کرتے سنا۔ اس آواز پر خدا کا نبی ﷺ ان لوگوں کے پاس پہنچا۔ یہ چھ آدمی ۳ تھے۔ اور یثرب سے آئے تھے۔ ان کے سامنے نبی ﷺ نے خدا کی عظمت و جلال کا بیان شروع کیا۔ ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا۔ بتوں سے ان کو نفرت دلائی۔ نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ بت پرست تھے لیکن انھوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا یہ ذکر کرتے سنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ ۴ اس تعلیم سے وہ اسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو دینِ حق کے سچے منّاد بن گئے۔

"وہ نبی": وہ ہر ایک کو یہ خوشخبری سناتے تھے کہ وہ نبی ۵ جس کا تمام عالم کو انتظار تھا، آگیا۔ ہمارے کانوں نے اُس کا کلام سنا، ہماری آنکھوں نے اس کا دیدار کیا اور اس نے

۱- صحیح بخاری عن ابن عباس۔ کتاب المناقب مدارج النبوۃ میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ قریباً ایک ماہ تک آبِ زم زم ہی پر رہے۔ اس پانی نے پانی اور غذا کا کام کیا، ان کی توند نکل آئی۔ ۲- یہ مقام الحرا اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ ۳- ابوامامہ، اسعد بن زرارہ، عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی، سعد بن ربیع (الاستیعاب)۔ ۴- زاد المعاد، ص ۳۰۳، جلد ۱۔ ۵- قارئین لفظ 'وہ نبی' کا مطلب سمجھنے کے لیے انجیل یوحنا، باب اول کو ۱۹ سے ۲۸ درس تک پڑھیں۔ یوحنا (یحییٰ) نے اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے پوچھا: کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، پس کہا آیا تو 'وہ نبی' ہے، اس نے جواب دیا: نہیں، اس سے مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانہ میں تین انبیا کی آمد و ظہور کے منتظر تھے۔ الیاس، مسیح، وہ نبی۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیح بنایا اور مسیح نے یوحنا کو الیاس کہا، اب تیسرے کا ظہور باقی تھا جو کتب سابقہ میں 'وہ نبی' اور مسلمانوں کی زبان پر 'آنحضرت ﷺ' کے خطاب سے یاد کیے گئے ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ "وہ نبی" نہیں تو پادری بتائیں کہ مسیح کے بعد "وہ نبی" کہلانے والا کون ہوا؟

ہم کو اس زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے کہ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے ہیچ ہے۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ

ان لوگوں کے بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال ۱۲ نبوت میں یثرب کے بارہ باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی ﷺ کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔

بیعت کی شرطیں: ان لوگوں نے جن باتوں پر نبی ﷺ سے بیعت کی تھی وہ یہ ہیں:

۱- ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

۲- ہم چوری اور زناکاری نہیں کریں گے۔

۳- ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

۴- ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔

۵- ہم نبی ﷺ کی اطاعت ہر ایک اچھی بات میں کیا کریں گے۔

مصعب بن عمیرؓ: جب یہ لوگ[1] واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کی تعلیم کے لیے مصعب بن عمیرؓ کو ساتھ کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے۔ جب

۱- ابوامامہ، عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، معاذ بن حرث، ذکوان بن عبد قیس، خالد بن مخلد، عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ، ابوالہثیم، عویم بن ساعدہ۔

گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام چلا کرتے تھے۔ بدن پر دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک کبھی نہ پہنتے مگر جب ان کو اسلام کے طفیل روحانی عیش حاصل ہوا، تب ان جسمانی آرایشوں اور نمایشوں کو انھوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔ جن دنوں یہ مدینہ میں دین حق کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا، جسے اگلی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ

مصعبؓ مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ کے گھر جا کر اُترے تھے اور ان کو مدینہ والے القری[1] (پڑھانے والا، استاد) کہا کرتے تھے۔ ایک دن مصعب و اسعدؓ اور چند مسلمان بیئر مرق پر جمع ہوئے، یہ غور کرنے کے لیے کہ بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر میں کیونکر اسلام کی منادی کی جائے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ انھیں بھی خبر ہوئی۔ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا:

"تم کس غفلت میں پڑے ہو، دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آ کر ہمارے بیوقوفوں کو بہکانے لگے۔ تم جاؤ، انھیں جھڑک دو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں۔ میں خود ایسا کرتا، مگر اس لیے خاموش ہوں کہ اسعدؓ میری خالہ کا بیٹا ہے"۔

اُسید بن حضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا۔ اسعدؓ نے مصعبؓ کو کہا: دیکھو! یہ قبیلے کا سردار آ رہا ہے، خدا کرے کہ وہ تیری بات مان جائے۔ مصعبؓ نے کہا: کہ اگر وہ آ کر بیٹھ گیا تو میں اس سے ضرور کلام کروں گا۔ اتنے میں اُسیدؓ آ پہنچا اور کھڑا کھڑا گالیاں دیتا رہا، اور یہ بھی کہا کہ تم ہمارے احمق نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو؟

مصعبؓ کے وعظ پر اُسیدؓ کا ایمان لانا: مصعبؓ نے کہا: کاش! آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں۔ اگر

۱- طبری، ص ۲۳۵۔ [طبع دار المعارف، مصر ۱۹۶۱ء، ج ۲، ص ۳۵۷]

پسند آئے، قبول فرمائیں، ناپسند ہو تو اسے چھوڑ جائیں۔ اُسیدؓ نے کہا: خیر، کیا مضائقہ ہے۔ مصعبؓ نے سمجھایا کہ اسلام کیا ہے، اور پھر اسے قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا۔ اُسید نے سب کچھ چپ چاپ سنا: بالآخر کہا: ہاں، یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی تمھارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو تم کیا کرتے ہو؟

انھوں نے کہا، نہلا کر، پاک کپڑے پہنا کر کلمہ شہادت پڑھا دیتے اور دو رکعت نفل پڑھوا دیتے ہیں۔ اُسیدؓ اٹھا، کپڑے دھوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور نفل ادا کیے۔ پھر کہا: میرے پیچھے ایک اور شخص ہے، اگر وہ تمھارا پیرو ہو گیا، تو پھر کوئی تمھارا مخالف نہ رہے گا اور میں ابھی جا کر تمھارے پاس اسے بھیج دیتا ہوں۔ اُسید یہ کہہ کر چلا گیا۔ ادھر سعد بن معاذ اس کے انتظار میں تھا۔ دُور سے چہرہ دیکھتے ہی بولا: دیکھو! اُسید کا وہ چہرہ نہیں، جو جاتے وقت تھا۔ جب اُسید آ بیٹھا تو سعد نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُسید بولا: میں نے انھیں سمجھا دیا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمھارے منشا کے خلاف نہ کریں گے۔ مگر وہاں تو ایک حادثہ اور پیش آیا۔ بنو حارثہ وہاں آ گئے تھے اور وہ اسعد بن زرارہ کو اس لیے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ غصہ میں بھر گیا اور اپنا حربہ سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

سعد بن معاذؓ کا ایمان قبول کرنا: سعد کو ڈر تھا کہ بنو حارثہ اس کے بھائی کو نہ مار ڈالیں، اس نے چلتے وقت یہ بھی کہا کہ اُسید! تم تو کچھ بھی کام نہ بنا کر آئے۔ سعد وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ مصعب و اسعدؓ دونوں باطمینان بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعد سمجھا کہ اُسید نے مجھے ان کی باتیں سننے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ خیال آتے ہی گالیاں دینے لگا اور اسعد کو یہ بھی کہا کہ اگر میرے اور تمھارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمھاری کیا مجال تھی کہ ہمارے محلے میں چلے آتے۔ اسعدؓ نے مصعبؓ سے کہا: دیکھو یہ بڑے سردار ہیں اور اگر ان کو سمجھا دو تو پھر کوئی دو آدمی بھی تمھارے مخالف نہ رہ جائیں گے۔ مصعبؓ نے سعدؓ سے کہا: آیئے، بیٹھ جایئے، کوئی بات کریں۔ ہماری بات پسند آئے تو قبول فرمایئے، ورنہ انکار کیجیے۔ سعد حربہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مصعبؓ نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید بھی سنایا۔ آخر سعدؓ نے

بھی وہی سوال کیا جو اُسید نے کیا تھا۔ الغرض سعد اُٹھا، نہایا، کپڑے دھوئے، کلمہ پڑھا، نفل ادا کیے اور ہتھیار لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا۔ آتے ہی اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکار کر کہا: اے بنی عبدالاشہل ! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟

سب نے کہا: تم ہمارے سردار ہو، تمھاری رائے، تمھاری تلاش بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ سعد بولا: سنو! خواہ کوئی مرد ہے یا عورت، میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک کہ وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان نہ لائے۔

تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہوا: اس کے کہنے کا اثر یہ ہوا کہ بنی عبدالاشہل میں شام تک کوئی مرد اسلام سے خالی نہ رہا اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔ مصعبؓ کی تعلیم سے اسلام کا چرچا اسی طرح انصار کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۳ نبوت میں ۷۳ مرد، ۲ عورتیں یثرب کے قافلے میں مل کر مکہ آئے۔ ان کو یثرب کے اہل ایمان نے اس لیے بھی بھیجا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں اور نبی ﷺ سے منظوری حاصل کریں۔ یہ راست بازوں کا گروہ اسی متبرک مقام پر جہاں دو سال سے اس شہر یثرب کے مشتاق حاضر ہوا کرتے تھے، رات کی تاریکی میں پہنچ گیا اور خدا کا برگزیدہ رسولؐ بھی اپنے چچا عباسؓ کو ساتھ لیے ہوئے وہاں جا پہنچا۔[1]

حضرت عباسؓ نے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) اس وقت ایک بات کام کی کہی۔ انھوں نے کہا: لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمد ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ محمد ﷺ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں[2] کو دعوت دینا ہے، جو کچھ کرو، سوچ سمجھ کر کرو، ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔

ان راست بازوں نے عباسؓ کو کچھ بھی جواب نہ دیا۔ ہاں رسول اللہؐ! سے عرض

۱۔ طبری، ص ۲۴۴۔ [ایضاً، ص ۳۶۲] ۲۔ سرخ لڑائی سے مراد خونریز لڑائی، سیاہ لڑائی سے تاریک انجام والی لڑائی مراد ہوتی ہے۔

کیا کہ حضور ﷺ کچھ ارشاد فرمائیں۔

عقبہ ثانیہ پر آنحضرت ﷺ کا وعظ

رسول اللہ ﷺ نے ان کو خدا کا کلام، جو خدا کا پیغام انسان کی طرف تھا، پڑھ کر سنایا، جس کے سننے سے وہ ایمان و ایقان کے نور سے بھرپور ہو گئے۔ ان سب لوگوں نے عرض کی کہ خدا کا نبیؐ ہمارے شہر میں چل بسے تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے"۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

۱- کیا تم دین حق کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟

۲- اور جب میں تمھارے شہر میں جا بسوں، کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے؟

ایمان والوں نے پوچھا: ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گا؟[۱]

نبی ﷺ نے فرمایا: بہشت (جو نجات اور خدا کی خوشنودی کا محل ہے)۔

ایمان والوں نے عرض کیا: اے خدا کے رسولؐ! یہ تو ہماری تسلی فرما دیجیے کہ حضور ﷺ ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے؟

نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں! میرا جینا، میرا مرنا تمھارے ساتھ ہو گا۔

اس آخری فقرے کا سننا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجب سرور و نشاط کے ساتھ جاں نثاری کی بیعتِ اسلام کرنے لگے۔ ۲ براء بن معرورؓ وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی۔ ایک شیطان نے پہاڑ کی چوٹی سے یہ نظارہ دیکھا اور چیخ کر اہل مکہ کو پکار کر کہا: لوگو! آؤ دیکھو کہ محمد ﷺ اور اس کے فرقے کے لوگ تم سے لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس آواز کی پروانہ کرو۔ عباس بن عبادہؓ نے کہا: اگر حضور ﷺ کی اجازت ہو تو ہم کل ہی مکہ والوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ

۱- دیکھو پطرس کا سوال مسیح سے متی ۱۹:۲۷۔ ۲- وہ نوشتہ پورا ہوا کہ "نور تاریکی میں چمکتا ہے" انجیل یوحنا، ۵:۱۔

نے فرمایا: نہیں مجھے جنگ کی اجازت نہیں۔[1]

نبی ﷺ کے بارہ نقیب

اس کے بعد نبی ﷺ نے ان میں سے ۱۲ شخصوں کا انتخاب کیا اور ان کا نام نقیب رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ جس طرح عیسٰی بن مریمؑ نے اپنے لیے ۱۲ شخصوں کو چن لیا تھا' اسی طرح میں تمھیں انتخاب کرتا ہوں تاکہ تم اہلِ یثرب میں جا کر دین کی اشاعت کرو۔ مکہ والوں میں میں خود یہ کام کروں گا۔ ان کے نام یہ ہیں:

قبیلہ خزرج کے ۹: اسعد بن زرارہ' رافع بن مالک' عبادہ بن صامتؓ (یہ تینوں عقبہ اولیٰ میں بھی تھے) سعدؓ بن ربیع' منذرؓ بن عمرو' عبداللہؓ بن رواحہ' براءؓ بن معرور' عبداللہؓ بن عمرو بن حرام' سعدؓ بن عبادہ۔ قبیلہ اوس کے تین: اُسیدؓ بن حضیر' سعدؓ بن خثیمہ' ابوالہیثمؓ بن تیہان۔

قریش نے یثرب کے دو مسلمانوں کو گرفتار کیا

قریش کو دن نکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی۔ وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن ان کا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ کو وہاں پایا۔ منذرؓ تو بھاگ گیا اور ان کے ہاتھ نہ آیا مگر سعد بن عبادہؓ کو انھوں نے پکڑ لیا۔ اس کی سواری کے اُونٹ کا تنگ کھول کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ مکہ میں لا کر اسے مارتے اور اس کے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچتے تھے۔ یہ سعد بن عبادہؓ وہی ہیں جن کو نبی ﷺ نے ان ۱۲ اشخاص میں سے ایک نقیب ٹھیرایا تھا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ جب قریش انھیں زدوکوب کر رہے تھے تو ایک سرخ و سفید شیریں شمائل شخص انھیں اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اس قوم میں کسی شخص سے مجھے بھلائی ہو سکتی ہے' تو وہ یہی ہو گا۔ جب وہ میرے پاس آ گیا تو اس نے نہایت زور سے منہ پر طمانچہ لگایا۔ اس وقت مجھے یقین آ گیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس سے اُمید خیر کی جا سکے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا: کیا قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ تجھے حق ہمسائیگی حاصل نہیں اور کسی سے بھی

۱- زادالمعاد' جلد ۱' ص ۳۰۴۔ الاستیعاب ۱۲۔

تیرا عہد و پیمان نہیں؟ میں نے کہا: ہاں! جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ جو عبدِ مناف کے پوتے ہیں، وہ تجارت کے لیے ہمارے ہاں جایا کرتے ہیں اور میں نے بارہا ان کی حفاظت کی ہے۔ اس نے کہا: پھر انھی دونوں کے نام کی دہائی تجھے دینی اور اپنے تعلقات کا اعلان کرنا چاہیے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس پہنچا اور انھیں بتایا کہ خزرج کا ایک آدمی پٹ رہا ہے اور وہ تمھارا نام لے لے کر تمھیں پکار رہا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ اس نے بتایا: سعد بن عبادہؓ۔ وہ بولے: ہاں! اس کا ہم پر احسان بھی ہے۔ انھوں نے آکر سعد بن عبادہ کو چھڑا دیا اور یہ ثابت قدم بزرگ یثرب کو سدھار گیا۔[1]

1- سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیا سبق ملتا ہے کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمایش شروع ہو جاتی ہے۔ بھوک، پیاس کی آزمایش، قوم و ملک کی عداوت کی آزمایش، ضرر جسمانی و نقصان مال کی آزمایش وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمایشوں پر پورا اترتا ہے، تب وہ خدا کے اس ابدی وعدے کا مستحق ٹھیرتا ہے جو قرآن اور انجیل اور تورات میں مومنین سے کیا گیا ہے کہ اس کی دنیا بھی عمدہ ہو گی۔ کیا کوئی شخص ان بزرگوں کی نسبت جو ایسی آزمایشوں کے بعد شیریں ثمر ثابت ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ بزورِ شمشیر مسلمان کیے گئے تھے؟ یا یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسے بزرگ کسی دوسرے کو بزورِ شمشیر مسلمان کرتے تھے۔

باب دوم

مدنی زندگی

فصل اول

ہجرت مدینہ

مسلمانوں کو ترکِ وطن کی اجازت

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد نبی ﷺ نے ان مسلمانوں کو جو ابھی مکہ سے باہر نہیں گئے تھے، لیکن جن پر اب اتنے ظلم و ستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن ان کے لیے آگ کا پہاڑ بن گیا، یثرب چلے جانے کی اجازت فرمادی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار، خویش واقارب، باپ، بھائی، زن و فرزند کے چھوڑنے کا ذرا غم نہ تھا، بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جا کر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کر سکیں گے۔

ہجرت کی دشواریاں

ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑتا۔

۱۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار نے انھیں آگھیرا۔ کہا: صہیب، جب تو مکہ میں آیا تو مفلس و قلاش تھا، یہاں ٹھیر کر تو نے ہزاروں کمائے۔ آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب مال و زر لے کر چلا جائے۔ یہ تو کبھی نہیں ہونے کا۔ صہیبؓ نے کہا: اچھا، اگر میں اپنا سارا مال و متاع تمھیں دے دوں، تب مجھے تم جانے دو گے؟ قریش بولے: ہاں۔ حضرت صہیبؓ نے سارا مال انھیں دے دیا اور یثرب کو روانہ ہو گئے۔ نبی ﷺ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ اس سودے میں صہیبؓ نے نفع کمایا۔[۱]

۲- حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں، میرے شوہر ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا، مجھے اُونٹ پر چڑھایا، میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چل پڑے تو بنو مغیرہ نے آکر ابو سلمہؓ کو گھیر لیا، کہا تو جا سکتا ہے، مگر ہماری لڑکی نہیں لے جا سکتا اور بنو عبدالاسد بھی آ گئے۔ انھوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تو جا سکتا ہے مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ کا بچہ ہے تو نہیں لے جا سکتا۔ غرض انھوں نے ابو سلمہؓ سے اُونٹ کی مہار لے کر اُونٹ بٹھا دیا۔ بنو عبدالاسد تو گود کے بچہ کو ماں سے چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ اُم سلمہؓ کو لے آئے۔ ابو سلمہؓ جو دین کے لیے ہجرت کرنا فرض سمجھتا تھا، زن و بچہ کے بغیر روانہ ہو گیا۔

ام سلمہؓ روز شام کو اسی جگہ جہاں بچہ اور شوہر سے وہ الگ کی گئی تھی، پہنچ جاتی، گھنٹوں رو دھو کر واپس آ جاتی۔ ایک سال اسی طرح روتے چلاتے گزر گیا۔ آخر ان کے ایک چچیرے بھائی کو رحم آیا اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر اُم سلمہؓ کو اجازت دلا دی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے۔ بچہ بھی ان کو واپس دے دیا گیا۔ اُم سلمہؓ ایک اُونٹ پر سوار ہو کر تن تنہا مدینہ کو چل دیں۔[۲] ایسی مشکلات کا سامنا تقریباً ہر ایک صحابی کو کرنا پڑا تھا۔

۱- سیرت ابن ہشام، [ج۱]، ص۱۶۸۔ حضرت صہیب نے شوال ۳۸ھ میں بعمر ۷۳ سال مدینہ میں وفات پائی۔ ۲- سیرت ابن ہشام، [ج۱]، ص۱۶۸۔

(۳) حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے کہ عیاشؓ اور ہشامؓ صحابی بھی ان کے ساتھ مدینہ چلنے کو تیار ہوئے تھے۔ عیاش بن ابی ربیعہؓ تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہنچ گئے۔ مگر ہشام بن عاصؓ کی بابت کفار کو خبر لگ گئی۔ ان کو قریش نے قید کر دیا۔

عیاشؓ مدینہ جا پہنچے تھے کہ ابو جہل مع اپنے برادر حرث کے مدینہ پہنچا۔ عیاشؓ ان کے چچیرے بھائی تھے اور تینوں کی ایک ماں تھی۔ ابو جہل و حرث نے کہا کہ تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے۔ اس نے قسم کھالی ہے کہ عیاشؓ کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی، نہ سایہ میں بیٹھوں گی۔ اس لیے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دے کر آجانا۔

عمر فاروقؓ نے کہا: عیاش! مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری اماں کے سر میں کوئی جوں پڑ گئی تو وہ خود ہی کنگھی کر لے گی اور مکہ کی دھوپ نے ذرا خبر لی تو وہ خود سایہ میں جا بیٹھے گی۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تم کو جانا نہیں چاہیے۔ عیاشؓ بولے: نہیں! میں والدہ کی قسم پوری کر کے واپس آجاؤں گا۔ عمر فاروقؓ نے کہا: اچھا اگر یہی رائے ہے تو سواری کے لیے میری ناقہ لے جاؤ۔ یہ بہت تیز رفتار ہے۔ اگر راستہ میں تمھیں ذرا بھی ان سے شبہ گزرے تو تم اس ناقہ پر بآسانی ان کی گرفت سے بچ کر آسکو گے۔

عیاشؓ نے ناقہ لے لی۔ یہ تینوں چل پڑے۔ ایک روز راہ میں (مکہ کے قریب) ابو جہل نے کہا: بھائی! ہمارا اُونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا رہ گیا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو، عیاشؓ بولا: بہتر۔ جب عیاشؓ نے ناقہ کو بٹھایا تو دونوں بھائیوں نے اُسے پکڑ لیا، مشکیں کس لیں اور مکہ میں اسی طرح لے کر داخل ہوئے۔ یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو! بے وقوفوں، احمقوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ اب عیاشؓ کو بھی ہشام بن عاص کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے، تب حضور ﷺ کی تمنا پوری کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ مکہ میں آئے۔ زندان خانے سے دونوں کو شباشب نکال کر

لے گئے۔[1]

ان ہر سہ حکایات سے قارئین یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہجرت کے وقت بھی مسلمانوں کو کیسی سخت مصیبتوں پر غالب آنا پڑتا تھا۔ گھر چھوڑنا بھی بلا خاص جد وجہد اور ابتلا وامتحان کے آسان نہ تھا۔

[آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی سازش]

جب مسلمان مکہ میں گنتی کے رہ گئے اور مشہور صحابہؓ میں سے صرف ابو بکرؓ و علیؓ باقی رہے تو قریش مکہ نے کہا کہ اب محمد ﷺ کے قتل کر دینے کا اچھا موقع ہے۔ تدبیر قتل پر غور کرنے کے لیے دار الندوہ میں خفیہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں نجد کا ایک تجربہ کار بوڑھا (شیطان) بھی آکر شامل ہوا تھا اور قریش کے مشہور مشہور قبائل میں سے مندرجہ ذیل مشہور سردار موجود تھے:

۱-بنو عبد شمس میں سے شیبہ و عتبہ فرزندانِ ربیعہ اور ابو سفیان بن حرب

۲-بنو نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم، حارث بن عامر

۳-بنو عبد الدار میں سے نضر بن حارث بن کلدہ

۴-بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے ابو البختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، حکیم بن حزام

۵-بنو مخزوم میں سے ابو جہل بن ہشام

۶-بنو سہم میں سے نبیہ و منبہ فرزندانِ حجاج

۷-بنو جمح میں سے امیہ بن خلف۔[2]

۱- سیرت ابن ہشام، ص ۱۶۷، جلد اول۔ ۲- قرآن مجید میں ہے اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا. وَّاَكِيْدُ كَيْدًا. فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا [الطارق ۸۶:۱۵-۱۷] وہ تدبیریں کرتے ہیں اور خدا بھی تدبیر کرتا ہے۔ اے نبی آپ ان کو نرمی و آہستگی سے چھوڑ دیجیے۔ اس آیت کے ساتھ ان ۱۴ سرداروں کا انجام آپ دیکھیے کہ گیارہ سردار ایک دن میں (جنگ بدر) قتل ہوئے تھے اور تین ابو سفیان بن حرب، جبیر بن مطعم و حکیم بن حزام جو قتل سے بچے، وہ بالآخر مسلمان ہو گئے تھے۔

ایک بولا: اسے پکڑ کر گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر ایک مکان میں قید کر دو' اور مکان کا دروازہ تیغہ کر دو تاکہ یہ بھی زہیر و نابغہ شاعروں کی موت کا مزہ چکھتا ہوا مر جائے۔ بوڑھا نجدی بولا: نہیں' یہ ٹھیک نہیں۔ محمد ﷺ کے قید ہونے کی خبر باہر نکلے بغیر نہ رہے گی۔ مسلمان اسے چھڑا لے جائیں گے اور طاقت پا کر تمھیں بھی فنا کر دیں گے۔

دوسرا بولا: ایک سرکش اُونٹ پر بٹھا کر ہم اسے یہاں سے نکال دیں۔ ہماری طرف سے کہیں جائے' کہیں رہے' جیے خواہ مرے۔ بوڑھا نجدی بولا: نہیں' یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ کیا تم محمدؐ کی دلآویز باتوں کو بھول گئے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ جس سے بات کرتا ہے' اسی کو اپنا بنا لیتا ہے۔ وہ دلوں پر کیسی آسانی سے قابو پا لیتا ہے' جہاں جائے گا وہیں کے باشندے اس کے ساتھ لگ جائیں گے اور وہ بالآخر تم سے اپنے نبی کا بدلہ لے کے چھوڑیں گے۔

۔۔۔ قاتلوں کے انتخاب کا طریق

آخر ابو جہل نے ایسی تدبیر بتائی جسے تمام جلسہ نے بالاتفاق منظور کر لیا۔ تجویز اور تدبیر یہ تھی:

۱- عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد کا انتخاب کیا جائے۔

۲- یہ سب بہادر رات کی تاریکی میں محمدؐ کے گھر کو گھیر لیں۔

۳- جب محمد ﷺ صبح کی نماز کے لیے نکلے' اس وقت یہ سب بہادر اپنی اپنی تلوار سے اس پر وار کریں۔

اس تدبیر کا فائدہ یہ بتایا گیا کہ جس قتل میں تمام قبیلے شامل ہوں گے' اس کا بدلہ نہ تو محمد ﷺ کا قبیلہ لے سکے گا اور نہ محمد ﷺ کو سچا جاننے والے کچھ شر و فساد اُٹھا سکیں گے۔

انسانی تدبیر کے مقابلے میں الٰہی تدبیر

انسانی چال کے مقابلے میں اب الٰہی طاقت اور ربانی حمایت کو دیکھیے کہ جب رات کو ان لوگوں نے نبی ﷺ کا گھر آ گھیرا' اس وقت خدا کے

نبی ﷺ نے پیارے بھائی علیؓ سے فرمایا: ''تم میرے بستر پر میری چادر لے کر سو رہو۔ ذرا فکر نہ کرنا۔ کوئی شخص تمھارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔ حضرت علیؓ تو ان تلواروں کے سائے میں نہایت بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے اور خدا کا رسول ﷺ خدا کی حفاظت میں باہر نکلا اور ان دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا اور سورۂ یٰس پڑھتا ہوا صاف نکل گیا۔ کسی نے نبی ﷺ کو جاتے نہ دیکھا۔[1] یہ واقعہ ۲۷ صفر ۱۳ نبوت روز پنج شنبہ (۱۲ ستمبر ۶۲۱ء) کا ہے۔

خدا کا نبی ﷺ پیارے دوست ابو بکرؓ کے گھر پہنچا۔ انھوں نے جلدی سے سفر کا ضروری سامان درست کیا۔ ابو بکرؓ کی بیٹی اسماء نے اپنا کمر بند کاٹ کر ستوؤں کے تھیلے کا منہ باندھا۔ اسی شب کی تاریکی میں دونوں بزرگوار چل پڑے۔ مکہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر کوہِ ثور ہے۔ اس کی چڑھائی سر توڑ ہے۔ راستہ سنگلاخ تھا۔ نکیلے پتھر نبی ﷺ کے پائے نازک کو زخمی کر رہے تھے اور ٹھوکر لگنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ آخر ایک غار تک پہنچے۔ ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کو باہر ٹھہرایا، خود اندر جا کر غار کو صاف کیا۔ تن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے سوراخ بند کیے اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ بھی تشریف لے آئیں۔

صبح ہوئی۔ حضرت علیؓ حسب معمول خواب سے بیدار ہوئے۔ قریش نے قریب جا کر انھیں پہچانا۔ پوچھا: محمدؐ کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: مجھے کیا خبر۔ کیا میرا پہرہ تھا؟ تم لوگوں نے انھیں نکل جانے دیا اور وہ نکل گئے۔ قریش غصہ اور ندامت سے علیؓ پر پل پڑے، ان کو مارا اور خانہ کعبہ تک پکڑ لائے۔ تھوڑی دیر تک حبس بے جا میں رکھا۔ آخر چھوڑ دیا۔[2]

اب وہ ابو بکرؓ کے گھر آئے، دروازہ کھٹکھٹایا، اسماء بنت ابو بکرؓ باہر نکلی۔ ابو جہل

۱- خدا کے برگزیدہ نبی داؤد سے آنحضرت ﷺ کی مشابہت، داؤد کھڑکی سے بھاگ کے بچ رہا۔ میکل نے ایک پتلا پلنگ پر لٹا رکھا اور بکریوں کی کھال تکیہ کی جگہ۔ اور اُوپر سے چادر اُوڑھا دی۔ اور جب ساؤس نے ہرکارے داؤد کے پکڑنے کو بھیجے، تو یہ بولی کہ وہ بیمار ہے الخ... کتاب ۱- سموائیل ۱۲: ۱۹-۱۴۲- طبری، ص ۲۴۵۔ [طبع دار المعارف، مصر، ج ۲، ص ۳۷۴]

نے پوچھا: لڑکی! تیرا باپ کدھر ہے؟ وہ بولی: بخدا مجھے معلوم نہیں۔ بدزبان و درشت خو، ابوجہل نے ایسا طمانچہ کھینچ مارا کہ اسماء کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔[1]

ایک لڑکی کی ایمانی قوت

ہجرت کے متعلق ایک چھوٹی سی بات قابل ذکر ہے۔ اسماء بنت ابو بکرؓ کہتی ہیں کہ میرے والد جاتے ہوئے گھر سے نقد روپیہ سب اٹھا لے گئے۔ یہ پانچ یا چھ ہزار روپے تھے۔ والد کے چلے جانے کے بعد میرے دادا ابو قحافہ[2] نے کہا: بیٹی! میں سمجھتا ہوں کہ ابو بکرؓ نے تم کو دوہری تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ وہ خود بھی چلا گیا اور نقد و مال بھی ساتھ لے گیا۔

اسماء بولی: نہیں دادا جان! وہ ہمارے لیے کافی روپیہ چھوڑ گئے ہیں۔ اسماء نے ایک پتھر لیا، اس پر کپڑا لپیٹا اور جس گڑھے میں روپیہ ہوا کرتا تھا، وہاں رکھ دیا اور پھر دادا کا ہاتھ پکڑ کر لے گئی۔ ابو قحافہ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ کہا: دادا جان! ہاتھ لگا کر دیکھو کہ مال موجود ہے۔ بوڑھے نے اسے ٹٹولا اور پھر کہا: خیر، جب تمھارے پاس سرمایہ کافی ہے تو اب ابو بکرؓ کے جانے کا چنداں غم نہیں، یہ ابو بکرؓ نے اچھا کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ تمھارے لیے کافی انتظام کر گیا ہے۔ اسماء کہتی ہیں کہ یہ تدبیر میں نے بوڑھے دادا صاحب کے اطمینان قلب کے لیے کی تھی ورنہ والد بزرگوار تو سب کچھ (نبی ﷺ کی خدمت کے لیے) ساتھ لے گئے تھے۔[3]

غار کا قیام

یہ چاند اور سورج دونوں تین[4] روز تک اسی غار میں رہے، رات کی تاریکی میں اسماء بنت ابو بکرؓ گھر سے روٹی دے جاتی۔ عبداللہ بن ابو بکرؓ اہل مکہ کی باتیں سنا جاتا۔[5] عامر بن

۱- طبری، ص ۲۴۷۔ [ایضاً، ص ۳۷۹-۳۸۰] ۲- ابو قحافہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے دن یہ مسلمان ہوئے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کے خاندان کو جملہ صحابہ میں یہ خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے خاندان کی چار نسلیں صحابی ہیں۔ ۳- ابن ہشام، جلد اول، صفحہ ۴۷۳۔ ۴- یونتن نبی نے داؤد کو کہا جب تیری غیر حاضری پر تین دن گزر جائیں تو تو وہاں جائیو۔ ۱- سموئیل ۲۰: ۱۹۔ ۵- ابن ہشام، جلد ۱، ص ۴۷۳۔

فہیرہ جو حضرت عائشہؓ کے بھائی کا غلام تھا اور جس کے پاس حضرت ابو بکرؓ کا ریوڑ تھا' وہاں بکریاں لے آتا۔ نبی ﷺ دودھ بقدر ضرورت لے لیتے اور وہ پھر ریوڑ سے آنے والوں کے نقش قدم کو تمام راستے سے مٹا دیتا۔[1] خدا نے ابو بکرؓ کے اس صدق و خلوص کا یہ اجر دیا کہ اِنَّ اللہَ مَعَنَا فرما کر جس معیت الٰہی میں نبی ﷺ دراصل تھے' اسی میں ابو بکرؓ کو بھی شامل کر دیا۔

غار سے روانگی

چوتھی شب ابو بکرؓ کے گھر سے دو اُونٹنیاں آ گئیں' جن کو اسی سفر کے لیے خوب فربہ اور تیار کیا گیا تھا۔ ایک پر نبی ﷺ اور ابو بکرؓ اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (جسے رستہ بتانے پر نوکر رکھ لیا گیا تھا) سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب یکم ربیع الاول روز دوشنبہ (۱۶ ستمبر ۶۲۲ء) کو روانہ ہوئے۔ ہجرت سے نبی ﷺ نے انبیائے سابقین کی سنت کو پورا کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کی ہجرت کے واقعات بائبل میں موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کے بعد نصرتِ الٰہی کی معیت کا ظہور ہوا۔ جیسا کہ پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا تھا۔ دلیلِ راہ نے درمیانی راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا تھا۔ جب حضور ﷺ رابغ کے موجودہ قلعہ اور ساحل بحر کے درمیانی میدان سے گزر رہے تھے' تب سراقہ بن جعشم نے حضور ﷺ کا تعاقب کیا۔ عبدالرحمن بن مالک مدلجی جو سراقہ کا برادرزادہ ہے' بیان کرتا ہے:

''سراقہ خود سر پر لگائے' نیزہ تانے' بدن پر ہتھیار سجائے' اپنی گھوڑی (عوذ نام) پر ہوا سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ اس کی نظر حضور ﷺ پر پڑ گئی' اس نے سمجھا کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ اتنے میں گھوڑی گھٹنوں کے بل گری' سراقہ نیچے آیا۔ اٹھا' گھوڑی کو اٹھایا' سوار ہوا' پھر چلا۔ نبی ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اور مالک سے لو لگائے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے کہ حضور ﷺ کو دشمن کے قریب تر پہنچنے کی اطلاع کی گئی۔ فرمایا: ''الٰہی! ہمیں اس کے شر سے بچا۔'' ادھر جب الفاظِ مبارکہ زبان سے نکلے' ادھر گھوڑی کے قوائم ۱۳ زمین میں دھنس گئے۔

---

[1] بخاری عن عائشہؓ، کتاب المغازی' ص ۱۶، و باب ہجرت۔ [کتاب اللباس، باب ۱۶، حدیث ۵۸۰۷]

سراقہ گر پڑا اور سمجھ گیا کہ حفاظت الٰہی پر غالب آنا محال ہے' اس نے عاجزانہ الفاظ میں جان کی امان مانگی' امان دی گئی۔ سراقہ آگے بڑھا اور عرض کی کہ اب میں ہر ایک حملہ آور کو پیچھے ہی روکتا رہوں گا۔ پھر اس کی درخواست اور نبی ﷺ کے ارشاد پر عامر بن فہیرہ نے اسے خط امان بھی لکھ کر عطا فرمادیا۔[1]

خیمہ ام معبد پر آنحضرتؐ کا آرام

غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلے کا گزر خیمہ اُم معبد پر ہوا۔ یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لیے مشہور تھی۔ سر راہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹھیر کر سستایا کرتے تھے۔ یہاں پہنچ کر بڑھیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولی: نہیں' اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔ نبی ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ پوچھا: یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ اُم معبد نے کہا: ''کمزور ہے ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اجازت ہے کہ ہم اسے دوہ لیں؟'' اُم معبد نے کہا: ''اگر حضور کو دودھ معلوم ہوتا ہے تو دوہ لیجیے''۔

نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا' برتن مانگا' وہ ایسا بھر گیا کہ دودھ اُچھل کر زمین پر بھی گر گیا۔ یہ دودھ آنحضرت ﷺ اور ہمراہیوں نے پی لیا۔ دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا۔ برتن بھر گیا۔ یہ بھی ہمراہیوں نے پیا۔ تیسری دفعہ پھر

۱- صحیح بخاری' [کتاب مناقب الانصار، باب ۴۵، حدیث ۳۹۰۶] سراقہ اپنے دادا جعشم کی نسبت سے سراقہ بن جعشم مشہور ہے' سراقہ بن مالک بن جعشم کنانی ہے۔ علاقہ رابغ پر اسی کا قبیلہ قابض تھا۔ الاستیعاب میں ہے کہ جب سراقہ واپس ہونے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا: سراقہ اس وقت تیری کیا شان ہوگی' جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ واقعہ احد کے بعد مسلمان ہوا۔ عمرؓ کے عہد میں جب مدائن فتح ہوا اور کسریٰ کا تاج اور مرصع زیورات فاروق کے سامنے پیش ہوا تو امیر المومنین نے سراقہ کو بلایا اور اس کے ہاتھوں میں سوار کسروی پہنائے اور زبان سے فرمایا: ''اللہ اکبر' اللہ کی بڑی شان ہے کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے۔

برتن بھرا گیااور وہ اُم معبد کے لیے چھوڑ دیا گیااور آگے کو روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک

کچھ دیر کے بعد اُم معبد کا شوہر آیا۔ خیمہ میں دودھ کا بھرا برتن دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ کہاں سے آیا؟ اُم معبد نے کہا کہ ایک بابرکت شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودھ اس کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا کہ یہ تو وہی صاحب قریش معلوم ہوتا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ اچھا ذرا تم اس کی توصیف تو کرو۔

اُم معبد نے بیان کیا:

ظاهر الوضاء ة، ابلج الوجه، حسن الخلق، لم تعبه ثُجلة، ولم تُزْرِبه صعلة؛ وسيمٌ قسيمٌ؛ في عينيه دعج، وفي اشفاره وطف، وفي صوته صحل، وفي عنقه سطح؛ احور، اكحل، ازج، اقرن، شديد سواد الشعر؛ إذا صَمَتَ علاه الوقار، وان تكلم علاه البهاء؛ اجمل الناس وابهاهم من بعيدٍ، واحسنه واحلاه من قريب؛ حلو المنطق، فصل لا نزر ولا هذر؛ كأنَّ منطقهٗ خرزات نظمٍ يتحدرن؛ ربعةٌ لا تقحمهٗ عين من قصر، ولا تشنؤه من طول، غصن بين غصنين، فهو انضر الثلثة منظرًا، واحسنهم قدرًا، له رفقاء يحفون به، اذا قال استمَعوا لقوله، واذا امر تبادروا الى امرهٖ، محفود محشود، لا عابسٌ ولا مُفنِدٌ۔

پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہوئی، نہ چندیہ کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحب جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، [پلکوں کے] بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگین چشم، باریک و پیوسہ ابرو، سیاہ گھنگریالے بال، خاموش و وقار کے ساتھ۔ گویا دل بستگی لیے ہوئے، دُور سے دیکھنے میں حسین ترین، دل فریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشی الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی، میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر، والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں، حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں، مخدوم مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو۔

یہ صفت سن کر وہ بولا کہ یہ ضرور صاحبِ قریش ہے اور میں اسے ضرور جا کر ملوں گا۔[1]

سابقین اولین کی شان

نبوت کے ۱۳ سال مکہ میں جس طرح گزرے، ان کا مختصر حال یہ تھا جو لکھا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد چند سینکڑوں سے زیادہ نہیں بڑھی تھی، لیکن یہ بھی عجیب کامیابی تھی کہ ان ایمان لانے والوں میں:

۱- ابو بکر، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کی شان کے بزرگوار تھے، جن کی علمی فضیلت، عملی کشش و طاقت، روشن ضمیری، اور برترین قابلیت کے اوصاف نے چار دانگ عالم کی رہنمائی کی۔

۲- یا مصعبؓ بن عمیر، جعفرؓ طیار، اور ابو عبیدہؓ بن الجراح کی سی اعلیٰ استعداد کے تھے، جنھوں نے یثرب و حبش و نجران کو وعظ کے ذریعے سے مسلمان کر لیا۔

۳- یا عبداللہ بن مسعودؓ و عبدالرحمنؓ بن عوف کے منصب کے تھے جن کی علمی روایات سینکڑوں علمی نکات کی مخزن ہیں۔

۴- یا زبیرؓ و طلحہؓ و عمارؓ و یاسرؓ کے درجے کے، جن کی جاں نثاری و حق پسندی کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

۵- یا بلالؓ، سمیہؓ، یاسرؓ اور کعبؓ، خبابؓ کے نمونے کے، جنھوں نے اپنے استقلال و استقامت سے فرعون طبیعت ظالموں کو ظلم کرتے ہوئے تھکا دیا تھا۔

۱- زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۰۷، [طبع جدید، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۷ء، ج ۳، ص ۵۶] مکہ سے باہر بدوی غیر مسلم قبائل میں آنحضرت ﷺ کو لوگ صاحب قریش کہتے تھے۔

۶- یاسکران، شموس، اُم حبیبہ و خنیس کے حوصلے کے، جنھوں نے دین حق کے لیے خویش واقارب، وطن و مولد کو چھوڑ کر حبش میں جلاِ قامت کی تھی۔

۷- یالبید اور سوید بن صامت الملقب کامل وانیس برادر ابوذر جیسے فصیح و بلیغ جو ایک ایک تقریر یا ایک ایک قصیدے سے کئی کئی قبیلوں پر قابو پالیتے تھے اور جو دنیا میں اپنے سے بڑھ کر کسی کو حقائق دان، معانی رس، اور انسانی طبیعت کا رمز شناس نہ جانتے تھے۔

مکہ سے باہر اسلام کی اشاعت

انھی ایام میں اسلام مکہ سے باہر بھی پھیل گیا تھا جس کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

۱- طفیل بن عمرو دوسیؓ جو ملک یمن کے ایک حصہ کا فرماں رواں تھا، مکہ میں مسلمان ہوا تھا اور اس طفیلؓ کے طفیل اس کے ملک میں بھی اسلام پھیل گیا تھا۔

۲- ابوذر غفاریؓ، ان کا بھائی انیسؓ، ان کی ماں اور نصف قبیلہ غفار

۳- عیسائیانِ نجران میں سے ۲۰ کس

۴- ضماد الازدی یمن کا مشہور کاہن

۵- قبیلہ بنی [عبد] الاشہل

۶- تمیم و نعیم اور کچھ باشندگانِ ملک شام

۷- حبش کے بہت لوگ وغیرہ۔

اثنائے راہ میں بریدہ اور ۷۰ شخصوں کا مسلمان ہونا

نبی ﷺ یثرب کو جارہے تھے کہ اثنائے راہ میں بریدۂ اسلمی ملا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کی گرفتاری پر ایک سو اُونٹ کا انعام مشتہر کیا تھا اور بریدہ اسی انعام کے لالچ سے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلا تھا۔ جب نبی ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ سے ہم کلام ہونے کا موقع بھی ملا تو بریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ اپنی

پگڑی اُتار کر نیزہ پر باندھ لی جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔

راستہ میں نبی ﷺ کو زبیر بن العوام ملے، یہ شام سے آ رہے تھے اور مسلمانوں کا تجارت پیشہ گروہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے نبی ﷺ اور ابو بکرؓ کے لیے سفید پارچہ جات پیش کیے۔[1]

قبا میں پہنچنا

۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت روز دوشنبہ (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) مطابق ۱۰ تشری ۴۳۸۳ یہود [کی تاریخ] تھی کہ خدا کا نبی ﷺ قبا میں پہنچ گیا۔ اہل یثرب نے جب سے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ چھوڑ دیا ہے۔ روز صبح سے سر راہ ہمہ چشم بن کر بیٹھ جاتے اور جب تک ٹھیک دوپہر نہ ہو جاتی، بیٹھے رہتے۔ یہ بزرگوار ابھی واپس ہی گئے تھے کہ حضور ﷺ پہنچ گئے اور ایک شخص کے پکارنے سے سب جمع ہو گئے اور خیر مقدم اللہ اکبر کے ترانے گاتے ہوئے آفتابِ رسالت کے گرداگرد نور خیز شعاؤں کی طرح جمع ہو گئے۔ اکثر مسلمان ایسے تھے جنھوں نے ہنوز دیدار پرُانوار سے چشم ظاہر بین کو روشن نہ کیا تھا۔ انھیں نبی اللہ اور حضور ﷺ کے رفیق ابو بکر صدیقؓ کی شناخت میں اشتباہ ہو جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اس ضرورت کو تاڑ گئے اور سر مبارک پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

خدا کا رسول ﷺ پنج شنبہ تک یہاں ٹھیرا اور اس سہ روزہ قیام ہی میں سب سے پہلا کام یہاں[2] یہ کیا کہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اسی جگہ شیر خدا علی مرتضیٰؓ بھی مکہ سے پاپیادہ سفر کرتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ چند روز تک مکہ میں حسب ارشاد نبویؐ اس لیے ٹھیر گئے تھے کہ جن لوگوں کی امانتیں آنحضرت ﷺ کے گھر میں موجود تھیں، وہ مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔

۱۲ ربیع الاول[3] سنہ ۱ ہجری کو جمعہ کا دن تھا، نبی ﷺ قبا سے سوار ہو کر بنی سالم

۱- بخاری، **عن عروۃ باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** [کتاب مناقب الانصار، باب ۴۵، حدیث ۳۹۰۶] ۲- سرور المحزون، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۴ھ۔ ۳- صحیح بخاری **باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** [کتاب مناقب الانصار، باب ۴۵، حدیث ۳۹۰۶] ۴- تفسیر علامہ ابی السعود، ج ۸، ص ۱۵۲۔ مگر صحیح بخاری میں بضع عشر لیلۃ لکھا ہے۔ ۵- مطابق ۲۷ [ستمبر] ۶۲۲ء زاد المعاد، ص ۲۵ میں ۱۲ ربیع کو دوشنبہ لکھا ہے، یہ غلط ہے۔ [زاد المعاد، ایضاً، ص ۵۸]

کے گھروں تک پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ یہاں سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا۔

[پہلے جمعہ کا] خطبہ

رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ، جو مدینہ پہنچ کر بنی سالم بن عوف میں حضور ﷺ نے پڑھا تھا:

الحمد للہ احمدہٗ واستعینہٗ واستغفرہٗ واستھدیہ واومن بہٖ ولا اکفرہٗ واعادی من یکفرہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ ارسلہٗ بالھدیٰ والنُّور والموعظۃ علی فترۃ من الرسل وقلۃ من العلم وضلالۃ من الناس وانقطاع من الزمان ودنوّ من الساعۃ وقرب من الاجل۔ من یطع اللہ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعصھما فقد غویٰ وفرط وضلّ ضلالاً بعیداً۔ اوصیکم بتقوی اللہ

حمد و ستایش خدا کے لیے ہے، میں اس کی حمد کرتا ہوں، مدد و بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اسی نے محمد ﷺ کو ہدایت، نور، اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا ہے، جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہ آیا۔ علم گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے قرب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا۔ جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے اور جس نے ان کا حکم نہ مانا، وہ بھٹک گیا، درجہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے۔ مسلمانو! میں تمھیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ بہترین وصیت

فان خیر ماوصی بہ المسلم المسلم ان یحضہ علی الآخرۃ وان یامرہ بتقوی اللہ فاحذروا ماحذّرکم اللہ من نفسہ [ولا افضل من ذلک نصیحۃ] ولا افضل من ذلک ذکرًا؛ وانّ تقوی اللہ لمن عمل علٰی وجل ومخافۃ من ربہ، عون صدق علٰی ماتبغون من امر الآخرۃ ومن یصلح الذی بینہٗ وبین اللہ من امرہ فی السّر والعلانیۃ لا ینوی بذٰلک الا وجہ اللہ یکن لہٗ ذکرا فی عاجل امرہ وذخرا فی مابعد الموت، حین یفتقر المرئ الٰی ماقدم، وماکان سوی ذٰلک یودّ لوانّ بینہ وبینہ امدًا بعیدًا ویحذرکم اللہ نفسہ واللہ رؤف بالعباد۔ والذی صدّق قولہ وانجز وعدہٗ لا خُلف لذٰلک، فانّہ یقول عزّ وجل مایبدّل القول لدیّ وماانا بظلام للعبید۔

جو مسلمان مسلمان کو کر سکتا ہے، یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کے لیے کہے۔ اے لوگو! جن باتوں سے خدا نے تمھیں پرہیز کرنے کو کہا ہے' ان سے بچتے رہو۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے۔ یاد رکھو! کہ امور آخرت کے بارے میں اس شخص کے لیے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے، تقویٰ بہترین مدد ثابت ہو گا اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر میں درست کرے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہو گی تو ایسا کرنا اس کے لیے دُنیا میں ذکر' اور موت کے بعد (جب انسان کو اعمال کی ضرورت و قدر معلوم ہو گی) ذخیرہ بن جائے گا۔ لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا (تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے) ''انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دُور ہی رکھے جائیں۔ خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے''۔ اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشاد الٰہی موجود ہے۔ ''ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے''۔

۱- 'تقویٰ' اس انسانی ملکہ کا نام ہے' جو انسان کو منہیات و منکرات سے روک دیتا ہے۔ از محیط المحیط۔

فاتقوا اللہ فی عاجل امرکم وآجلہ فی السر والعلانیۃ فانہٗ من یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ ویعظم لہٗ اجرًا ومن یتق اللہ فقد فاز فوزًا عظیمًا وانّ تقوی اللہ یوقی مقتہ ویوقی عقوبتہٗ ویوقّی سخطہٗ وان تقوی اللہ یُبَیِّضُ الوجوہ ویُرضی الرّبّ ویرفع الدّرجۃ۔ خذوا بحظکم ولا تفرّطوا فی جنب اللہ۔ قد علّمکم اللہ کتابہٗ ونھج لکم سبیلہٗ لیعلم الذین صدقوا ویعلم الکاذبین۔ فاحسنوا کما احسن اللہ الیکم وعادوا اعداء اللہ وجاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ ھو اجتباکم وسلّمکم المسلمین؛ لیھلک من ھلک عن بینۃٍ ویحییٰ من حیّ عن بینۃٍ ولا قوۃ الا باللہ؛ فاکثروا ذکر اللہ واعملوا لما بعد الیوم فانہ من یصلح مابینہ وبین اللہ یکفہ اللہ مابینہ وبین الناس، ذٰلک بانّ اللہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آیندہ ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش نظر رکھو! کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔ تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دُور کر دیتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔ مسلمانو! حظ اٹھاؤ، مگر حقوق الٰہی میں فروگزاشت نہ کرو۔ خدا نے اسی لیے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا رستہ دکھایا ہے کہ راست بازوں اور کاذبوں کو الگ کر دیا جائے۔ لوگو! خدا نے تمھارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے۔ تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو خدا کے دشمن ہیں، انھیں دشمن سمجھو اور اللہ کے رستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمھارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں۔ لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آیندہ زندگی کے لیے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کے معاملہ کو درست کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملہ کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں! خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر

کسی کا حکم نہیں چلتا۔ خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے اور ہم کو (نیکی کرنے کی) طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔

مدینہ کا داخلہ

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر نبی ﷺ یثرب کی جنوبی جانب سے شہر میں داخل ہوئے اور اسی دن سے شہر کا نام مدینہ النبی ہو گیا جسے مختصراً مدینہ کہا جاتا ہے۔ داخلہ عجب شان دار تھا۔ گلی کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے، نور خدا کا جلوہ دیکھنے کے لیے سراپا چشم بن گئے تھے۔ تشریف آوری کے اس شکوہ و احتشام کو دیکھ کر اہل کتاب کے عالم سمجھ گئے کہ حبقوق نبی کی کتاب باب ۳ درس ۳ کا مطلب آج کھلا۔ ''اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے، کوہ فاران[2] سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی''۔

انصار کی معصوم لڑکیاں پیارے لہجہ اور پاک زبانوں سے اس وقت یہ چند اشعار گا رہی تھیں:[3]

۱۔ تاریخ المآل والامم طبریؒ۔ [تاریخ الطبری، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۱ء، ج ۲، ص ۳۹۴-۳۹۶] ۲۔ مجموعہ بائبل میں جس قدر کتابیں پہلے انبیا کی ہیں، ان میں مکہ کا نام فاران ہے کیونکہ اس جگہ فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ کیا تھا۔ تورات کی کتاب پیدائش ۲۱: ۲۱ میں ہے: ''اسماعیل فاران کے بیابان میں رہا''۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ابراہیم و اسماعیل نے اس بیابان میں یہ مسجد تعمیر کی جو اب کعبہ کے نام سے مشہور ہے، پس تورات و قرآن ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ فاران مکہ کا نام ہے، فاران کا ذکر تورات کی کتاب اعداد، ۱۲: ۱۔ اور کتاب استثنا ۳۳: ۳ میں بھی آیا ہے اور ان سب حوالہ جات سے بصراحت ثابت ہے کہ فاران مکہ کا نام ہے۔ ۳۔ کتاب یسعیاہ ۴۲: ۱۱ میں ہے کہ سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے۔ مدینہ کا نام سابق انبیا کی کتابوں میں سلع ہے۔ مورخ طبری کے بیان سے ثابت ہے کہ جنگ خندق میں مسلمانوں نے جس جگہ خندق کھودی تھی، وہاں ایک ٹیلہ کوہ کا ہے، جس کا نام اہل مدینہ کی زبان پر سلع ہے۔

طلع البدر علینا ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب

من ثنیات[1] الوداع چودھویں کا چاند ہے، ہم پر چڑھا

وجب الشکر علینا کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے

ما دعا للّٰہِ داع شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

ایّھا المبعوث فینا ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی

جئت بالامر المطاع بھیجنے والا ہے تیرا کبریا!

یہ انصار جن کی لڑکیوں نے یہ ترانہ سنجی کی ہے، وہی ہیں جنھوں نے سنہ ۱۱، ۱۲، ۱۳ نبوت میں مکہ معظمہ پہنچ کر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، یا وہ ہیں جو مصعب بن عمیر یا ابن امّ مکتومؓ کی ہدایت۔۔۔اور تعلیم سے مدینہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔

بزرگ انصار[2] کچھ بڑے مال دار یا صاحب ثروت یا کسی بڑی جاگیر و املاک کے مالک نہ تھے، مگر دل کے ایسے غنی، اسلام کے ایسے فدائی، مسلمان بھائیوں پر اتنے قربان تھے کہ جب کوئی مہاجر ننگی تلواروں، [3] کھچی ہوئی کمانوں سے جان بچا کر بھوکا پیاسا مدینہ میں

۱- ثنیات جمع ہے ثنیہ کی، ثنیہ ٹیلے کو کہتے ہیں۔ سفر ہجرت میں نبی ﷺ نے **ثنیۃ البول، ثنیۃ الجابر** عثنیہ مروان سے عبور فرمایا تھا۔ ثنیہ وداع مدینہ کے قریب ایک ٹیلہ ہے۔ اہل مدینہ دوست کو یہاں تک چھوڑنے آیا کرتے تھے اس لیے اس نام سے مشہور ہوا۔ ان ثنیات کا ذکر یسعیاہ ۱۱: ۴۲ میں ہے: سلع کے باشندے ایک گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ ۲- انصار کے معنی مددگار ہیں، اسلام میں یہ لقب اہل مدینہ کا ہے۔ مہاجر کے معنی ہجرت کرنے والے کے ہیں۔ اسلام میں یہ لقب اہل مکہ کا ہے جو نبی ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ گئے تھے۔ ۳- یسعیاہ کی کتاب ۲۱ باب میں ہجرت کا ذکر ہے، اول ہم اس کتاب کے درس نقل کرتے ہیں، پھر اس کے بعض الفاظ کی صراحت کریں گے۔ ۱۳- ''عرب کی بابت الہامی کتاب، عرب کے صحرا میں تم رات کاٹو گے، اے دوانیوں کے قافلو''۔ ۱۴- ''پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو، روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو''۔ ۱۵- ''کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے، ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے، اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں''۔

جا پہنچتا تھا تو ہر انصاری یہ چاہتا تھا کہ وہ مہاجر اسی کے پاس ٹھہرے۔ آخر قرعہ اندازی ہوتی تھی اور جس کے نام پر قرعہ نکل آتا وہ مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا۔ مکان، اسباب، روپیہ، زمین، مویشی، غرض جو کچھ اس کی ملک میں ہوتا، اس کا آدھا حصہ اسی دن تقسیم کر کے دے دیتا اور پھر رات دن اس کی خدمت کے لیے مستعد رہتا۔ اپنی خوش قسمتی پر شکر کرتا، کہ خدا نے دین کے ایک بھائی کو اس کا حصہ دار بنایا۔

مکہ اور مدینہ کے حالات کا [موازنہ]

مکہ میں صرف ایک قوم قریش کا زور اور حکومت تھی اور سب کا مذہب بھی (زیادہ تر)

(بقیہ) ۱۶- "کیونکہ خداوند نے مجھ کو فرمایا، ہنوز ایک برس، ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی"۔ ۱۷- "اور تیر اندازوں کی جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خداوند نے یوں فرمایا"۔ مندرجہ بالا آیات میں ۱۵ میں مہاجرین کا ذکر ہے، جو ظالم قریش کے سامنے سے جان و ایمان بچا کر بھاگے تھے اور مدینہ گئے تھے۔ آیت ۱۳ میں دوانیوں اور ۱۴ میں تیماوالوں کو حکم ہے کہ ان کا استقبال کریں اور روٹی پانی سے ان کی تواضع کریں۔ واضح ہو کہ دوان نام ہے حضرت ابراہیمؑ کے پوتے لینسان کے بیٹے سبا کے بھائی کا۔ سبا اور دوان کی اولاد ملک یمن میں آباد ہوئی تھی۔ سیل عرم کے آنے سے یہ قبائل متفرق ہوئے، اوس و خزرج کے قبائل جو انصار کہلاتے ہیں، انھیں میں سے ہیں۔ مورخ ابن خلدون نے اسے صراحت سے بیان کیا ہے۔ اس آیت میں جیسا کہ یہ پیش گوئی ہے کہ مہاجرین کی ہجرت قریش کی تلواروں اور کمانوں کی وجہ سے ہو گی، ایسے ہی یہ پیش گوئی ہے کہ ان کے انصار نسل دوان سے ہوں گے، جیسا کہ ہوا۔ تیما نام ہے حضرت اسماعیلؑ کے آٹھویں فرزند کا جن کی اولاد مدینہ کی عقب آباد ہوئی۔ اہل مدینہ و حوالی مدینہ کو نصرت و تائید کا حکم دینے کے بعد آیت ۱۶، ۱۷ میں ان ظالموں کا انجام بتایا ہے، یعنی قریش کا انجام۔ اس جگہ قریش کو قیدار والے بتایا ہے۔ قیدار حضرت اسماعیل کے دوسرے فرزند کا نام ہے، قریش انھی کی نسل میں سے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اس واقعۂ ہجرت کے ایک سال بعد قیدار کے بہادر کمان انداز گھٹ جائیں گے اور ان کی شوکت کم ہو جائے گی۔ چنانچہ ہجرت کے ایک ہی سال کے بعد جنگ بدر کا وقوع ہوا جس میں قریش کے نامی سردار، مشہور بہادر مارے گئے اور ان کے رعب داب، حشمت عزت کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ جملہ آیات میں صاف صاف نام لے کر پیش گوئی کی گئی ہے۔

بت پرستی تھا۔ مدینہ مختلف اقوام اور مذاہب کا مجموعہ تھا' وہاں بت پرست بھی تھے اور یہودی بھی۔ اور کم تعداد میں عیسائی بھی' یہودیوں کے کئی زبردست قبیلے بنو نضیر' بنو قینقاع' بنو قریظہ تھے' جو اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے۔ تجارت اور سود خوری کی وجہ سے بہت مال دار تھے۔

یہودِ مدینہ نبی موعود کے منتظر تھے

جب سے خدا کے برگزیدہ نبی موسیٰؑ نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت اسنائی

_____ ا۔کتاب استثنا باب ۱۸ کا درس ۱۵ یہ ہے: ''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا''۔ اسی باب کے درس ۱۸، ۱۹ زیادہ صاف ہیں' وہ یہ ہیں: ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔ اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو' جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا' نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔'' ان آیات کے تمسک سے مسلمانوں کا استدلال یہ ہے: (الف) کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں (دیکھو' کتاب پیدائش' ۱۶:۱۲ و ۱۸:۲۵)۔ (ب) بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔ (دیکھو' کتاب استثناء' ۱۰:۳۴) اس لیے یہ پیش گوئی ہمارے نبی ﷺ کے لیے صاف ہے۔ آنحضرت ﷺ کا پتہ یہ دیا گیا ہے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ یہ پتہ آنحضرت ﷺ کا ہی خاص ہے کیونکہ قرآن مجید کے سوا باقی کوئی کتاب (تورات انجیل) ایسی نہیں جس میں کلام الٰہی کے الفاظ محفوظ رہے ہوں یا جس کی وحی لفظاً و معناً پہنچی ہو۔ اور موسیٰؑ کے سوا دوسرے انبیا کے صحیفوں میں خصوصاً انجیل میں آسمانی وحی سے اُترے ہوئے خدا کے الفاظ نہیں۔ اس اقرار کے بعد جملہ انبیا میں صرف حضرت موسیٰؑ ہی رہ جاتے ہیں جن کو کلام کے بارے میں نبی ﷺ سے مماثلت ہے۔ ہمارے نبیؐ اور حضرت موسیٰؑ میں باہمی مماثلت' مشابہت بہت امور میں ہے۔ مثلاً دونوں کا صاحبِ ہجرت' صاحب شریعت' صاحب جہاد ہونا' دونوں کو اکتالیسویں سال کے شروع میں نبوت ملنا' اور یہ امور وہ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے بعد مجموعی طور پر بنی اسرائیل کے کسی نبی میں نہیں پائے جاتے مگر ہمارے نبیؐ میں پائے جاتے ہیں (ﷺ)۔ لیکن اس جگہ صرف اسی مماثلت پر غور و تدبر کرنا چاہیے جسے کتاب استثنا نے خود بیان کیا ہے۔ قرآن مجید اس کی تصدیق یوں کرتا ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔ ''محمد اپنی خواہش سے نہیں بول رہا ہے' یہ تو وہ کلام ہے جو خدا نے اس کے پاس بھیجا اور اس کے ناطقہ پر جاری ہے''۔ آپ جدید و قدیم عہد نامہ کی تمام کتابوں کو دیکھ جائیں۔ قرآن مجید کے سوا اس پیش گوئی کا کسی نے بھی حوالہ نہیں دیا اور دلیل نہیں پکڑی۔ بے شک یہ صفت نبی ﷺ کے لیے بہت ہی خاص ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ درس ۱۵ میں لفظ ''تیرے ہی درمیان سے'' الحاقی ہیں۔ اس کے لیے تین روشن دلائل ہیں:

تھی کہ خدا موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا نبی پیدا کرے گا۔ اس وقت سے یہود امید کیے ہوئے تھے اور اسی امید پر مدینہ میں ٹھیرے ہوئے تھے کہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والا نبی یہود کے قومی ادبار کو دُور کرنے والا، ان کی گذشتہ شان و شوکت، حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا اور جب سے یہود کو شام سے نکال دیا گیا اور ذلّت و غلامی کے گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا اس وقت سے نبی موعود کے ظہور پر ان کی آنکھیں اور بھی زیادہ لگی ہوئی تھیں۔

اب اسماعیلی نبی کا مدینہ میں تشریف لانا سن کر یہودی بالخصوص بہت خوش ہو رہے تھے، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راست باز ٹھیراتا، اس کی تعلیم کو سچا بتاتا اور مسیحؑ پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری ولاینفک جزو قرار دیتا اور اس کی بزرگی کر کے یہودیوں کو انصاف سے ملزم ٹھیراتا ہے۔[1] تو اس وقت سب یہودی ہمارے نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔

عیسائیانِ مدینہ، نبیِ موعود کے منتظر تھے

جب سے خدا کے برگزیدہ بندہ عیسیٰ مسیحؑ نے سب سے آخری وعظ میں دوسرے تسلی دینے والے کے آنے کی خبر دی تھی جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھائے گا اور عیسائیوں کو اس کے حکم پر چلنے کی تاکید کی تھی، تب سے عیسائی بھی اس نبی کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے ظلموں کا بدلہ لینے والا، عیسائیوں کو جلال بخشنے والا، مسیحؑ کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ ۲ مسائل ابنیت،

۱- وہ دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھیرائے گا وہ میری بزرگی کرے گا۔ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتادے گا۔ یوحنا ۱۶: ۸-۱۳-۱۴۲- ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی کتاب موسومہ ''مذہب و سائنس'' میں لکھا ہے کہ عیسائی مذہب اپنی ابتدا میں سالہا. (بقیہ حاشیہ 113)

تثلیث، کفارہ، رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدارات کا ردّ کیا، تب وہ بھی ہمارے نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔

مدینہ کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے قارئین کو عبداللہ بن اُبی بن سلول کے حال پر بھی ایک مختصر نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ یہودیوں کے علاوہ مدینہ کا ممتاز ذی اثر شخص یہ بھی تھا۔ اوس و خزرج کے قبیلوں پر اس کا پورا رعب تھا۔ اور اس کی توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلوں کی مدد سے مدینہ کی سب سے اعلیٰ طاقت وہ ہی بن جائے گا۔ جب اس نے دیکھا کہ اوس و خزرج مسلمان ہو رہے ہیں تو خود بھی (بعد از جنگ بدر) بظاہر حال مسلمانوں سے مل گیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہود نبی ﷺ کے

(بقیہ حاشیہ) سال تک تین اصولوں کی تلقین کرتا رہا۔ حق اللہ، یعنی انسان کو چاہیے کہ خدائے بزرگ و برتر کی تعظیم کرے۔ حق الذات، یعنی انسان کو چاہیے کہ ذاتی طور پر نیک رہے۔ حق العباد، لازم ہے کہ ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے، اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ ان ترمیمات و اصلاحات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے جو مذہب عیسوی میں بیرونی عناصر کی آمیزش سے پیدا ہوئے اور آج تک قائم ہیں، اول ٹرملین کی تحریر مرقومہ ۲۰۰ء دیکھنی چاہیے جو اس نے قیصر سیویرس کے زمانہ میں، جب کہ عیسائیوں پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے، بمقام روما قلمبند کی تھی۔ اس تحریر میں تثلیث کا ذکر نہیں ہے اور کفارہ کا تو رد پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''خدا نے انسان کے اعمال حسنہ و سیئہ کے لحاظ سے جزا و سزا مقرر کی ہے جو نیک ہوں گے انھیں لذات جاودانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہوں گے انھیں ابدی شعلوں میں جھونک دے گا''۔ ڈاکٹر مذکور نے پھر لکھا ہے کہ ''قیصر قسطنطین کے عہد میں عیسائیت میں بت پرستی شامل ہوئی اور پادریوں کی پہلی کونسل اسی کی صدارت سے ۳۲۵ء میں قائم ہوئی۔ پھر کونسلوں کے انعقاد کی رسم پڑ گئی۔ ہر ایک کونسل مذہب اور اعتقاد میں نئی نئی ترمیمات اور اصلاحات عمل میں لانے لگی''۔ اس لیے ہم نے جو متن میں لفظ ''عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل'' درج کیا ہے بالکل صحیح ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے جن مسائل میں اصلاح فرمائی تھی، آہستہ آہستہ اور جزاً جزاً مختلف طور پر عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے بھی ان اصلاحات کو قبول کر لیا ہے اور اپنے مذہب کا جزو بنایا ہے، اگرچہ وہ اب تک اپنے اس سچے محسن محمد رسول اللہ ﷺ کے شکر گزار نہیں ہیں مثلاً یونیٹیرین کو دیکھیے کہ وہ مسیح کو ابن اللہ تسلیم نہیں کرتے، پراٹسٹنٹ فرقہ اسلام کے بعد پیدا ہوا جو رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدار کا سخت منکر ہے وغیرہ۔

خلاف ہو گئے ہیں تو اس نے چاہا کہ یہودیوں پر بھی اس کا پہلا اثر قائم رہے اور مسلمان ہو جانے والے قبائل بھی بدستور زیر اقتدار رہیں اس لیے اس نے یہ رویہ اختیار کیا کہ مسلمانوں میں بیٹھ کر ان سے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے ان کے ساتھ اپنے اتحاد و صداقت کا دعویٰ کیا کرتا۔ اور چونکہ فی الحقیقت اسلام کو اپنی آرزوؤں کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لیے جب موقع ملتا تو مسلمانوں کی ضرر رسانی میں بھی دریغ نہ کرتا۔ اس گروہ کا نام مسلمانوں نے منافق رکھا۔

مدینہ کی یہ حالت تھی اور اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کے لیے اس جگہ بھی بہت سی دشواریوں کا سامنا تھا۔ ایک منصف اور غور کرنے والی طبیعت فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آنا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعتِ اسلام میں جو کامیابی نبی ﷺ کو مدینہ منورہ میں بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی، اس کا ذکر قرآن نے پہلے سے بطور پیشین گوئی فرما دیا تھا۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى [الضحیٰ ۹۳:۴] پچھلا تیرے لیے پہلے سے بہتر ہو گا۔

فصل دوم

[مدینے کی اسلامی ریاست]

استحکام امن کے لیے بین الاقوامی معاہدہ، قریش کی شرارتیں، سازشیں اور حملے، یہود کی عہد شکنی، مسلمانوں کی کامیابی، منادانِ اسلام کو وعظ وانذار میں آزادی ملنا، اسلام کی وسعت، امن بسیط کا قیام

[میثاق مدینہ]

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ ان کے مذاہب بھی الگ الگ تھے۔ یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصاً بہت طاقتور تھے اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ نبیؐ نے مدینہ پہنچ کر ہجرت کے پہلے ہی سال یہ مناسب خیال فرمایا کہ جملہ اقوام سے ایک معاہدہ بین الاقوامی اصول پر کر لیا جائے تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف میں بھی قومیت کی وحدت قائم رہے۔ اور سب کو تمدن و تہذیب میں ایک دوسرے سے مدد و اعانت ملتی رہے۔

اس معاہدہ[1] کے جستہ جستہ فقرات درج کیے جاتے ہیں:

۱- ھذا کتابٌ من محمد النبی [صلی اللہ علیہ وسلم] بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم۔

یہ تحریر ہے محمد نبیؐ کی جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریشی یا یثرب کے باشندہ ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے اور کاروبار میں اُن کے ساتھ شامل ہیں۔

۱- سیرت ابن ہشام، جلد اول، ص ۱۷۸، مطبوعہ مطبع بولاق مصریہ

۲-انھم امۃ واحدۃ۔ کہ یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

۳-وان یھود بنی عوف امۃ مع المومنین۔ بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔

۴-وانّ بینھم النصر علٰی من حارب اھل ھذہ الصحیفۃ۔ اور جو کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں کے ساتھ جنگ کرے گا تو اس کے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے، مسلمان اس کی نصرت کریں گے۔

۵-وانّ بینھم النصح والنّصیحۃ والبرّ دون الاثم۔ معاہدا قوام کے باہمی تعلقات، باہمی خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے، ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔

۶-وانّ الیھود ینفقون مع المؤمنین مادامو امحاربین۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔

۷-وان بطانۃ یھودٍ کانفسھم۔ یہودیوں کی دوست دار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔

۸-وانّہ لم یاثم امرء بحلیفہ۔ کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا۔

۹-وانّ النّصر للمظلوم۔ مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔

۱۰-وان یثرب حرام جرفھا لاھل ھذہ الصحیفۃ۔ مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا اس معاہدہ کرنے والی سب قوموں پر حرام ہو گا۔

۱۱-وانّ الجار کالنفس غیر مضار ولا آثم، زنہاری بھی معاہد قوموں جیسے سمجھے جائیں گے۔

۱۲-وانہٗ ماکان بین اھل ھذہ الصحیفۃ من حدث او اشتجار یخاف فسادہٗ فان مردہ الی اللہ عزوجل والٰی محمد رسول اللہ۔ اس معاہدہ کی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول، محمد ﷺ کے متعلق سمجھا جائے گا۔

گرد و نواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع

اس معاہدہ پر مدینہ کی تمام آباد قوموں کے دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ چاہا کہ گرد و نواح کے قبیلوں کو بھی اسی معاہدہ میں شامل کر لیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔

۱-جو خانہ جنگی قبائل کے درمیان ہمیشہ جاری رہتی اور خلق خدا کے خون سے خدا کی زمین کو

رنگین کرتی رہتی ہے‘اس کاانسداد ہو جائے۔

۲-قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا‘مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں گے۔

(الف)اس مبارک اور امن بخش ارادہ سے نبی ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال ودّان تک (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) سفر فرمایا۔اور قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف کو اس معاہدہ میں شریک کر لیا۔اس عہد نامہ پر عمرو بن فحشی الضمری نے دستخط کیے تھے۔۱

(ب)اسی ارادہ سے بماہ ربیع الاول ۲ھ خدا کا نبی ﷺ رضوی کی طرف گیااور کوہ بواط کے لوگوں کو شریک معاہدہ کر لیا۔

(ج)اسی سنہ میں بماہ جمادی الاخریٰ آنحضرت ﷺ ذی العشیرہ تشریف لے گئے۔یہ مقام ینبوع اور مدینہ کے درمیان ہے اور بنو مدلج سے معاہدہ کر کے مدینہ تشریف لائے۔۲

اس مبارک ارادے کی تکمیل کے لیے اگر کافی وقت مل جاتا تو دنیا پر آشکارا ہو جاتا کہ رحمۃ للعالمین دنیا میں تلوار چلانے کو نہیں‘بلکہ صلح پھیلانے اور امن قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔۳

قریش نے مدینہ۔۔۔پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا

قریش مکہ کو ایمان والوں اور نبی ﷺ کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ ان کے وطن چھوڑ کر ۳۰۰ میل پرے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔پہلے بھی جب مسلمان حبش جا رہے تھے‘اس وقت قریش نے حبش پہنچ کر ان کے گرفتار کر لانے کی کوششیں کی تھیں مگر وہ ملک ایک بادشاہ کے ماتحت تھااور سمندر درمیان حائل تھا۔اس لیے وہاں کچھ اور زیادہ کارروائی نہ کر سکے۔اب جو مسلمان مدینہ

۱-زاد المعاد‘ص ۳۳۴‘جلد اول۔ ۲-زاد المعاد‘ص ۳۳۴‘جلد ا۔ ۳-مسیح کا قول ہے ”مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔متی‘باب ۱۰‘درس ۳۴۔

جارہے تھے تو سب نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔

مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازشیں

پہلی سازش

قریش مکہ نے پہلے تو عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقا کو جو اوس و خزرج میں سے ہنوز بت پرست تھے' لکھ بھیجا کہ تم نے ہمارے شخص کو اپنے ہاں ٹھیرا لیا ہے' اب لازم ہے کہ تم اس سے لڑو یا وہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم نے قسم کھالی ہے کہ ہم سب یکبارگی تم پر حملہ کر دیں گے۔ تمھارے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور تمھاری عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔ اس خط کے آنے پر ابن ابی اور اس کے رفقا نے نبی ﷺ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔

آنحضرت ﷺ کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے اس حملہ کرنے والے مجمع میں خود جا کر گفتگو فرمائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قریش نے تم سے ایسی چال کھیلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آ گئے تو تمھارا نقصان بہت زیادہ ہو گا بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی بات سے انکار کر دو گے۔ کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے ہی بھائیوں اور فرزندوں کو (جو مسلمان ہو چکے ہیں) قتل کرو گے۔ اگر تمھیں قریش سے لڑنا پڑا تو وہ غیروں کا مقابلہ ہو گا۔''

نبی ﷺ کی یہ تقریر ان کے ایسی دل نشین ہوئی کہ تمام مجمع منتشر ہو گیا۔[1]

دوسری سازش

اس کے بعد قریش مکہ نے اندر ہی اندر یثرب کے یہودیوں سے سازش کرنی شروع کر دی اور جب خفیہ طور پر ان کو اپنے ساتھ ملا چکے تب اپنی کامیابی پر پورا بھروسہ کر کے مسلمانوں کو کہلا بھیجا: ''تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے۔ ہم یثرب ہی پہنچ کر تمھارا استیاناس کر دیتے ہیں۔ اس پیغام کے بعد انھوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

[قریش کا پہلا حملہ]

ربیع الاول ۲ ہجری کا ذکر ہے کہ سرداران قریش میں سے ایک شخص کرز بن جابر الفہری یثرب پہنچا اور مدینہ والوں کے مویشی جو باہر میدان میں چر رہے تھے' لوٹ کر لے گیا اور صاف نکل گیا۔ گویا مدینہ والوں کو اپنی طاقت دکھا گیا کہ ہم تین سو میل کا دھاوا کر کے تمھارے گھروں

_____ ۱- سنن ابی داؤد (المتوفی شعبان ۲۷۵ھ) عن عبدالرحمٰن بن کعب باب فی خبر النفیر۔

سے تمھارے مویشی لے جا سکتے ہیں۔

[دوسرا حملہ: غزوۂ بدر]

پھر ماہ رمضان ۲ھ کا ذکر ہے کہ ابو جہل نے مکہ میں مشہور کر دیا کہ ہمارا قافلہ جو زر و مال سے مالا مال ہے اور شام سے آ رہا ہے' مسلمان اسے لوٹیں گے۔ اس شہرت سے اس کا مقصود یہ تھا کہ وہ سب لوگ جن کا مال تجارت میں لگا ہوا ہے اور وہ سب لوگ جن کے اقربا قافلے میں ہیں اور وہ سب لوگ جو مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں' بالاتفاق مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

[لشکر قریش کی پیش قدمی]

ایک ہزار جانباز بہادروں کی خونخوار فوج لے کر (جن کی سواری میں سات سو اُونٹ اور تین سو گھوڑے تھے) ابو جہل مکہ سے نکلا۔ جس قافلے کی حفاظت کا بہانہ کر کے یہ فوجی اجتماع ہوا تھا' وہ مکہ میں بخیریت پہنچ بھی گیا۔ مگر ابو جہل اس فوج کو لیے ہوئے برابر مدینہ کی جانب بڑھتا گیا۔ اب مسلمانوں کو کچھ بھی شک نہ رہا کہ قریش کی چڑھائی غریب مسلمانوں پر ہے۔

[نبی ﷺ کی مشاورت]

نبی ﷺ نے اس معاملے میں صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے قابل اطمینان جواب دیا: بارِ ثانی مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے قابل اطمینان جواب دیا۔ بارِ ثالث مشورہ فرمایا۔ اب انصار سمجھے کہ آنحضور ﷺ ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔ سعد بن معاذ نے عرض کیا: شاید حضور ﷺ نے سمجھا ہے کہ انصار اپنے شہر سے باہر نکل کر حضور ﷺ کی اعانت کرنا اپنا فرض نہیں سمجھتے ہیں۔ انصار کی طرف سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ہم تو ہر حالت میں حضور ﷺ کے ساتھ ہیں' کسی سے معاہدہ فرمایئے' کسی سے معاہدہ کو نامنظور کیجیے' ہمارے زر و مال سے جس قدر منشا مبارک ہو' لیجیے' ہم کو جو مرضی مبارک ہو' عطا کیجیے' مال کا جو حصہ ہم سے حضور ﷺ لے لیں گے' ہمیں وہ زیادہ پسند ہو گا' اس مال سے جو حضور ﷺ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے۔ ہم کو جو حکم حضور ﷺ دیں گے' ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اگر حضور ﷺ عمران کے چشمے تک چلیں گے تو ہم ساتھ دیں گے۔ اگر حضور ﷺ ہم کو سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو حضور ﷺ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے"۔ مقداد نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! ہم وہ نہیں کہ قوم موسیٰؑ کی طرح فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ کہہ دیں کہ ہم تو حضور ﷺ کے [دائیں] بائیں' آگے پیچھے'

قتال کے لیے حاضر ہیں۔[1] مسلمان پہلے سے کچھ تیار نہ تھے۔ انصار و مہاجر مل کر ۳۱۳ ایسے نکلے جو میدان میں جا سکیں۔

حکم جہاد کی ضرورت

اب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی کیونکہ اسلام کو جنگ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے، جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا کے لیے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو، جس مذہب کے پیرو ایمان داروں کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو وہ کیوں جنگ کرتے؟ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے چپ چاپ گھروں کو، املاک کو مکہ میں چھوڑ دیا اور حبش یا مدینہ چلے گئے تھے۔ لیکن اب ایسی صورت آپڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ رہ گیا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ بکریوں کی طرح ذبح ہو جاتے اور سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ توحید کی منادی کرنے والا دنیا پر کوئی نہ رہ جاتا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنے پونے تین سال کے وعظ کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں، لتوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں (لوقا ۲۲:۳۶) اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر ان کو بھی ۱۴ سال تک صبر کرنے اور ظلم و ستم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنوں کی مدافعت کا حکم دے دیا۔ یہ وہ پہلا حکم ہے، جس کی رو سے مسلمانوں کو اجازت ملی ہے، اس لیے اصل مع ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

اجازت جہاد کا پہلا حکم

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

(الحج ۲۲:۳۹-۴۰) جنگ [کیے جانے] والوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور خدا ان کی مدد پر بے شک قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن سے بلاوجہ صرف اس لیے نکالے گئے کہ انھوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے اور اگر بعض لوگوں (حملہ آوروں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) سے اللہ پاک دفع نہ کراتا، تب ضرور عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے معابد اور ترسا کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اسمِ الٰہی کا ذکر کثیر ہوتا ہے گرا دی جاتیں۔

۱- زاد المعاد، ص ۳۳۷ ترجمہ آیت یہ ہے: ''جا تو اور تیرا خدا دونوں لڑو، ہم تو یہاں ٹھیرے ہوئے ہیں۔

[حکم جہاد کی وجوہات]

قارئین! اس حکم میں مفصل طور پر وہ وجوہات درج ہیں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملنے کا باعث ہوئیں اور اس حکم میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جنگ جارحانہ ہے یا مدافعانہ۔

پہلی وجہ: مدافعت کرنے والوں کا مظلوم اور حملہ آوروں کا ظالم ہونا ہے اور وہ یہ وجہ ہے' جسے آج کل کا مروجہ قانون تعزیرات ہند بھی 'حفاظت خود اختیاری' کے نام سے جائز ٹھیراتا ہے۔

دوسری وجہ: ان کا گھر بار سے نکالا جانا' املاک سے بے دخل کیا جانا اور وہ بھی صرف اختلاف عقیدہ کی بنیاد پر۔

آشتی پسند ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے جو پیغام حکومت پنجاہ سالہ ہند کے جشن پر اپنی رعایا کو دیا تھا' اس میں نہایت فخریہ لہجہ سے (اور اس امر پر فخر کرنا بالکل صحیح اور مناسب تھا) یہ بھی درج کیا تھا کہ ''اس پچاس برس کے عرصہ میں کسی شخص کو بھی محض اختلاف عقیدہ کی وجہ سے اذیت نہیں دی گئی''، لیکن یہ مظلوم مسلمان سب کے سب وہی تھے جن کو ہر قسم کی ایذائیں اور جلاوطنی کی سزا محض توحید کی وجہ سے دی گئی تھی۔

تیسری وجہ: ایسی عام ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف انھی کے ذاتی' قومی' مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی' بلکہ اس لیے بھی کہ مسلمانوں نے جو معاہدات یہودیوں' عیسائیوں اور دیگر مختلف اقوام کے ساتھ ابھی حال میں کیے تھے اور جس فراخ دلی سے ہر ایک مذہب کے لیے مذہبی آزادی عطا کی تھی' اب اگر اس معاہدہ کی حفاظت میں مسلمان اپنی جانوں کو نہ لڑادیں گے تو سب مذہبوں کی آزادی ملیامیٹ ہو جائے گی اور سب کے مندر' سب کے گرجے تہ خاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب کوئی قوم معاہدہ کی حفاظت کرنے والی ہی نہ رہے تو معاہدہ پر عمل کیوں کر ہو سکتا ہے؟

ان سب ضروری وجوہات نے مسلمانوں کے لیے ضروری ٹھہرا دیا کہ وہ باوجود بے سرو

سامان ہونے اور باوجود قلیل التعداد ہونے کے بھی ان حملہ آوروں کو مدینہ سے دُور ہی روکیں۔[1]

رمضان ۲ھ میں خدا کا نبی ﷺ اپنے ساتھ مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے چلا۔ اس لشکر کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام لشکر میں دو گھوڑے اور ساٹھ اونٹ تھے۔ یہ عجیب اتفاق دیکھو کہ اہل بدر کی تعداد بھی لشکر طالوت کے برابر تھی۔ جب کہ وہ جالوت کے مقابلہ کو نکلا تھا۔[2] جب بدر پہنچے تو دیکھا کہ دشمن کا لشکر جو تعداد میں ان سے سہ چند اور سامان میں ہزار چند زیادہ ہے، اترا ہوا ہے۔ جنگ سے ایک روز پہلے نبی ﷺ نے میدان جنگ کا ملاحظہ کیا اور بتایا کہ کل ان شاء اللہ تعالیٰ فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں فلاں اس جگہ قتل ہوں گے۔ ۱۷ رمضان کو بروز جمعہ جنگ ہوئی۔ جنگ سے پہلے نبی ﷺ نے نہایت تضرع سے خدا کے حضور میں دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر یہ مسلمان مارے گئے تو دنیا پر توحید کی منادی کرنے والا کوئی بھی نہ رہ جائے گا۔ مسلمانوں نے بھی دعائیں کیں۔ نصرت الٰہی سے مکہ والوں کو شکست ہوئی۔ ان کے ستر مشہور آدمی اسیر اور ستر بہادر مارے گئے۔ ابوجہل بھی اسی جگہ مارا گیا۔ یہ ہی سب کو چڑھا کر لایا تھا۔ وہ چودہ سردار جو دارالندوہ میں آنحضرت ﷺ کے قتل کے مشورہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے گیارہ مارے گئے۔ تین جو بچ رہے تھے، انھوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا تھا۔[3]

(الف) اس زمانے کا قانون جنگ (ب) مظلوم مسلمانوں کا جوش انتقام (ج) دیگر قبائل پر جنگی

۱- اس طرح کے جھگڑے کئی سال تک مسلمانوں کو پریشان کرتے رہے۔ تلوار ہمیشہ ان کے خلاف اُٹھائی گئی اور اسلام کو تلوار کے زور سے نیست و نابود کرنے کی کوششیں برابر کی گئیں، لیکن اسلام ہمیشہ پھیلتا گیا، اس کتاب مشہور میں غزوات کا ذکر مختصر لفظوں میں کیا جائے گا۔ ۲- مہاجر زائد از ۶۶، انصار زائد از ۴۰۔ ۳- بخاری، عن براء، کتاب المغازی۔ [بخاری میں مختلف مقامات پر ان سردارانِ قریش کے غزوۂ بدر میں قتل کا ذکر تو ملتا ہے، مگر کسی ایک جگہ اکٹھا یہ ذکر نہیں ملتا کہ دارالندوۃ کے شرکا میں کچھ قتل ہوئے اور جو باقی رہے وہ مسلمان ہوئے۔ (مدوّن)]

رعب قائم کرنے کی ضرورت اس امر کی مقتضی تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا۔ مگر خدائے رحیم کے نبی الرحمت نے تاوان لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ پڑھے لکھے اسیروں کا تاوان آنحضرت ﷺ نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ اس واقعہ سے اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو یسعیاہ نبی کی کتاب ۱۷-۱۶:۲۱ میں ان الفاظ سے درج ہے: فی مدۃ سنۃ کسنۃ الاجیر۔ یفنی کل مجد قیدار۔ وبقیۃ عدد قسی ابطال بنی قیدار تقلّ۔ (ترجمہ) ایک سال میں جو مزدور کے برس جیسا ہوگا' قیدار کی سب حشمت جاتی رہے گی اور بہادرانِ بنو قیدار کے کمان اندازوں کی تعداد گھٹ جائے گی۔[1]

اور اس پیش گوئی کا بھی ظہور ہوا جو قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس جنگ کی اجازت کا حکم دیتے ہوئے فرمائی گئی تھی۔ جو یہ ہے: ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر۔ ''خدا کو ان مظلوموں کی نصرت پر قدرت ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں اس جنگ کا نام یوم الفرقان ہے۔ کیونکہ اہل کتاب اور اہل اسلام کو ان پیش گوئیوں کی وجہ سے اسلام کی صداقت پر ایک عمدہ دلیل مل گئی تھی۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے: ولقد نصرکم اللہ ببدرٍ وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون۔[2] (آل عمران ۱۲۳:۳)

قریش کی تیسری سازش اور عمیر بن وہب کا اسلام لانا

جنگ بدر سے چند روز بعد کا ذکر ہے کہ صفوان بن امیہ جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا اور عمیر بن وہب' جس کا بیٹا ہنوز مسلمانوں کے ہاتھ میں اسیر تھا' مکہ سے باہر سنسان جگہ میں جمع ہوئے اور نبی ﷺ کے خلاف باتیں کرنے لگے۔

عمیر بولا: ''اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور اگر مجھے اپنے کنبہ کے بے کس رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں خود مدینہ جاتا اور محمد ﷺ کو قتل ہی کر کے آتا''۔

صفوان بولا: ''تیرا قرض میں چکا دوں گا اور تیرے کنبے کا خرچ جب تک میں زندہ رہوں' میرے ذمہ ہوگا''۔

عمیر بولا: ''بہتر ہے یہ راز کسی پر نہ کھلے''۔ پھر عمیر نے اپنی تلوار کی دھار کو تیز کرایا اور زہر میں اسے

۱- [خداوند نے مجھ سے یوں فرمایا کہ مزدور کے برسوں کے مطابق ایک برس کے اندر اندر قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازی کی تعداد کا بقیہ یعنی بن قیدار کے بہادر تھوڑے سے ہوں گے، کیوں کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے۔ (پرانا عہد نامہ، یسعیاہ ۲۱:۱۶-۱۷، بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۹۰ء)] ۲- خدا نے بدر میں تمھاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے۔ اب اللہ کے تقویٰ کو اختیار کرو تاکہ اس کے شکر گزار بنو۔

بجھوایااور مکہ سے روانہ ہو گیا۔

عمیر مدینہ پہنچ کر مسجد نبویؐ کے سامنے اپنااُونٹ بٹھا رہا تھا کہ اُونٹ بول پڑا: عمر فاروقؓ نے اسے دیکھااور پہچانااور دل میں سمجھ گئے کہ یہ شیطان ضرور مفسد ارادہ سے آیاہے۔اس لیے آگے بڑھ کر نبی ﷺ سے عرض کی کہ عمیر بن وہب مسلح چلا آرہاہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے میرے پاس آنے دو۔ عمر فاروقؓ نے اس کی تلوار کے قبضہ پر قبضہ کر لیا' اس کی گردن پکڑ کر نبی ﷺ کے سامنے لے گئے۔

نبی ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا: ''عمرؓ! اسے چھوڑ دو۔ عمیر! تم میرے پاس آجاؤ۔'' عمیر نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''کہو کس طرح آئے؟'' کہا: ''اپنے بیٹے کی خبر لینے آیاہوں۔'' نبی ﷺ نے پوچھا: ''یہ تلوار کیسی ہے؟'' عمیر بولا: ''یہ کیا تلوار ہے اور ہماری تلواروں نے آپ کا پہلے بھی کیا کر لیاہے؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ سچ بتاؤ۔'' عمیر نے پھر اسی جواب کو دُہرایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو' تو اور صفوان مکہ سے باہر سنسان پہاڑ میں گئے تھے۔ صفوان نے تیرا قرض اور تیرے کنبے کا خرچ اپنے اُوپر لے لیاہے اور تو نے میرے قتل کا وعدہ کیاہے اور اسی ارادہ سے تو یہاں آیاہے۔ عمیر تو یہ نہ سمجھا کہ میرا محافظ خداہے۔''

عمیر یہ سن کر حیران ہو گیا۔ بولا: ''اب میرا دل مان گیا کہ آپ ضرور اللہ کے نبی اور رسول ﷺ ہیں۔ یہ بالکل آسان تھا کہ سماوی خبروں اور وحی کی بابت ہم آپ کو جھٹلاتے رہے لیکن اب میں اس راز کی بابت کیا کہہ سکتاہوں جس کی خبر میرے اور صفوان کے سوا تیسرے کو نہیں۔ خدا کا شکر ہے جس نے میرے اسلام کا یہ بہانہ بنا دیا۔'' نبی ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ''اپنے بھائی کو دین سکھاؤ' قرآن یاد کراؤ اور اس کے فرزند کو آزاد کر دو۔'' عمیرؓ نے عرض کیا: ''اے رسولؐ خدا! مجھے اجازت دیجیے کہ میں مکہ ہی واپس جاؤں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دوں۔ میرے دل میں آتاہے کہ اب میں بت پرستوں کو اسی طرح ستایا کروں جس طرح پہلے مسلمانوں کو ستاتا رہاہوں۔''

عمیرؓ کے مدینہ جانے کے بعد صفوان کا یہ حال تھا کہ سردارانِ قریش سے کہا کرتا تھا: ''دیکھو! چند روز میں کیا گل کھلنے والاہے کہ تم بدر کا صدمہ بھول جاؤ گے۔''

جب صفوان کو خبر لگی کہ عمیرؓ مسلمان ہو گیا تو اسے سخت صدمہ ہوا۔ اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک زندہ رہوں گا، عمیرؓ سے بات نہ کروں گا، نہ اسے کوئی فائدہ پہنچنے دوں گا۔[1] عمیرؓ مکہ میں آیا۔ وہ اسلام کی منادی کیا کرتا تھا اور اکثر لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

تیسرا حملہ: غزوۃ السویق یا قرقرۃ الکدر

بدر میں شکست پانے کے بعد ابوسفیان نے نہانے دھونے سے قسم کھالی تھی جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لیا جائے۔ چنانچہ وہ دو سو سواروں کو لے کر مکہ سے نکلا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو رسالہ کو باہر چھوڑ کر خود تاریکیِ شب میں مدینہ کے اندر آیا۔ سلام بن مشکم یہودی سے ملا۔ رات بھر بادہ خواری ہوتی رہی۔ غالباً دونوں کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ مقابلہ کا وقت نہیں اس لیے ابوسفیان آخر شب وہاں سے نکلا۔ مسلمانوں کے پھل دار درختوں، کھجوروں کو آگ لگا کر، نیز ایک مسلمان اور اس کے حلیف کو قتل کر کے واپس چلا گیا۔ خبر ملنے کے بعد قرقرۃ الکدر تک تعاقب ہوا۔ اس لیے اس کا نام غزوۃ قرقرۃ الکدر کہا جاتا ہے۔ ابوسفیان کا رسالہ ستّو کی تھیلیاں گراتا گیا جسے مسلمانوں نے اٹھالیا تھا۔ اس لیے اس کا نام غزوۃ السویق بھی ہوا۔

چوتھا حملہ: غزوۂ اُحد

(۷ شوال یوم السبت ۳ھ) قریش مکہ اگلے سال پھر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس دفعہ انھوں نے ملک سے عام چندہ جمع کیا تھا۔ ابوعزہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر بنو کنانہ کو قریش کی مدد پر آمادہ کر دیا تھا۔ تجارت شام کا پچاس ہزار مثقال سونا، ایک ہزار اُونٹ جو ابھی تقسیم نہ ہوئے تھے، چندہ میں شامل کر دیے تھے۔ الغرض پانچ ہزار[2] بہادروں کا لشکر، جس میں تین ہزار شتر سوار، دو سو اسپ سوار اور سات

---

[1] ۸ھ کے بعد یہ صفوان خود بھی، جو نبی ﷺ کا سخت دشمن تھا اور مکہ کا مشہور سردار تھا، مسلمان ہو گیا۔ (طبری [ج ۲، ص ۴۵، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۰۷ھ۔ یہ واقعہ المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۷، ص ۵۶، طبع مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل ۱۹۸۳ء میں بھی پوری تفصیل سے موجود ہے۔] ۲- ناسخ التواریخ، دیگر کتب میں تین ہزار تعداد درج ہے۔

سوزرہ پوش پیادہ تھے' مدینہ تک بڑھا چلا گیا۔ نبی ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے۔ مگر کثرت رائے پر فیصلہ ہوا اور مسلمانوں نے اُحد کے سرخ پہاڑ تک جو مدینہ سے تین کوس پر ہو گا' باہر نکل کر مقابلہ کیا۔

اسلامی لشکر میں ایک ہزار مرد تھے۔ عین وقت پر عبداللہ بن ابی بن سلول نے دغا دیا اور اپنے ۳۰۰ شخصوں کو راہ ہی سے پھیر کر لے گیا۔ اس لیے ۷۰۰ مسلمانوں پر پانچ ہزار حملہ آوروں کی مدافعت کا (جو انتقام اور غصہ کے جوش میں بھرے ہوئے تھے) بار تھا۔ مسلمانوں نے ابتدا میں دشمن کو شکست دے دی تھی اور ان کے ۱۲ مشہور علم بردار (جن میں ۸ علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ سے مقتول ہوئے) مارے جا چکے تھے۔ لیکن مسلمان تیر اندازوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا جہاں انھیں نبی ﷺ نے قائم فرما دیا تھا۔ چالاک دشمن نے موقع تاڑ لیا اور چکر کاٹ کر' عقب سے ہو کر مسلمانوں کو دو طرف سے بیچ میں لے لیا۔ مسلمانوں کا اس وقت سخت نقصان ہوا اور لشکر کا بڑا حصہ تتر بتر ہو گیا۔ نبی ﷺ کے پاس صرف ۱۲ صحابی ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، سعدؓ بن [ابی] وقاص، طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیرؓ بن عوام' ابو عبیدہؓ بن جراح وغیرہ تھے۔ دشمنوں نے خدا کے نبی ﷺ پر پتھر پھینکے۔ ابن قمیہ کے پتھر سے نبی ﷺ کی پیشانی' ابن ہشام کے پتھر سے نبی ﷺ کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے نبی اللہ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ نبی ﷺ پھر ایک غار میں گر گئے تھے۔ خبر اڑ گئی کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔

میدانِ جنگ میں فاطمہ اور عائشہؓ کی خدمات

مدینہ سے محترم خواتین دوڑی دوڑی آئیں۔ یہاں آ کر فاطمہ بتولؓ نے باپ کے زخموں کو دھویا' پیشانی کا خون تھمتا نہ تھا۔ اس میں چٹائی جلا کر بھری۔ علیؓ مرتضیٰ اس وقت ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے۔ عائشہ صدیقہؓ اور اُم سلیمؓ نے مشکیزے اٹھائے اور زخمیوں کو پانی لا لا کر پلاتی تھیں۔۲ میدانِ جنگ میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے تھے۔۳

۱- بخاری عن براء بن عازب باب ''الرسول یدعوکم'' کتاب التفسیر۔ [اس مقام پر بارہ آدمیوں کا ذکر ہے، مگر ان کے نام مذکور نہیں۔ یہ تفصیل تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے۔] ۲- مسلم عن انسؓ ص ۱۹۵۳ [کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء] ۳- بخاری عن سہل بن سعد۔ [کتاب المغازی، باب غزوۃ احد ۳۸۱۷]

عورت کے دل میں شوہر کا درجہ

جنگ کے نقصانات میں سے بڑا بھاری نقصان یہ تھا کہ مصعب بن عمیرؓ جو مدینہ میں بطور معلّم اسلام آئے تھے اور جن کے وعظ سے اوس و خزرج کے قبیلے مسلمان ہوئے تھے، شہید ہوئے۔[1] ان کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش تھا۔ اسی روز اس کا بھائی اور ماموں بھی شہید ہوئے تھے۔ پہلے اسے بھائی کی شہادت کی خبر ملی اس نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا اور بھائی کے حق میں دعا کی۔ پھر اسے بتایا کہ تیرا شوہر بھی شہید ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے بے اختیار چیخ ماری۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو، اس کے دل میں شوہر کی کس قدر محبت تھی۔[2]

مائی صفیہؓ کا استقلال

اسی جنگ میں نبی ﷺ کے چچا حمزہؓ (اسد اللہ و رسولہ) بھی شہید ہوئے۔ دشمنوں نے ان کے اعضا کاٹ کر ان کی لاش کو بھی بے حرمت کیا تھا۔ جنگ کے بعد صفیہ مادر زبیر اپنے بھائی حمزہ کی لاش کو دیکھنے آئی۔ زبیرؓ نے ماں کو دُور ہی سے روکا۔ صفیہؓ نے کہا: ''مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی اور بے حرمت کی گئی ہے۔ لیکن یہ تو ہمارے لیے فخر کا مقام ہے۔ بیٹا! میں نہ روؤں گی نہ چلاؤں گی۔ صرف دعا پڑھ کر لوٹ جاؤں گی۔[3]

انس بن نضرؓ کا جوش و جان نثاری

اسی جنگ میں انس بن نضرؓ نے جامِ شہادت پیا تھا۔ اس بہادر نے چند بہادر مسلمانوں کو دیکھا کہ ہتھیار پھینک دیے ہیں اور مغموم بیٹھے ہیں۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ انسؓ نے نہایت جوش سے کہا: موتوا علٰی مامات رسول اللہ! ''آؤ، جہاں رسولؐ نے جان دی ہے، ہم بھی اسی کام میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیں، اب زندہ رہ کر کیا کریں گے''۔ یہ جانثار اسی جوش میں حملہ کرتے ہوئے ۷۰ زخم جسم پر کھانے کے بعد شہید ہو گیا۔[4]

۱- حضرت مصعبؓ پر ایک دھاری دار چادر کا کفن ڈالا گیا۔ پاؤں برہنہ رہے، ان پر گھاس رکھی گئی (بخاری عن خبابؓ [کتاب المغازی، باب غزوۃ احد، حدیث ۳۸۲۱)۔ ۲- تاریخ طبری۔ [ج ۲، ص ۷۴، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ] ۳- ایضاً۔ [ج ۲، ص ۷۲، ایضاً] ۴- ایضاً۔ [ج ۲، ص ۶۶، ایضاً]

سعد بن ربیعؓ کا مسلمانوں کو پیغام

اسی جنگ میں سعد بن ربیع شہید ہوئے تھے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد نبی ﷺ نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ ایک نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں۔ پوچھا' کیا حال ہے؟ سعدؓ نے کہا: تم مجھے اب مردہ ہی سمجھو۔ لیکن مہربانی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور میری طرف سے یہ بھی گزارش کرنا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے' جو کسی نبی کو کسی اُمت کی ہدایت پر نہ دی گئی ہو۔ قوم کو میری طرف سے یہ کہہ دینا کہ جب تک ایک جھپکنے والی آنکھ بھی تم میں سے باقی رہے۔ اس وقت تک اگر دشمن نبی ﷺ تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔[1] ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ابو بکرؓ سے ملنے گیا۔ ان کی چھاتی پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی تھی جسے وہ بار بار چومتے اور پیار کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ سعد بن ربیع کی لڑکی ہے وہ مجھ سے بھی برتر تھا اور قیامت کے دن وہ نقیبان محمدیؐ میں شمار کیا جائے گا۔[2]

عمارہؓ بن زیاد نے کس مزے سے جان دی!!

اسی جنگ میں عمارہ بن زیاد شہید ہوئے تھے جنھوں نے جان دیتے ہوئے اپنے رُخسار نبی ﷺ کے تلووں سے لگا دیے تھے۔[3] اس تاریخی واقعہ کو اس شعر میں خوب ادا کیا گیا ہے۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے

یہ نصیب' اللہ اکبر' لوٹنے کی جائے ہے!

ابو دجانہؓ، حنظلہؓ، علیؓ مرتضیٰ، طلحہؓ کی شجاعت و مردانگی

ابو دجانہؓ، حنظلہؓ (غسیل الملائکہ)، طلحہؓ، علیؓ مرتضیٰ کی بے نظیر شجاعت' کمال استقامت اور جان نثاری کے بھی نہایت شاندار واقعات اس جنگ میں ظاہر ہوئے۔ طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا اور آنحضرت ﷺ کی جانب آنے والے تیر ہاتھ پر روکے۔ یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا تھا۔

۱- ایضاً۔ [ج ۲، ص ۷۲، ایضاً] ۲- ایضاً۔ [یہ روایت تاریخ طبری میں نہیں ملی۔] ۳- زاد المعاد' طبری۔ [طبری، ج ۲، ص ۶۶، زاد المعاد میں یہ بات نہیں ملی۔]

بنو دینار کی عورت کی قوت ایمانی کا کمال

بنو دینار کی ایک عورت تھی، جس کا باپ، بھائی اور شوہر اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ وہ کہتی تھی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بابت بتاؤ۔ لوگوں نے کہا: وہ بفضل خدا صحیح وسالم ہیں، کہا۔ مجھے دکھادو، جب دُور سے چہرہ مبارک دیکھ لیا تو بے اختیار کہہ اٹھی:

کل مصیبۃ بعدک جلل۔[1] اب ہر ایک مصیبت برداشت ہو سکتی ہے۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی درگذر، معافی اور ظالموں کے لیے دُعا

اسی جنگ میں بعض صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے (جبکہ حضور ﷺ کو بھی کئی زخم آئے تھے) عرض کیا: کاش آپ ان مشرکین پر بددعا فرمائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰکِنْ بُعِثْتُ دَاعِیًا وَرَحْمَۃً[2] اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ۔[3] میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا۔ مجھے تو خدا کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنایا گیا ہے۔ اے خدا، میری قوم کو ہدایت فرما کیونکہ وہ (مجھے) نہیں جانتے۔

چوتھی سازش: دس واعظانِ اسلام کی شہادت

جنگ اُحد کے بعد دشمنوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور پامال کرنے کی مختلف تدابیر پر عمل کیا۔ چنانچہ ۴ھ میں قریش نے قوم عضلؔ اور قارہؔ کے سات افراد کو گانٹھ کر مدینہ میں نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے اسلام لانے کو تیار ہیں، ہمارے ساتھ معلم کر دیجیے۔ رسولؐ اللہ نے دس بزرگ[4] صحابہؓ کو جن کے سردار عاصم بن ثابت[5] تھے، ان کے ساتھ کر دیا۔ جب یہ صحابہؓ ان کی زد میں پہنچ گئے تو ان کے دو سو جوان آئے کہ انھیں زندہ گرفتار کر لیں۔ آٹھ صحابی مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور دو بزرگوار خبیبؓ بن عدی و زیدؓ بن دِثنہ گرفتار کر لیے گئے

۱- تاریخ طبری۔ [ج ۲، ص ۷۴] ۲- صحیح مسلم عن ابی ہریرہ [کتاب البر والصلۃ، حدیث ۶۶۱۳] ۳- الشفا قاضی عیاض (المتوفی جمعہ ۵۴۴ھ) مطبع صدیقی، بریلی ۱۲۸۲، ص ۴۷۔ ۴- ابن ہشام میں چھ اور صحیح بخاری میں دس ہیں۔ [بخاری، کتاب الجہاد، باب ۱۷۰، حدیث ۳۰۴۵] ۵- یہ عاصم بن ثابتؓ، عمر فاروقؓ کے نانا تھے۔ [ایضاً]

جنھیں سفیان ہذلی مکہ میں لے گیا اور قریش کے پاس فروخت کر آیا۔

خبیبؓ و زیدؓ [قریش کی] قید میں

قریش نے انھیں حارث بن عامر کے گھر میں چند روز بھوکا پیاسا قید رکھا' ایک دن حارث کا بچہ تیز چھری سے کھیلتا ہوا خبیبؓ کے پاس پہنچ گیا۔ انھوں نے بچے کو زانو پر بٹھایا اور چھری لے کر رکھ دی۔ جب بچے کی ماں نے یکایک دیکھا کہ اس کا بچہ چھری لے کر قیدی کے پاس چلا گیا ہے' جسے چند روز سے انھوں نے بے آب و دانہ رکھا تھا تو اس نے بے اختیار چیخ ماری۔ خبیبؓ نے کہا: یہ سمجھتی ہے کہ میں بچے کو قتل کر دوں گا۔ نہیں جانتی' کہ مسلمانوں کا کام غدر کرنا نہیں؟ ظالم قریش والوں نے چند روز کے بعد خبیبؓ کو صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کر دیا' اور کہا: ''اگر اسلام چھوڑ دو تو تمھاری جان بخشی ہو سکتی ہے''۔ دونوں بزرگواروں نے جواب دیا کہ ''جب اسلام باقی نہ رہا تو جان کو رکھ کر کیا کریں گے''۔

اب قریش نے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بیان کرو۔ خبیبؓ نے کہا۔ دو رکعت نماز پڑھ لینے کی ہمیں مہلت دی جائے۔ مہلت دی گئی۔ انھوں نے نماز ادا کی۔ حضرت خبیبؓ نے کہا۔ میں نماز میں زیادہ وقت صرف کرتا لیکن سوچا کہ دشمن یہ نہ کہیں کہ موت سے ڈر گیا ہے۔[1] بے رحموں نے دونوں کو صلیب پر لٹکا دیا اور نیزہ والوں سے کہا کہ نیزہ کی اَنی سے ان کے جسموں کے ایک ایک حصہ پر چرکے لگائیں۔

اللہ اکبر! ان کا دل اسلام پر کتنا قائم تھا۔ ان کو دین حق پر کتنی استقامت تھی۔ ان کو ہمیشہ کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا کتنا یقین تھا کہ ان تمام تکلیفوں اور اذیتوں کو برداشت کرتے ہوئے ذرا اُف تک نہ کی۔

جان اور محبت رسولؐ کا موازنہ

ایک سنگ دل کافر نے حضرت خبیبؓ کے جگر کو چھیدا اور پوچھا: کہو' اب تو تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد ﷺ پھنس جائے اور میں چھوٹ جاؤں۔ خبیبؓ نے پورے جوش ایمانی سے جواب دیا: ''خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لیے نبی ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی لگے۔[2]

۱- بخاری عن عبداللہ بن عیاض۔ [ایضاً] ۲- طبری و ابن ہشام' جلد ۲، ص ۱۲۳۔

خدا کے اس بر گزیدہ بندے فتی الفتیان (جوانمرد ترین جوانمرداں) نے مقتل اور تماشائیوں کے ہجوم میں صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر فی البدیہہ جو اشعار کہے ہیں' ان سے اس کی پوری کیفیت اور اس بزرگوار کی صداقت و محبت اسلام کی پاکیزہ تصویر نظر آتی ہے:

لقد جمعوا الاحزاب حولی والبّوا انبوہ در انبوہ لوگ میرے گرداگرد کھڑے ہو رہے ہیں

قبائلھم واستجمعوا کل مجمعٍ اور انھوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے۔

وکلھم مبدی العداوۃ جاھد یہ سب کے سب عداوت نکال رہے ہیں اور میرے

علیّ لانی فی وثاق بمضیعٍ! خلاف جوش دکھا رہے ہیں اور میں اس ہلاکت گاہ میں

وقد جمعوا ابناءھم ونساءھم بندھا ہوا ہوں۔ قبیلوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی

وقربت من جزع طویل ممنعٍ بلا رکھا ہے اور مجھے ایک مضبوط بند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں'

وقد خیرونی الکفر والموت دونہ انھوں نے کہہ دیا ہے کہ کفر اختیار کرنے سے مجھے آزادی

وقد ھملت عیناہ من غیر مجزعٍ مل سکتی ہے مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت سہل ہے۔

میری آنکھوں سے آنسو لگاتار جاری ہیں مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔

فلست بمبدٍ للعدوّ تخشُّعًا میں دشمن کے سامنے نہ عاجزی کروں گا اور نہ روؤں

ولا جزعًا انی الی اللّٰہ مرجعی اور چلاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

وما لی حذار الموت انی لمیت موت سے مجھے اس لیے ڈر نہیں کہ میں مر جاؤں گا۔

ولکن حذاری حجم نارٍ ملقعٍ لیکن میں تو لپٹ والی آگ کے خون چوسنے سے ڈرتا ہوں۔

فذو العرش صبرنی علی ما یرادبی اس عرش عظیم کے مالک نے مجھ سے کوئی خدمت لینی چاہی

_____ ۱-از سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۲۳۔ صحیحین میں صرف اشعار نمبر ۹ و نمبر ۱۰، مروی ہیں۔ [بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ۱۶۷، حدیث ۲۸۸۰] برادرانِ اسلام کو استقامت اور صداقت کا یہ نمونہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ شعر نمبر ۶ سے تواضع وانکسار اور جلال ربانی کے سامنے اپنی حیثیت و نیاز کا سبق لینا چاہیے، زاد المعاد میں دوسرا اور پانچواں شعر نہیں ہے۔ حاشیہ پر 'ن' کی علامت سے [جو] الفاظ درج کیے گئے ہیں، یہ زاد المعاد، ص ۳۵۱، جلد ا سے لیے گئے ہیں۔ [اس مقام پر پیش نظر نسخے میں شعر کے جو الفاظ درج ہیں وہ یہ ہیں: وقد ھملت عیناي من غیر مجزع۔ چنانچہ ہملت کی جگہ حاشیے پر درخت کے الفاظ درج ہیں، جو کاتب کی غلطی ہے۔ زاد المعاد میں یہ لفظ ذرفت ہے۔ مجزع کی جگہ حاشیے میں مدمع کا لفظ لکھا ہے مگر زاد المعاد میں مجزع ہی ہے۔ البتہ الوافی فی الوفیات میں مدمع بھی موجود ہے۔ دیکھیے ج ا، ص ۱۸۵۷۔ (مدوّن)]

فقد بضعوا لحمی وقد یاس مطمعی اور مجھے شکیبائی کے لیے فرمایا ہے۔ اب انھوں نے

زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ دیا ہے اور میری اُمید جاتی رہی ہے۔

الی اللّٰہ اشکو غربتی ثم کربتی میں اپنی درماندگی اور بے وطنی و بے کسی کی فریاد اور ان ارادوں کی

وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی (جو میرے جان توڑنے کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں) خدا سے

فواللّٰہ ما ارجو إذا متُّ مسلمًا کرتا ہوں۔ بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو میں یہ

الی ای جنب کان فی اللّٰہ مصرعی پروا نہیں کرتا کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیونکر جان دیتا ہوں۔

وذٰلك فی ذات الالٰہ وان یشاء خدا کی ذات سے اگر وہ چاہے یہ بالکل امید ہے کہ وہ

یبارك علی اوصال شلو ممزع پارہ ہائے گوشت کے ہر ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے!''

سب سے آخر میں یہ دعا تھی:

اللّٰھم بلّغنا رسالۃ رسولك فبلّغہ ما یصنع بنا۔ اے خدا! ہم نے تیرے رسول کے احکام ان لوگوں کو پہنچا دیے۔ اب تو اپنے رسولؐ کو ہمارے حال کی اور ان کی کرتوتوں کی خبر فرما دے۔

سعید بن عامرؓ (جو حضرت عمر فاروقؓ کے عمال میں سے تھے) کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی یکبارگی بے ہوش ہو جایا کرتے۔ عمر فاروقؓ نے ان سے وجہ پوچھی۔ وہ بولے: مجھے نہ کوئی مرض ہے نہ کچھ شکایت ہے۔ جب خبیبؓ کو صلیب پر چڑھایا گیا، تو میں اس مجمع میں موجود تھا۔ مجھے جس وقت خبیبؓ کی باتیں یاد آجاتی ہیں، میں کانپ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔[1]

پانچویں سازش: ستر معلمین اسلام کی شہادت

ابو براء عامر نے بھی ایسا ہی فریب کیا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ملک نجد کی تعلیم و ہدایت کے لیے کچھ منادی کرنے والے میرے ساتھ بھیج دیجیے۔ اس کا بھتیجا نجد کا رئیس تھا۔ عامر نے یقین دلایا تھا کہ منادی کرنے والوں کی حفاظت کی جائے گی۔ نبی ﷺ نے منذر بن عمرو انصاری کو مع ستر صحابہ ۳۲ کے جو قرا و فضلا و منتخب بزرگوار تھے، اس کے

ساتھ کر دیا۔ جب وہ بئر معونہ پر جا پہنچے، جو بنی عامر کا علاقہ تھا تو وہاں سے حرام بن ملحان کو نامۂ نبوی دے کر طفیل حاکم کے پاس بھیجا گیا۔ اس نے اس سفیر کو قتل کرا دیا۔ جبار بن سلمیٰ ایک شخص تھا، جس نے حاکم کے اشارے سے ان کی پشت میں نیزہ مارا تھا جو چھاتی سے صاف نکل گیا۔ انھوں نے گرتے ہوئے کہا: فزتُ وربّ الکعبۃ۔ قسم ہے کعبہ کے خدا کی، میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ قاتل پر اس فقرہ نے ایسا اثر کیا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گیا۔ حاکم نے باقی سب کو بھی قتل کرا دیا۔ کعب بن زید نے جو کشتگانِ خنجر تسلیم کی اُوٹ میں چھپ کر بچ رہے تھے، اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچائی۔

۱- زاد المعاد بحوالہ صحیح بخاری، ص ۳۶۰، [کتاب الجہاد والسیر، باب ۹، حدیث ۲۸۰۱] ابن ہشام میں ۴۰ تعداد ہے۔

باب سوم

فتح مکہ

قریش کا پانچواں حملہ: عہد شکنی

اسی سال ۸ھ مسلمانوں کو اضطراراً ماہِ رمضان میں مکہ پر فوج کشی کرنی پڑی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ۶ھ میں جو معاہدہ قریش نے نبی ﷺ سے بمقام حدیبیہ کیا تھا' اس کی ایک دفعہ میں یہ تھا:

''دس سال تک جنگ نہ ہو گی۔ اس شرط میں جو قومیں نبی ﷺ کی جانب ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں اور جو قومیں قریش کی طرف ملنا چاہیں وہ ادھر مل جائیں''۔

اس کے موافق بنی خزاعہ نبی ﷺ کی طرف اور بنو بکر قریش کی طرف مل گئے تھے۔ معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے بھی بنو بکر کو اسلحہ سے امداد دی۔ عکرمہ بن ابو جہل' سہیل بن عمرو (معاہدہ پر اسی نے دستخط کیے تھے) صفوان بن امیہ (مشہور سردارانِ قریش) خود بھی نقاب پوش ہو کر مع اپنے حوالی و موالی کے بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے۔[۱]

ان بے چاروں نے امان بھی مانگی، بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی، مگر ان کو ہر جگہ بے دریغ تہ تیغ کیا گیا۔ یہ مظلوم جب الٰھك الٰھك (اپنے خدا کے واسطے' اپنے خدا کے واسطے) کہہ کر رحم کی درخواست کرتے تھے تو یہ ظالم ان کے جواب میں کہتے تھے: لا الٰہ الیوم[۲] (آج خدا کوئی چیز نہیں)۔ مظلوموں کے بچے کھچے چالیس آدمی' جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، نبی ﷺ کی

۱- تاریخ طبری۔ [ج ۲، ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ] ۲- سیرت ابن ہشام' جلد ۲' ص ۲۰۹۔

خدمت میں پہنچے، اور اپنی مظلومی اور بربادی کی داستان سنائی۔ عمرو بن سالم الخزاعی نے پُردرد نظم میں تمام واقعات گوش گزار کیے۔ اس نظم کے جستہ جستہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

ان قریشا اخلفوك الموعدا ونقضوا میثاقك المؤكّدا

وجعلوا لی فی كداء رُصَّدا وزعموا ان لَّستُ ادعو احدا

وھم اذلّ واقلّ عددا ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

فقتلونا رکعًا وسجدًا ۲؎

(ترجمہ) قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی۔ انھوں نے اس مضبوط معاہدے کو، جو آپؐ سے کیا تھا، توڑ ڈالا۔ [وہ کداء کی گھاٹی میں گھات لگائے ہوئے تھے۔] وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کو کوئی نہیں آنے کا (اور ہمارے متعلق خیال کیا کہ) وہ تو ذلیل ہیں اور قلیل ہیں۔ انھوں نے وتیر میں ہم کو سوتے ہوئے جالیا۔ ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں پارہ پارہ کر دیا۔

(۱) معاہدے کی پابندی (۲) فریق مظلوم کی دادرسی (۳) دوست دار قبائل کی آیندہ حفاظت کی غرض سے نبی ﷺ مکہ کی جانب سوار ہو گئے۔ دس ہزار کی جمعیت ۳؎ ہمرکاب تھی۔

۱- وتیر پایان مکہ کی جانب ایک چشمہ کا نام ہے، جس پر بنو خزاعہ آباد تھے (معجم البلدان)۔ ۲- اس مصرعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ اگرچہ مورخین کا اتفاق ہے کہ بنی خزاعہ کی مدد جب نبی ﷺ نے فرمائی تھی، وہ مسلمان نہ ہوئے تھے۔ (منقول از طبری و سیرت ابن ہشام) ۳- صحیح بخاری عن ابن عباس، کتاب المغازی، پ ۱۷ [باب ۴۸، حدیث ۴۲۷۶]۔ اب پڑھیے غزل الغزلات، باب ۵، درس ۱۰: ''میرا محبوب سرخ و سفید ہے، دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔'' ملاحظہ کیجیے اسی باب میں درس ۱۶، جو اُردو بائیبل آج کل مشن ملک میں پھیلا رہی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا، یہ میرا جانی ہے''۔ مگر عبرانی بائیبل کے الفاظ یہ ہیں: ''**خلو محدیم زہ دودی و زہ رعی۔ بلوث یروشلائم**''۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے: ''وہ تو ٹھیک محمدؐ ہے، میرا خلیل، میرا حبیب یہی ہے، اے دخترانِ یروشلم''۔ پادری صاحبان کا اتفاق ہے کہ غزل الغزلات میں ہیکل (قبلہ) نے کسی موعود بزرگ کے عشق میں ترانہ گایا ہے۔ اس کے بعد پادری صاحبان اسے حضرت مسیحؑ کے متعلق فرماتے ہیں لیکن جب اس ترانہ کے مصنف حضرت سلیمانؑ نے خود ہی نام مبارک ''محمد'' بھی فرما دیا اور ان کا پتہ دے دیا کہ وہ ہیکل میں دس ہزار آدمیوں کے درمیان آئے گا تو اب ممدوح کا صحیح پتہ لگ جانے میں کوئی شبہ نہیں، عبرانی لفظ ''محمدیم'' کا ترجمہ عشق انگیز کرنا سراپا غلط ہے۔ شاید کوئی کہے کہ اس پیش گوئی سے نبی ﷺ کا دس ہزار فوج کے ساتھ خاص مکہ پر آنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے مکہ کا نام دکھانے کے لیے دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب استثنا، باب ۳۳، درس ۱، ۲ میں ہے: ''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰؑ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا: ''خداوند سیناسے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' سیناسے آنے سے موسیٰؑ اور شعیر سے خداوند کے ساتھ آنے سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں، باقی پیش گوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت ہے جو دس ہزار صحابہ کے ساتھ فاران کے پہاڑ سے فاران والوں پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ آتشی شریعت سے مراد نورانی اور آسمانی شریعت ہے، کیونکہ موسیٰؑ نے آگ میں کلام سنا تھا۔ ''ان کے لیے'' سے مراد یہ تھی کہ اہل مکہ فتح کے وقت مسلمان ہو جائیں گے۔

دو منزل چلے تھے کہ راہ میں ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن ابو امیہ آنحضرت ﷺ سے ملاقی ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے نبی ﷺ کو سخت ایذائیں دی تھیں اور اسلام کے مٹانے میں بڑی بڑی کوششیں کی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں دیکھا اور اپنا رُخ پھیر لیا۔ اُم المومنین ام سلمہؓ نے عرض کی: یارسولؐ اللہ! ابو سفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبد اللہ حقیقی پھوپھی (عاتکہ) کا لڑکا ہے، اتنے قریبی تو مرحمت سے محروم نہ رہنے چاہئیں۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان دونوں کو یہ ترکیب بتائی کہ جن الفاظ میں برادرانِ یوسفؑ نے معافی کی درخواست کی تھی تم بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر انھی الفاظ کا استعمال کرو۔ نبی ﷺ کے عفو و رحم سے اُمید ہے کہ ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

انھوں نے نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر یہ آیت پڑھی:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۔[یوسف ۱۲:۹۱]

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔[یوسف ۱۲:۹۲]

اس وقت ابوسفیان نے عجب جوش ونشاط سے یہ اشعار پڑھے:

لعمرك انی حین احمل رایة قسم ہے کہ جن دنوں میں نشان جنگ اس لیے اٹھایا

لتغلب خیل اللّات خیل محمد ﷺ کرتا تھا کہ 'لات' (بت کا نام) کا لشکر محمدؐ کے لشکر پر غالب

لکالمدلج الحیران اظلم لیلة آجائے' ان دنوں میں اس خارپشت جیسا تھا جو اندھیری

فھذا اوانی حین اھدی فاھتدی رات میں ٹکریں کھاتا ہو۔ اب وہ وقت آگیا کہ میں ہدایت

ھدانی ھاد غیر نفسی ودلنی پاؤں اور سیدھے رستے ہو جاؤں' مجھے ہادی نے (نہ

الی اللّٰہ من طردته کل مطرد کہ میرے نفس نے) ہدایت دی ہے اور خدا کا راستہ مجھے

اس شخص نے بتایا ہے جسے میں نے دھتکار دیا اور چھوڑ دیا تھا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے۔[1] نبی ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ اہل مکہ کو اس آمد کی خبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا[2] کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ تک پہنچ کر باہر خیمہ زن ہو گئے اور اہل مکہ کو باخبر کرنے کے

۱- زاد لمعاد' جلد اول' ص ۴۱۳۔ [طبع جدید، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج ۳، ص ۳۴۷] ۲- صحیح بخاری عن ابن معقل کتاب المغازی' پ ۱۷ [باب ۴۹، حدیث ۴۲۸۰]۔ فتوح البلدان بلاذری' ص ۴۵ ملاحظہ کیجیے۔ ملاکی نبی کی کتاب، باب ۳، درس ۱: "اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں وہ عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو۔ وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے: پر اس کے آنے کے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمود ہو گا کون ہے جو کھڑا رہے گا؟" اس الہامی عبارت سے ثابت ہے کہ رسول معہود و موعود کا انتظار اس کی علامات معلوم کرنے کا شوق سب کو لگا ہوا تھا اور انبیا سلف اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس کی علامات بیان کر دیں۔ ملاکی نبی کی کتاب عہد نامہ قدیم کی سب سے آخری کتاب ہے۔ اس لیے اس پیشگوئی کے مصداق یا تو حضرت مسیحؑ ہو سکتے ہیں یا ہمارے دعویٰ کے موافق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ' مسیحؑ بوجوہات ذیل اس پیش گوئی کے مصداق نہیں۔ (۱) متی نے اس پیشگوئی کو حضرت مسیح ﷺ کی بابت نہیں بتایا

حالانکہ انھوں نے مسیحؑ کی پیش گوئیوں کو انجیل میں جمع کر دیا ہے۔(۲) قدیم مصنفین میں سے اور کسی فاضل عیسائی نے بھی اسے مسیحؑ کی بابت نہیں کہا۔(۳) مسیحؑ کو سب عیسائی ابن اللہ کہتے ہیں نہ کہ رسول۔(۴) ہیکل میں دشمن ان کے سامنے مغلوب نہیں ہوئے بلکہ دشمنوں نے مسیح کو مغلوب کر لیا۔ نبی ﷺ پر یہ پیشگوئی بوجوہات ذیل صادق آتی ہے:(۱) ''اپنی ہیکل'' کا لفظ موجود ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس مکان کی طرف آئے گا جسے ہیکل ہونے کا درجہ خود اسی نے بخشا ہو۔ چنانچہ کعبہ کو آنحضرت ﷺ نے ہی ''قبلہ'' قرار دیا تھا اور فتح مکہ سے قریباً سات برس پہلے قرار دے چکے تھے۔(۲) ''ناگہاں آوے گا'' خود آنحضرت ﷺ کی دعا یہ تھی: **اللھم اضرب علی اذانھم حتی نبغتھم بغتة** (بلاذری، [فتوح البلدان، ج ا، ص ۴۳]) اور ایسا ہی ہوا۔(۳) لفظ رب الافواج بطور براعت الاستہلال ہے کہ وہ اس وقت فوجوں کے ساتھ ہو گا...(۴) اہل مکہ میں سے کوئی بھی مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا تھا۔(۵) لفظ ''عہد کا رسول'' انھی معنوں میں ہے جن میں لفظ ''وہ نبی'' یوحنا بپٹسٹ (یحییٰ نبی) نے استعمال کیا اور مسیح نے انکار کیا کہ میں وہ نبی نہیں ہوں۔ دیکھو یوحنا ا، باب ا، درس ۲۲۔

لیے لشکر میں الاؤ روشن کرنے کا حکم دیا تب ان کو خبر ہوئی۔ دوسری صبح نبی ﷺ نے حکم دیا کہ فوج مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو اور ان احکام کی پابندی کرے۔

فوج کو ہدایت اور احکامِ رحم

۱-جو کوئی شخص ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲-جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳-جو کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۴-جو کوئی شخص ابوسفیان کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۵-جو کوئی شخص حکیم بن حزام کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔

۶-بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔

۷-زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

۸-اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔

شہر میں داخل ہونے والے دستوں میں سے صرف اس دستہ کا جو خالد بن ولید کے ماتحت تھا، کچھ مقابلہ ہوا، جس میں اہل مکہ کو بھاگنا پڑا۔ باقی سب دستے بلامزاحمت شہر میں داخل ہو گئے۔ مقابلہ میں دو مسلمان ۲۸ مقابل کام آئے۔ خدا کا برگزیدہ رسولؐ جس وقت (۲۰ رمضان) شہر میں داخل ہوا، اس وقت سر جھکائے[1] قرآن مجید (سورۃ الفتح) کی تلاوت فرما رہا تھا اور اُونٹ کی سواری پر بیت اللہ[2] کو جا رہا تھا اور اُونٹ پر اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کے فرزند اسامہؓ کو سوار کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر پہلے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ اس وقت بیت اللہ کے گرداگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کمان کے گوشے (یا چھڑی کی نوک سے) ہر ایک بت کو گراتے جاتے تھے اور زبان مبارک سے یہ پڑھ رہے تھے:

(۱) وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [بنی اسرائیل ۱۷:۸۱][3]۔

(۲) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ [سبا ۳۴:۴۹][4]۔

[کلید کعبہ] حق بحق دار

اس کام سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ ان کے خاندان میں مدت

۱- اہل حکومت ایسی فتوحات کے موقع پر بڑے طمطراق سے مفتوح شہر میں داخل ہوا کرتے ہیں۔ ۲- بخاری عن عبداللہ بن مغفّل۔ [کتاب المغازی، باب ۴۹، حدیث ۴۲۸۱، اس میں سر جھکانے کا ذکر نہیں ہے، البتہ قراءت میں ترجیع، یعنی آواز کو حلق میں گھمانے کا ذکر ہے۔ (مدوّن)] اب یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۱ درس ۷ دیکھو۔ حضرت مسیحؑ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے کاموں کی مماثلت: جس میں ایک گدھے کے سوار اور ایک اُونٹ کے سوار کا ذکر بطور پیش گوئی کیا گیا ہے۔ گدھے کے سوار حضرت مسیحؑ ہیں اور اُونٹ کے سوار محمد رسول اللہ ﷺ (دونوں پر خدا کا درود ہو) ہر دو کے حالات کا مقابلہ کرو۔ حضرت مسیح بیت ایل (بیت المقدس) میں گدھے پر سوار ہو کر گئے۔ دکانداروں، کبوتر فروشوں وغیرہ کو وہاں سے نکالا اور خدا کے گھر کو مقدس ٹھہرایا۔ محمد مصطفیٰ بیت اللہ میں اُونٹ پر چڑھ کر گئے اور بتوں کو وہاں سے نکالا۔ ان ہر دو مقدسین نے یسعیاہ کی پیش گوئی کو سچا ٹھہرایا۔ ۳- [حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔] ۴- [ترجمہ: حق آ گیا اور اب باطل کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا۔] بخاری عن عبداللہ بن مسعودؓ۔ [کتاب المغازی، جاب ۴۹، ح ۴۲۸۷] پہلی اور دوسری آیت میں بت پرستی کو باطل بتا کر یہ بھی اظہار فرمایا ہے کہ اب اس گھر میں بت نہ رکھے جائیں گے۔ چودھویں صدی گزر رہی ہے اور اس پیش گوئی کی صداقت آشکارا ہو رہی ہے، جو نبی باعلام ربانی ایسی زبردست اور واضح پیش گوئیوں کا اظہار فرماتا تھا۔ اس کے برگزیدہ اور صادق ہونے میں کیوں کر کوئی شخص شبہ کر سکتا ہے۔

سے کعبہ کی کلید برداری چلی آتی تھی۔ ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ نبی ﷺ نے اسی عثمان سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو۔ اس نے انکار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: اچھا، تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا، اسے عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ اور بھی زیادہ عزت و اقبال سے ہوں گے۔ اب نبی ﷺ نے کلید لے کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا، اندر جا کر ہر ایک گوشے میں اللہ اکبر کے ترانے گائے اور پھر نماز شکرانہ پڑھتے ہوئے نہایت عجز و نیاز سے رب العزت کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ کر سجدہ کیا۔ اسی عرصہ میں مکہ کے وہ سب سردار اور سب بڑے بڑے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ جنھوں نے:

۱۔ بیسیوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا یا کرایا تھا۔

۲۔ سینکڑوں مسلمانوں کو اذیت دے دے کر گھر بار سے نکالا تھا۔

۳۔ دین اسلام کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لیے حبش، شام، نجد اور یمن تک کے سفر کیے تھے۔

۴۔ جنھوں نے بارہا مدینہ پر حملے کر کے مسلمانوں کو (۳۰۰ میل پرے چلے جانے کے بعد بھی) چین سے نہیں رہنے دیا تھا۔ یعنی وہ سب لوگ جو مسلمانوں کے فنا کرنے میں زر سے، مال سے، زور سے، تدبیر سے، ہتھیار سے، تزویر سے اپنا سارا زور لگا چکے تھے اور اپنی ناپاک کوششوں میں ۲۱ سال تک برابر منہمک رہے تھے۔ خدا کا رسولؐ جسے خدا نے تمام مخلوق کے واسطے رحمت بنایا، جب عبادت سے فارغ ہو کر باہر رونق افروز ہوا تو حضرت عباسؓ (عم رسولؐ) نے عرض کی کہ کلیدِ بیت اللہ بنی ہاشم کو عطا فرمائی جائے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: الیوم یوم البر والوفاء (آج کا دن تو سلوک کرنے

پورے عطیات دینے کا ہے) پھر عثمانؓ کو بلایا' اسی کو کلید مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا' وہ ظالم ہو گا۔ ۱۴

فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ کا خطاب

اب رحمۃ للعالمین اس گردن زدنی و کشتنی جماعت کی جانب متوجہ ہوئے اور زبان مبارک سے فرمایا:

یامعشر قریش انّ اللّٰہ قد ذھب عنکم نخوۃ الجاھلیّۃ وتعظّمھا بالاباء۔ النّاس من اٰدم واٰدم خُلق من تراب۔ ثم تلا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اذھبوا فانتم الطلقاء لاتثریب علیکم الیوم۔ ۱۲ اے جماعت قریش! خدا نے تمھاری جاہلانہ نخوت' اور آباؤاجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا (سچ تو یہ ہے) سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور گوت قبیلے سب پہچان کے لیے بنا دیے ہیں اور خدا کے ہاں تو اس کی زیادہ عزت ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔ پھر فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں۔

اسلام لانے والوں سے بیعت اور اس کی شرائط

پھر نبی ﷺ نے کوہِ صفا پر بیٹھ کر مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول فرمائی۔ اس موقع پر عمر فاروقؓ ایک ایک شخص کو پیش کرتے تھے۔ ۱۶ بیعت کرنے والوں کو مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار کرنا پڑتا تھا:

۱- میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات میں' صفات میں اور استحقاق عبادت و استحقاق استعانت میں شریک نہ کروں گا۔

۲- میں چوری نہ کروں گا' زنا نہ کروں گا' خون ناحق نہ کروں گا' لڑکیوں کو جان سے نہ ماروں گا' کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

۳- میں اُمور حق میں نبی ﷺ کی اطاعت بقدر استطاعت کروں گا۔

۱- [البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ۳۰۱۔] ۲- طبری۔ [ج ۲، ص ۱۶۱]

عورتوں سے مزید اقرار یہ بھی لیے جاتے تھے: کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گی، تپانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی، نہ سر کے بال کھسوٹیں گی، نہ گریبان چاک کریں گی، نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریق

عورتوں سے بیعت لینے کا طریق یہ تھا کہ پانی کے باسن میں آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ ڈال کر نکال لیتے۔ پھر بیعت کرنے والی اسی باسن میں اپنا ہاتھ ڈالتی۔ دوسرے مواقع پر صرف زبانی اقرار لے کر ہی تکمیل بیعت فرمایا کرتے۔ فتح سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کر ڈالے۔ جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا فضالہ آتا ہے؟'' فضالہ بولا: ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟'' فضالہ نے کہا: ''کچھ نہیں، میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا''۔ نبی ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: اچھا، تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو۔ یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے بہت اطمینان قلب حاصل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔ میں یہاں سے گھر کو چلا۔ راستہ میں میری معشوقہ ملی جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے کہا: فضالہ ایک بات سنتے جاؤ۔ میں نے جواب دیا: نہیں نہیں! خدا اور اسلام ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں۔[1]

۱- طبری۔ اس بیعت کے الفاظ کو جو اقبال مندی اور عروج میں لوگوں سے کہلوائے گئے، بیعت عقبہ اولیٰ کے الفاظ سے (جو نبی ﷺ نے اندھیری رات کے پردہ میں شہر سے باہر جا کر اہل مدینہ سے کہلوائے تھے) ملا کر دیکھو۔ ذرا بھی فرق معلوم نہیں ہو گا یہی ہے کسوٹی جو آنحضرت ﷺ کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔

نبی ﷺ کی پاک سیرت کا بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر عفو تقصیرات کا جو مکہ میں فرمائی گئیں، ذکر نہ کیا جائے۔ واضح ہو کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تمام فوج کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ کسی شخص پر حملہ نہ کریں لیکن چار مرد، دو عورتیں جو اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے واجب القصاص تھے، اعلان کر دیا گیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان چار مردوں میں سے صرف ابن اخطل کو قتل کیا گیا۔ یہ پہلے مسلمان ہو چکا تھا۔ ایک اس نے اپنے غلام کو اس لیے قتل کر دیا کہ وقت پر کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ قتل کے بعد مکہ بھاگ آیا تھا۔ باقی تین عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود اور عبداللہ بن ابی سرح کو معافی دی گئی۔

۱- عکرمہ علاوہ ازیں کہ ابو جہل کا بیٹا تھا اور بارہا مسلمانوں سے جنگ کر چکا تھا، اب حال میں بھی بنو خزاعہ کو جو مسلمانوں کے حلیف تھے، تباہ کرنے کا باعث یہی تھا۔

۲- ہبار نے سیدہ زینب بنتِ رسول اللہ ﷺ کے، جب کہ وہ مکہ سے مدینہ کو ہودج میں بیٹھی جا رہی تھیں، نیزہ مارا اور کجاوا گرا دیا تھا۔ اس صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا اور بالآخر اسی صدمہ سے انھوں نے وفات پائی تھی۔

۳- عبداللہ بن ابی سرح کہنے لگا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے اور محمدؐ تو مجھ سے سن کر لکھوا دیتے ہیں۔

اللہ اکبر! ایسے مجرمین پر رحم فرمانا نبی الرحمۃ ہی کا کام ہے۔

دو عورتوں میں سے ایک عورت کو جو قتل عمد کا ارتکاب کر چکی تھی، سزائے قصاص دی گئی تھی۔ معافی پانے والوں میں ہند زوجہ ابو سفیان بھی ہے۔ اس عورت نے نبی ﷺ کے چچا کا کلیجہ سینہ سے نکال کر دانتوں سے چبایا، ان کی ناک، کان کو کاٹ کر تاگے میں پرو کر گلے کا ہار بنایا تھا۔ وحشی کو بھی معافی دی گئی جس نے امیر حمزہ (اسد اللہ و رسولہ) کو دھوکے سے مارا تھا اور پھر نعش کو بے حرمت کیا تھا۔

۱- سنن ابو داؤد عن سعد۔ [یہ روایت ابو داؤد میں نہیں ملی، البتہ تاریخ کی کتابوں میں واقعہ درج ہے۔ ملاحظہ ہو: البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۳۰۸، سیرۃ ابن ہشام، ج ۵، ص ۸۰، سیرۃ ابن کثیر، ج ۳، ص ۵۸۳]

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عسکر نے مکہ فتح نہیں کیا تھا بلکہ خلق محمدیؐ اور عفو و رحم مصطفویؐ نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔[1]

[مسلمانوں کی جائدادیں]

فتح کے بعد غنیمت کے طور پر کفار کے مال و جنس پر قبضہ کرنے کا تو کیا ذکر ہے۔ مہاجرین مسلمان جو مکہ ہی سے اجڑ کر گئے تھے، ان کے گھروں پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا، اب ان مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اپنی جائیدادوں کے واپس دلائے جانے کی درخواست کی، لیکن نبی ﷺ نے ان کی اس درخواست کو نامنظور فرمایا۔ گویا حضور ﷺ کا مدعا یہ تھا کہ جن چیزوں کو تم خدا کے لیے چھوڑ چکے، اب ان کی واپسی کا کیوں سوال کرتے ہو؟ [چنانچہ] مسلمانوں کو ان کی جائدادیں فتح کے بعد واپس نہیں دلائی گئیں۔

مماثلت یوسفؑ و محمد ﷺ

فتح مکہ کا بیان (جس کے ضمن میں انبیا گذشتہ کے کئی صحیفوں کی پیش گوئیاں مندرج ہیں) ختم کرنے سے پیشتر میں قارئین کو ایک اور زبردست پیش گوئی پر توجہ دلاتا ہوں۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسفؑ ہے جس کا نزول مکہ میں ہوا تھا۔ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ۔ [یوسف ۱۲:۱۰۲] یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی تیرے اُوپر بھیجی جاتی ہے۔

اب قارئین حضرت یوسف علیہ و علی آبائہ السلام (جو الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم کے خطاب سے مخاطب ہیں) کے حالات سے نبی کریم ﷺ کے حالات کی مماثلت معلوم کر لیں۔[2]

۱- حضرت یوسفؑ پر بوجہ ان کے روحانی کمالات کے ان کے بھائیوں نے حسد کیا۔ اسی طرح نبی ﷺ پر بھی آپ کے بھائیوں نے حسد کیا۔

۲- حضرت یوسفؑ چاہ کے اندر رہے اور نبی کریم ﷺ غار کے اندر۔

۳- حضرت یوسفؑ نے چند سال زندان میں بسر کیے تھے اور آنحضرت ﷺ نے چند سال شعب ابی طالب میں محصور ہو کر کاٹے۔

۴- حضرت یوسفؑ کو وطن سے باہر مصر میں جا کے جاہ و جلال اور آنحضرت ﷺ

_____ ۱- علما میں بھی اختلاف ہے کہ مکہ فتح ہوا یا صلح سے اس پر قبضہ ہوا۔ ۲- زاد المعاد، جلد اول، ص ۳۲۰۔ [البدایۃ والنہایۃ، ج ۱، ص ۱۹۹]

کو وطن سے باہر مدینہ میں جا کر کامیابی ہوئی۔

۵- حضرت یوسفؑ کے سامنے قحط کے دنوں میں ان کے بھائی التجا لے کے گئے' آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی حضور ﷺ کے بھائیوں نے ایسی درخواست پیش کی۔ صحیح بخاری' باب استسقا میں ہے کہ جب مکہ میں قحط شدید پڑا تو ابوسفیان نبی ﷺ کی خدمت میں آیا' کہا: یامحمد جئت تامرنا بصلة الرحم فادعوا الله لنا۔ محمدؐ! آپ تو اپنی تعلیم میں رحم اور قرابت داروں سے سلوک کا حکم دیتے ہیں۔ دیکھیے! ہم قحط سے مر رہے ہیں' دعا کیجیے کہ یہ مصیبت ٹلے۔ اور آنحضرت ﷺ کی دعا سے قحط رفع ہوا تھا۔

۶- حضرت یوسفؑ نے مصر سے کنعان کو اپنے بھائیوں کے لیے غلہ بھجوایا اور آنحضرت ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو حکم دے کر نجد سے مکہ میں غلہ بھجوایا تھا۔

۷- حضرت یوسفؑ کی عظمت کو بالآخر بھائیوں نے تسلیم کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی عظمت کا بھی ان کے بھائیوں کو بالآخر اعتراف کرنا پڑا تھا۔

۸- حضرت یوسفؑ نے اپنے ایذا دہندہ بھائیوں کے لیے یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ کی دعا فرمائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے چچیرے بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن اُمیہ کو جنھوں نے برسوں حضور ﷺ کو ستایا تھا' اسی دعا سے شاد کام فرمایا تھا۔

۹- حضرت یوسفؑ کے علّو مرتبت کا اظہار ان کے والد یعقوبؑ نے کیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے چچا عباسؓ (جن کو حدیث میں ''صِنْوُ اَبْ'' مثل پدر فرمایا گیا) ایمان لائے تھے۔

۱۰- حضرت یوسف ﷺ نے اپنے بھائیوں کو قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر معاف فرمایا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے بھائیوں کو جنھوں نے ہزارہا اذیتیں دی تھیں' اسی کلام طیّب سے خرسند فرمایا تھا۔

چونکہ ان سب حالات کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو مکہ میں دے دی گئی تھی اور سورۂ یوسفؑ کا اعلان مکہ ہی میں منکروں کے اندر ہو چکا تھا' جن کا ظہورِ اتم فتح مکہ تک ہو گیا

اس لیے سورۂ مذکور کو بھی فتح مکہ سے مناسبت خاص ہے اور تمام سورۃ آنحضرت ﷺ کے لیے پیش گوئی کا حکم رکھتی ہے۔

فتح مکہ کے نتائج

فتح مکہ کے بعد (جو صلح اور معافی سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے) اسلام لانے والوں کی تعداد کثیر در کثیر ہو گئی تھی۔ اس کے چند اسباب ہیں:

۱- بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رُکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے ہم عہد تھے اور اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی کے تھا۔

۲- بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے مگر ان کے تعلقات یا رشتہ داری قریش کے ساتھ وابستہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ اسلام لانے سے وہ تعلقات بھی منقطع ہو جائیں گے اور یہ لوگ قریش کے غیظ و غضب کے مورد بھی بن جائیں گے۔

۳- بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا مکہ پر قابض ہو جانا ہی صحیح نشان ان کی صداقت کا اور مقبولِ خدا ہونے کا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سینکڑوں سال سے قومی روایات ان میں چلی آتی تھیں کہ مکہ پر کوئی ایسا شخص فتح نہیں پا سکتا، جس کے ساتھ رب العالمین کی نصرت و تائید نہ ہو۔

فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان وہ قبائل کہا کرتے تھے کہ اسے اپنی قوم سے

ظھر علیھم فھو نبی صادق۔[۱] سلجھ لینے دو۔ اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو

ضرور سچا نبی ہے۔

۴- ہنوز مختلف قبائل میں بیسیوں بوڑھے ایسے موجود تھے جنھوں نے فاتح یمن ابرہہ حبشی کے چالیس ہزار لشکر جرار کو مکہ پر حملہ آور ہوتے دیکھا تھا۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے اور ابرہہ کی خاص

۱- صحیح بخاری عن عمرو بن سلمہ [باب ۵۰، باب من شہد الفتح] ۲- فرنچ پروفیسر سیڈیو نے اپنی کتاب خلاصہ تاریخ العرب میں لشکر حبش کی تعداد چالیس ہزار تحریر کی ہے اور لکھا ہے کہ جنرل ابرہہ الاشرام نے (جو یمن میں نجاشی کا نائب السلطنت بھی بن گیا تھا) صنعا میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا جس کی عمارت نہایت عجیب تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ عرب کا سارا ملک اس گرجا کے سالانہ حج کو آیا کرے، جیسا کہ کعبہ کے حج کو جاتے ہیں۔ جب اسے دیگر تدابیر میں کامیابی نہیں ہوئی تب کعبہ کے گرانے کو آیا تھا۔ عبداللہ بن زبعریٰ شاعر قدیم اپنے قصیدہ میں اس واقعہ کی بابت کہتا ہے: واسئل امیر الجیش عنّا ما رای

ولسوف ینبی الجاھلین علیھا

ستون الفًالم یؤبوا ارضھم بل لم یعش بعد الایاب سقیمھا ”ذرا پوچھو کہ آرمی کے جنرل نے کیا کچھ دیکھا‘ جسے خبر ہے وہ بے خبروں کو بتا دے گا کہ ساٹھ ہزار میں سے کوئی بھی اپنے ملک کو زندہ نہ گیا تھا اور اگر کوئی مرتا پڑتا واپس گیا بھی تو وہ بھی نہ بچا تھا“۔ چونکہ پروفیسر سیڈیو نے لکھا ہے کہ جنرل ارباط (Aryat[۷۰]) ہزار فوج لے کر ۵۲۵ء میں آیا تھا اس لیے عجب نہیں کہ عربی شاعر کا بیان تعداد فوج کے متعلق صحیح ہو اور اسٹرم جوار یاط کا نائب و قاتل ہے‘ یمن میں دس ہزار فوج چھوڑ کر ساٹھ ہزار فوج مکہ پر لایا ہو۔

سواری کا ہاتھی محمود[1] نسل کا تھا۔ ان بوڑھوں نے اپنی آنکھ سے آج سے ساٹھ ۲ برس پیشتر ان حبشیوں کو مکہ پر حملہ کرتے بھی دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ اہل مکہ ان کے ڈر سے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہے تھے اور شہر میں ایک بھی حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے والا نہ رہ گیا تھا۔ بایں ہمہ انھوں نے دیکھا تھا کہ فوج خستہ و برباد ہوئی اور سردار فوج باحال تباہ و خراب ایسی حالت میں بھاگا کہ نہ فوج ساتھ تھی، نہ ہاتھی، بلکہ سب کے لاشے مکہ سے چار کوس پرے سڑ رہے تھے۔

سردار عبد مناف[3] اور ابرہہ کا مکالمہ

ان بوڑھوں کو اب تک عبد مناف اور ابرہہ کی گفت و کلام بھی یاد تھی کہ جب ابرہہ کا لشکر مکہ کی سرحد پر آاترا تو انھوں نے اہل مکہ کے مویشی، جو جنگل میں چر رہے تھے، پکڑ لیے۔ ان میں عبد مناف کے بھی سو اُونٹ تھے۔ عبد امناف ہمارے نبی ﷺ کے دادا تھے اور اس وقت مکہ کے سردار وہی تھے۔ خوب لمبے چوڑے، سرخ و سفید، شکل سے امارت و رعب برستا تھا۔ یہ خود حبشیوں کے لشکر میں گئے اور سردار فیل خانہ کی وساطت سے ابرہہ کو ملے۔ اس نے تعظیم دی، برابر بٹھایا اور پوچھا کس طرح تشریف لائے؟

عبد مناف نے کہا: ہمارے مویشی آپ کی فوج نے پکڑ لیے ہیں، براہِ مہربانی ان کے چھوڑ دینے کا حکم دیجیے۔

۱- ہاتھیوں کی ایک عظیم الخلقت نوع تھی جو اب دنیا سے ناپید ہو گئی ہے، انگریزی زبان میں اس نسل کا نام Mamatt ہے۔ عرب نے اسی کو معرب کر کے محمود بنا لیا ہے (از تاریخ الدول العرب)۔ ۲- ہمارے زمانہ ۱۹۱۲ء میں بھی فتح دہلی اور محاصرہ لکھنؤ کے سپاہی زندہ ہیں بلکہ جنگ کریمیا کے دیکھنے والے بھی۔ ۳- [رحمۃ للعالمین کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے، اس میں یہاں عبد مناف ذکر ہوا ہے، مگر البدایۃ والنہایۃ میں جہاں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، عبد المطلب کا ذکر ہے اور یہی درست ہے۔ (مدوّن)]

ابرہہ بولا: جب آپ آئے تھے تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت پیدا ہوئی تھی، لیکن آپ کی باتیں سن کر اب نہ وہ وقعت قائم رہی، نہ عزت۔

عبد مناف نے پوچھا: یہ کیوں؟ ابرہہ بولا: دیکھو میں اس لیے آیا ہوں کہ تمھارے اس عبادت خانے کو گرادوں، جسے تم سب سے زیادہ مقدس مکان سمجھتے ہو اور جس کے سامنے میرے تعمیر کردہ کلیسا کی وقعت و عزت عرب کی نگاہ میں اب تک کچھ بھی نہیں ہوئی۔ تم اپنے اس مقدس مکان کے بچاؤ کا ذرا بھی ذکر نہیں کرتے اور اپنے مویشیوں کو اس سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہو۔

عبد مناف نے کہا: نہیں، میں مویشیوں کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا۔ بات یہ ہے کہ میں مویشیوں کا مالک ہوں اور مجھے ان کی فکر ہے اور اس گھر کا مالک ایک اور ہے اسے اپنے گھر کا خود ہی خیال ہوگا۔ مجھے اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔

الغرض جب مکہ پر مسلمانوں کا ایسی کامیابی اور آسانی کے ساتھ قبضہ ہوا تو اسلام لانے والوں کے سامنے سے معاہدات کی روک اُٹھ گئی۔ قریش کا دباؤ اور رُعب بھی جاتا رہا اور مسلمانوں کا مقبول خدا ہونا بھی انھوں نے اپنے مقرر کردہ معیار کے موافق دیکھ لیا اور ان وجوہات سے اسلام لانے والوں کی کثرت ہوگئی۔

۵- سب سے آخری اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ اب اسلام کی حقیقت کے سمجھانے اور اسلام کی تبلیغ کرنے میں واعظین اسلام کے سامنے کوئی روک ٹوک اور دقت باقی نہ رہی تھی۔ واعظ آزادی سے منادی کرتے تھے۔ سامعین آزادی و اطمینان سے وعظ سنتے تھے اور اسلام کی کشش کامل لوگوں کو اپنی جانب خود بخود کھینچ لیتی تھی۔

ہوازن ثقیف کے حملے کی مدافعت (غزوۂ حنین)

(شوال ۸ھ): فتح مکہ ہو جانے سے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے جن کی حد مکہ سے ملتی تھی، سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں تو اہل مکہ کے جس قدر باغات اور جاگیرات طائف میں ہیں وہ بلا دغدغہ (بغیر کسی خدشے کے) ہمارے ہو جائیں[1]

۱- فتوح البلدان بلاذری، ص ۶۳۔

گے اور مسلمانوں سے بت شکنی کے جرم کا انتقام بھی لیا جا سکے گا۔ انھوں نے بنی مضر و بنی ہلال کے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور چار ہزار بہادر لے کر مکہ کو روانہ ہوئے اور وادی حنین میں آ اترے۔ انھوں نے اپنے سردار مالک بن عوف کے مشورے سے اپنے زن و بچہ، مال و مواشی کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ مالک نے اس تدبیر کا یہ فائدہ بتایا تھا کہ زن و بچہ، مال مویشی کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی میدان جنگ سے فرار نہیں اختیار کرے گا۔ یہ خبر سن کر نبی ﷺ بھی (جو کعبہ کے متصل اور حرم کی سرزمین پر جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے) مکہ سے آگے بڑھے۔

اسلامی لشکر میں مکہ کے دو ہزار اشخاص اور بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس تعداد میں نو مسلم بھی شامل تھے اور بت پرست معاہد بھی۔ فوج کی مجموعی تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ فوج کو اپنی کثرت پر بھی غرور ہو گیا تھا اور اسی لیے وہ مراحل حزم و احتیاط سے دُور بھی تھی۔ دشمن نے ایک تنگ و دشوار گزار درّہ میں گھات لگائی اور اپنے تیر اندازوں کو وہاں بٹھایا جب لشکر اسلام کا اگلا حصہ (جس میں زیادہ تر طلقائے مکہ یا ایسے لااُبالی نوجوان تھے کہ کسی کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے یا لڑائی کی ضرورت کے موافق اپنہ تھے) دشمن کی زد میں بے خبر جا پہنچا تو انھوں نے اتنے تیر برسائے کہ ان کو سراسیمہ ہو کے بھاگنے ہی کی سوجھی۔ قریباً ایک سو صحابی میدان میں کھڑے رہ گئے تھے۔ نبی ﷺ نے جب چاروں طرف سے حملہ آوروں کو بڑھتے اور اپنے لشکر کو بھاگتے دیکھا تو بے نظیر شجاعت و استقامت کا نمونہ دکھایا۔ آنحضرت ﷺ اپنے خچر سے اُترے اور یہ فرمانا شروع کیا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب [1]

''میں نبیؐ ہوں، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں''۔

مطلب یہ تھا کہ میرے صدق کا معیار کسی فوج کی شکست یا فتح نہیں ہے بلکہ میری صداقت خود میری ذات سے ہوتی ہے۔

---

[1] مسلم عن براء بن عازب، [کتاب الجهاد والسیر] باب جنگ حنین۔ [حدیث ۱۷۷۶]

اب عباسؓ (عم نبیؐ) نے صحابہؓ مہاجرین وانصار کے پتے سے بلانا شروع کیا۔ وہ سب آواز سنتے ہی کبوتروں کی ٹکڑی کی طرح ایک آواز پر ہی پلٹے۔[1] اب فوج کی ترتیب از سر نو کی گئی۔ انصار و مہاجرین کو آگے بڑھایا گیا۔ غنیم اس حملہ سے بھاگ نکلا اور دو حصوں میں منتشر ہو گیا۔

۱-ان کا سردار مالک بن عوف جنگی مردوں کو لے کر قلعہ طائف میں جا ٹھہرا۔

۲-دوسرا گروہ جس میں ان کے اہل وعیال تھے اور زر ومال تھا' اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپا۔

نبی ﷺ نے قلعہ طائف کے محاصرہ کا حکم دیا اور اوطاس کی طرف ابو عامر اشعریؓ کو مامور فرمایا۔ ابو عامر اشعریؓ نے وہاں پہنچ کر دشمن کے اہل وعیال اور زر ومال پر قبضہ کر لیا۔ جب نبی ﷺ کو اوطاس کا نتیجہ معلوم ہوا تو قلعہ کے محاصرہ کو اٹھا دینے کا حکم دیا کیونکہ ان لوگوں پر اہل وعیال کے جاتے رہنے کی بھاری مصیبت پڑ چکی تھی۔ اوطاس میں ۲۴ ہزار اونٹ' ۴۰ ہزار بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار زن وبچہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔[2] نبی ﷺ ابھی میدان جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ قبیلہ ہوازن کے چھ سردار آئے اور انھوں نے رحم کی درخواست پیش کر دی۔ ان میں وہ لوگ تھے' جنھوں نے طائف میں نبی ﷺ پر پتھر برسائے تھے' اور آخری مرتبہ وہاں سے زیدؓ رسول اللہ ﷺ کو بے ہوشی کی حالت میں اُٹھا کر لائے تھے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں خود تمھارا انتظار کر رہا تھا (اور اسی انتظار میں

۱- صحیح بخاری عن ابن عباسؓ۔ [کتاب الجہاد والسیر، باب ۱۶۴، حدیث ۲۸۷۷] ۲- یرمیاہ نبی کی کتاب، باب ۴۹ درس ۲۹-۳۰ دیکھو' جس میں مکہ کی فتح اور جنگ حنین کا ذکر اور اس بھاری غنیمت کے ملنے کا بیان ہے۔ کتاب کے الفاظ یہ ہیں: ''اٹھو! قیدار پر چڑھو اور پورب کے لوگوں کو ہلاک کر دو ان کے خیموں اور ان کے گلوں کو وَے لے لیں گے اور ان کے سارے برتنوں اور ان کے اُونٹوں کو وَے اپنے لیے لیتے جائیں گے''۔ واضح ہو کہ قیدار پر چڑھائی سے مراد مکہ پر چڑھائی ہے' جہاں قریش فرزندان قیدار آباد تھے اور پورب والوں سے مراد حنین وطائف کے لوگ ہیں۔ دیکھو حنین مکہ سے پورب کی طرف ہے۔

قریباً دو ہفتے ہو گئے کہ مال غنیمت بھی تقسیم نہ کیا گیا تھا۔) میں اپنے حصہ کے اور اپنے خاندان کے حصہ کے قیدیوں کو بآسانی چھوڑ سکتا ہوں اور اگر میرے ساتھ صرف انصار و مہاجرین ہی ہوتے تو سب کا چھوڑ دینا بھی مشکل نہ تھا۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ اس لشکر میں میرے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔ اس لیے ایک تدبیر کی ضرورت ہے۔ تم کل نماز صبح کے بعد آنا اور مجمع عام میں اپنی درخواست پیش کرنا۔ اس وقت کوئی صورت نکل آئے گی۔ فرمایا تم خواہ مال کا لینا پسند کر لو یا اہل و عیال کا' کیونکہ حملہ آور لشکر کو خالی رکھنا دشوار ہے۔

بے نظیر فیاضی اور رحم

دوسرے دن وہی سردار آئے اور انھوں نے مجمع عام میں اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ نبی الرحمۃ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے اور بنو عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے رہا کرتا ہوں۔ انصار و مہاجرین نے کہا: ''ہم بھی اپنے اپنے قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے آزاد کرتے ہیں۔ اب بنی سلیم و بنی فزارہ رہ گئے۔ ان کے نزدیک یہ عجیب بات تھی کہ حملہ آور دشمن پر (جو خوش قسمتی سے زیر ہو گیا ہو) ایسا رحم و لطف کیا جائے۔ اس لیے انھوں نے اپنے حصہ کے قیدیوں کو آزاد نہ کیا۔ نبی ﷺ نے انھیں بلایا۔ ہر ایک قیدی کی قیمت چھ اُونٹ قرار پائے۔ یہ قیمت نبی ﷺ نے ادا کر دی اور اس طرح باقی قیدیوں کو بھی آزادی دلائی۔ پھر سب قیدیوں کو اپنے حضور سے لباس پہنا کر رخصت فرما دیا۔

[رضاعی بہن] کی عزت

ان قیدیوں میں دائی حلیمہ کی بیٹی شیما بنت الحارث بھی تھی۔ نبی ﷺ نے اس دودھ کی بہن کو پہچانا اور اس کی نشست کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ فرمایا اگر تم میرے پاس ٹھہرو تو بہتر ہے۔ اگر قوم میں واپس جانا ہے تو اختیار ہے اس نے واپس جانا چاہا اور اسے عزت و اکرام کے ساتھ اس کی قوم میں بھیج دیا گیا۔

مخلصین کے اخلاص کا نمونہ

مال غنیمت نبی ﷺ نے اسی جگہ تقسیم فرما دیا۔ عطیے کے بڑے بڑے حصے ان لوگوں کو عنایت فرمائے تھے' جو تھوڑے دن سے اسلام لائے تھے۔ انصار کو جو نہایت مخلصین تھے، ان میں سے کچھ بھی نہ دیا تھا۔ فرمایا: انصار کے ساتھ میں خود ہوں' لوگ مال لے کر اپنے اپنے گھر جائیں گے اور انصار نبی اللہ کو ساتھ لے کر اپنے گھروں میں داخل ہوں گے۔

انصار اس فرمودہ پر اتنے خوش تھے کہ مال والوں کو یہ مسرت حاصل نہ تھی۔

دو شاهد اند مرا خیبر و حنین که تو دهی بجود هر آن چ ه به فتح بستانی

_____ ۱- صحیح بخاری عن مسور و مروان کتاب المغازی، واقعہ حنین۔ [باب ۵۱، حدیث ۴۰۶۴]

باب چہارم

آنحضرت ﷺ کی بین الاقوامی پالیسی

فصل اول

یہودیوں کی شرارتیں

عہد شکنی، حملے اور مسلمانوں کی مدافعتیں

لفظ یہود سے اگرچہ صرف وہی ایک قبیلہ مراد ہونا چاہیے، جو یہودا ابن یعقوبؑ کی نسل سے تھا۔ لیکن اصطلاحاً بنی اسرائیل کے بارہ قبائل ہی کا نام یہی پڑ گیا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے ابتدائی زمانہ میں خدا کی مقبول اور برگزیدہ قوم تھی۔ لیکن آخر میں وہ خدا سے اس قدر دُور ہوتے گئے کہ خدا کے غضب کے مستحق ٹھہرے۔ حضرت مسیحؑ جیسے رحم دل نے ان کی حالتوں کو دیکھ کر انھیں سانپ اور سانپ کے بچے بتایا تھا اور یہ بھی خبر دی تھی کہ خدا کی بادشاہت اس قوم سے لے جا کر ایک دوسری قوم کو دے دی جائے گی جو اس کے اچھے پھل لائے۔[1]

جب اس بشارت کے ظہور کا وقت آگیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہترین تعلیم کی تبلیغ شروع کی تو یہود نے سخت پیچ و تاب کھایا اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی ویسا ہی ظلم و ستم کا آماجگاہ بنایا جائے، جیسا کہ مسیحؑ کو بنا چکے تھے۔

یہود اگرچہ ہجرت کے پہلے ہی سال معاہدہ کر کے امن عامہ کا پیمان باندھ چکے تھے، لیکن فطری شرارت نے زیادہ دیر تک چھپا رہنا پسند نہ کیا۔ معاہدہ سے ڈیڑھ سال ہی کے بعد شرارتوں کا آغاز ہو گیا۔

---

[1] متی ۲۱ باب ۴۳-۴۴

۔بلوہ، قتل اور بنو قینقاع کا اخراج

جب مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ بدر کی جانب گئے ہوئے تھے، انھی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلے میں دودھ بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے شرارت کی اور اسے سر بازار برہنہ کر دیا۔ عورت کی چیخ پکار سن کر ایک مسلمان موقع پر جا پہنچا۔ اس نے طیش میں آکر فساد انگیز یہودی کو قتل کر دیا۔ اس پر سب یہودی جمع ہو گئے، اس مسلمان کو بھی مار ڈالا اور بلوہ بھی کیا۔ نبی ﷺ نے بدر سے واپس آکر یہودیوں کو اس بلوہ کے متعلق دریافت کرنے کے لیے بلایا۔ انھوں نے معاہدہ کا کاغذ بھیج دیا اور خود جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہ حرکت اب بغاوت تک پہنچ گئی تھی اس لیے ان کو یہ سزا دی گئی کہ مدینہ چھوڑ دیں اور خیبر میں جا آباد ہوں۔

۲۔آپؐ کے قتل کی سازش اور بنو نضیر کی جلاوطنی

قریش کی سازشوں کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے کہ قریش نے مدینہ کے بت پرستوں کو نبی ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کی بابت خط لکھا تھا مگر آنحضرت ﷺ کی زیرکی و دانائی سے ان کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اب بدر میں شکست پانے کے بعد قریش نے یہود کو پھر لکھا کہ: ''تم جائدادوں اور قلعوں کے مالک ہو۔ تم محمد ﷺ سے لڑو۔ ورنہ ہم تمھارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے۔ تمھاری عورتوں کی پازیبیں تک اُتار لیں گے''۔ اس خط کے ملنے پر بنو نضیر نے عہد شکنی کا اور آنحضرت ﷺ سے فریب کرنے کا ارادہ کر لیا۔[۱]

۴ھ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ ایک قومی چندہ فراہم کرنے کے لیے بنو نضیر کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا اور تدبیر یہ کی کہ ابن جحاش ملعون دیوار کے اُوپر جا کر ایک بھاری پتھر نبی ﷺ پر گرا دے اور حضور ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ آنحضرت ﷺ کو وہاں جا بیٹھنے کے بعد باعلام ربانی اس شرارت کا علم ہو گیا اور حفاظتِ الٰہی سے بچ کر چلے آئے۔

۱۔ابوداؤد عن عبدالرحمن بن کعب بن مالک **باب فی خبر النضیر**۔

بالآخر بنو نضیر کو یہ سزا دی گئی کہ خیبر جا کر آباد ہو جائیں۔ انھوں نے چھ سو اُونٹوں پر اسباب لادا' اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا' باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیبر جا بسے۔[1]

۳-بغاوتِ عام اور غزوۂ خندق

۵ھ کا مشہور واقعہ جنگ خندق[2] ہے۔ بنو نضیر خیبر پہنچ کر بھی امن سے نہیں بیٹھے۔ انھوں نے یہ عزم کیا کہ مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک متفقہ کوشش کی جائے جس میں عرب کے تمام قبائل اور جملہ مذاہب کے جنگ جُو شامل ہوں۔ انھوں نے بیس سردار مقرر کیے کہ عرب کے تمام قبیلوں کو حملہ کے لیے آمادہ کریں' اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذی قعدہ ۵ھ میں دس ہزار[3] کا خونخوار لشکر' جس میں بت پرست' یہودی وغیرہ سب ہی شامل تھے' مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ قرآن مجید میں اس لڑائی کا نام جنگِ احزاب ہے۔

۱-قریش' بنو کنانہ' اہل تہامہ زیر کمان ابوسفیان بن حرب تھے۔

۲-بنی فزارہ' زیر کمان عقبہ بن حصین۔

۳-بنی مرہ' زیر کمان حارث بن عوف

۴-بنی اشجع واہل نجد زیر کمان مسعود بن دخیلہ۔[4]

مسلمانوں نے جب ان لشکروں سے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شہر کے گرد خندق کھود لی۔ دس دس آدمیوں نے چالیس چالیس گز خندق تیار کی تھی۔[5]

۱-یسعیاہ نبی کی کتاب ۶۰:۶ میں پیش گوئی موجود ہے: ''باغی لڑکے دولت و خزانہ لے کر اس قوم کے پاس جاتے ہیں جس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہو گا''۔ کچھ فائدہ [نہ] ہونے کا ظہور جنگ خیبر میں ہوا تھا۔ ۲-ہم نے اس جنگ کو یہودیوں کی جنگ میں شمار کیا ہے کیونکہ یہودی ہی تمام قبائل کو اشتعال دلانے اور مدینہ پر چڑھا کر لانے والے تھے۔ اگرچہ حملہ آوروں میں قریش بھی شامل تھے اور دیگر بت پرست بھی اور زیادہ تعداد بت پرستوں ہی کی تھی۔ ۳-زاد المعاد' ج ۱' ص ۳۶۷-۴۳۶-طبری' جلد ۲' ص ۳-۵-طبری' جلد ۲' ص ۲۔

صحابہؓ خندق کھودتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْاِسْلَامِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا [۱]

ہم وہ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کے لیے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی ہے۔

خندق کھودنے، پتھر توڑنے، مٹی ہٹانے میں نبی ﷺ خود بھی صحابہ کو مدد دیتے تھے۔ سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے اور ابن رواحہ کے اشعار ذیل کو بآواز بلند پڑھتے تھے:

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا اے خدا تیرے سوا ہم کو ہدایت تھی کہاں

فلا تصدّقنا ولا صلّینا کیسے پڑھتے ہم نمازیں، کیسے دیتے ہم زکوٰۃ

فانزلن سکینۃً علینا اے خدا، ہم پر سکینہ کا تو فرمادے نزول!

وثبّت الاقدام ان لاقینا دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یارب ثبات

ان الاعداء قد بغوا علینا بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں

اذا ارادوا فتنۃً ابینا [۲] فتنہ گر ہیں وہ، نہیں بھاتی ہمیں فتنہ کی بات

مسلمان صرف تین ہزار تھے۔ اسلامی لشکر مدینہ ہی کے اندر اس طرح اُترا کہ سامنے خندق تھی اور پس پشت کوہ سلع۔ [۳] بنو قریظہ یہودی جو مدینہ میں آباد تھے اور جن پر بپابندئ معاہدہ مسلمانوں کا ساتھ دینا ضروری و لابدی تھا۔ ان سے شب کی تاریکی میں حیی بن اخطب یہودی سردار بنو نضیر جا کر ملا اور انھیں نقضِ عہد پر آمادہ کر کے اپنی طرف ملالیا۔ نبی ﷺ نے اپنے کئی نقیب (حواری) بھی ان کے پاس بار بار سمجھانے کو بھیجے، مگر انھوں نے صاف صاف کہہ دیا: ''محمدؐ کون ہے کہ ہم اس کی بات مانیں اس کا ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں''۔ [۴] اس کے بعد بنو قریظہ نے شہر کے امن و امان میں بھی خلل ڈالنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو خطرہ میں ڈال دیا۔ بنابریں ان تین ہزار مسلمانوں میں سے بھی ایک حصہ کو شہر کے امن عامہ کی حفاظت کے لیے علیحدہ کرنا پڑا۔ بنو قریظہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جب باہر سے دس ہزار دشمن کا جرار لشکر حملہ آور ہوگا اور شہر کے اندر غدر پھیلا کر ہم مسلمانوں کی عافیت تنگ

_____ ۱- صحیح بخاری عن براء [کتاب الجہاد والسیر، باب ۳۳، حدیث ۳۶۷۹، بروایت انسؓ] ۲- صحیح بخاری عن انس رضی اللہ عنہ [کتاب الجہاد والسیر، باب ۱۵۸، حدیث ۲۸۷۰، باختلاف الفاظ: کتاب المغازی، باب ۲۷، حدیث ۳۸۷۸، ۳۸۸۰، کتاب القدر، باب ۱۵، حدیث ۶۲۴۶] ۳- زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۶۷۔ ۴- طبری و سیرت ابن ہشام، جلد ۲، ص ۱۴۱۔

کر دیں گے تو دنیا پر مسلمانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

نبی ﷺ کو چونکہ طبعاً جنگ سے نفرت تھی اس لیے آپؐ نے یہ بھی صحابہؓ سے مشاورت کی کہ حملہ آور سرداران غطفان سے ایک تہائی پیداوار ثمر (میوہ) پر صلح کر لی جائے۔ لیکن انصار نے جنگ کو ترجیح دی۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے اس تجویز کے متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جن دنوں ہم شرک کی نجاست میں آلودہ اور بت پرستی میں مبتلا تھے' ان دنوں بھی ہم نے ان کو ایک چھوہارہ تک نہیں دیا۔ آج جب خدا نے ہمیں اسلام سے مشرف فرما دیا ہے تو ہم انھیں کیونکر پیداوار کا ثلث دے سکتے ہیں۔ ان کے لیے ہمارے پاس تو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حملہ آور فوج کا محاصرہ بیس دن تک رہا۔ کبھی کبھی اِکے دُکے کا مقابلہ بھی ہوا۔ عمرو بن عبدود جو اپنے آپ کو ہزار جوانوں کے برابر سمجھا کرتا تھا۔ حیدر کرار علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ بھی مقابلہ میں ہلاک ہوا۔ اہل مکہ نے نوفل کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم مسلمانوں کو پیش کیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لاش دے دو' قیمت درکار نہیں۔[1] جب وہ اس عرصہ میں محصور مسلمانوں سے کوئی مورچہ نہ لے سکے تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ آخر ایک رات تمام لشکر اپنے ڈیرے ڈنڈے اُٹھا کر رفو چکر ہو گیا۔

بنو قریظہ کا انجام

اس مصیبت سے رہائی کے بعد نبی ﷺ نے بنو قریظہ کو بلا بھیجا کہ وہ سامنے آ کر اپنے اس طرز عمل کی وجہ بیان کریں۔ اب بنو قریظہ قلعہ بند ہو بیٹھے اور لڑائی کی پوری تیاری کر لی۔ اس وقت مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب جو بنو قریظہ کو مسلمانوں سے مخالف بنانے آیا تھا' اب تک ان کے قلعے کے اندر موجود ہے۔ بنو قریظہ کا یہ غدر ان کی پہلی حرکت ہی نہ تھی' بلکہ جنگ بدر میں انھوں نے قریش کو (جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے) سلاحات سے مدد دی تھی مگر اس وقت رحم دل نبی ﷺ نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا تھا۔

---

[1] ابن ہشام [ج ۲، ص ۹۵]

اب ان کے قلعہ بند ہو جانے سے مسلمانوں کو مجبوراً لڑنا پڑا۔ بماہ ذی الحجہ محاصرہ کیا گیا جو ۲۵ دن تک رہا۔ محاصرہ کی سختی سے بنو قریظہ تنگ آ گئے۔ انھوں نے قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو جن سے ان کا پہلے ربط و ضبط تھا، بیچ میں ڈالا اور نبی ﷺ سے منوا لیا کہ بنو قریظہ کے معاملے میں سعد بن معاذ کو (جو اوس کے سردارِ قبیلہ تھے) حکم (سرپنچ اور منصف) تسلیم کیا جائے۔ جو فیصلہ سعد کر دے، خدا کا نبی (ﷺ) اسی کو منظور کرے۔

[سعد بن معاذؓ کا فیصلہ]

بنو قریظہ قلعہ سے نکل آئے اور مقدمہ سعد بن معاذؓ کے سپرد کیا گیا۔ خدا جانے بنو قریظہ کے یہودیوں اور اوس کے مسلمانوں نے سعد بن معاذؓ کو حکم بناتے ہوئے کیا کیا اُمیدیں ان پر لگائی ہوں گی مگر ضروری تحقیقات کے بعد اس جنگی مرد نے یہ فیصلہ دیا:

۱- بنو قریظہ کے جنگ جُو مرد قتل کیے جائیں۔

۲- عورتیں اور بچے مملوک [غلام] بنائے جائیں۔

۳- مال تقسیم کیا جائے۔

اس فیصلہ کی تعمیل کے متعلق صحیح بخاری میں جو روایت ابو سعید خدریؓ سے ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آور مرد قتل کیے گئے تھے، لیکن اس حدیث میں عورتوں اور بچوں کے مملوک بنائے جانے کا کچھ ذکر نہیں۔ اس فیصلہ کے متعلق ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ یہودیوں کو ان کے اپنے منتخب کردہ منصف نے قریباً وہی سزا دی تھی جو یہودی

۱- قریباً وہی سزا اس لیے لکھا گیا ہے کہ یہودی اپنے قیدیوں کو اس سے زیادہ سخت سزا دیا کرتے تھے۔ کتاب تورات میں گنتی کا ۳۱ باب از ۶ تا ۳۵ ورس ناظرین پڑھ کر دیکھیں۔ ''۹- بنی اسرائیل نے مدعیان کی عورتوں، ان کے بچوں کو اسیر کیا، ان کے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وے رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا۔ ۱۴- موسیٰؑ... غصہ ہوا۔ ۱۵- کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا؟'' ۱۷- تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کر دو... اور ہر عورت جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو''۔ ۱۸ لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں۔ ان کو اپنے لیے زندہ رکھو... رگ وید جو تھے منڈل کے منتر ۱۶، رچا ۱۰ میں ہے: ''اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں تباہ و غارت کیا''۔ صفحہ ۳۴۔ قدیم ہندوستان رگ وید، منڈل ۱۰، منتر ۴۹، رچا ۷۔ ''ہم نے داسوں (غلاموں) کو دو ٹکڑوں میں قطع کر دیا۔ قضا و قدر نے ان کو اسی واسطے پیدا کیا''۔ صفحہ ۳۸۔ رگ وید منڈل ۲، منتر ۲۰، رچا ۶، ۷۔ وہ اندر جس نے ورترا کو قتل کیا اور جس نے قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہ و بالا کر دیے وہ جو کالے داسوں کی فوجوں کو تباہ کرتا ہے'' ص ۳۷۔ اردو ترجمہ قدیم ہندوستان کی تہذیب مصنفہ مسٹر آر۔ سی دت صاحب۔

اپنے دشمنوں کو دیا کرتے تھے اور جو ان کی شریعت میں ہے۔

ہمارے پاس یہ امر باور کرنے کی وجوہات اور نظائر موجود ہیں کہ اگر بنو قریظہ اپنا معاملہ نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دیتے تو ان کو زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جاتی وہ یہ ہوتی کہ جاؤ خیبر میں آباد ہو جاؤ۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کا معاملہ اس کی نظیر ہے۔ نبی ﷺ نے تو ان بنو قریظہ میں سے بھی بعض کو رحم شاہانہ سے اس فیصلہ کی تعمیل سے مستثنیٰ فرما دیا تھا۔ مثلاً زہیر یہودی کے لیے مع اہل و عیال و فرزند و مال رہائی کا حکم دے دیا تھا اور رفاعہ بن شموئیل یہودی کی بھی جان بخشی فرما دی۔[1]

فصل دوم

عیسائیوں سے [معاملات]

عیسائی اقوام سے نبی ﷺ کا برتاؤ اچھا رہا۔ ایک دو حاکمانِ ملک نے شخصی طور پر آنحضرت ﷺ سے عناد کیا لیکن جمہور کا اس سے تعلق نہ تھا۔ تفصیل سے اس کی توضیح ہوتی ہے کہ صرف ایک عیسائی سردار کے ساتھ ایک جنگ ہوئی، اور ایک سفرِ ان کے حملہ آور ہونے کی خبر اُڑ جانے پر کیا گیا ہے اور بس۔

داعیِ اسلام کا انتقام (جنگ موتہ)

(بماہ جمادی الاولیٰ ۸ھ:) موتہ شام کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ یہاں کے سردار شُرَحبیل بن عمرو غسانی نے نبی ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو جو دعوتِ اسلام کا خط لے کر غسانی حکمران کے پاس گئے تھے، قتل کرا دیا تھا۔

۱- تاریخ طبری، ج ۲، ص ۵۷-۵۸۔

مظلوم حارث رضی اللہ عنہ کے قتل سے سفیروں کی جانیں خطرے میں پڑ گئی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے قریباً تین ہزار کی ایک فوج روانہ کی۔ حاکم غسان نے اپنی کارروائی پر ندامت کا بھی اظہار نہ کیا وہ تو مقابلہ پر تیار ہو گیا۔ اتفاق سے ہرقل بادشاہ اس علاقہ میں آیا ہوا تھا اور موآب میں ایک لاکھ لشکر کی جمعیت سے ٹھیرا ہوا تھا۔ عرب کے صحرانشین عیسائی قبائل لخم، جذام، بہراء، بلی [اور] قیس وغیرہ کے بھی قریباً ایک لاکھ آدمی شہنشاہ ہرقل کی آمد پر وہاں جمع تھے۔ اس لیے حاکم غسان نے کچھ شاہی فوج بھی منگوالی اور قبائل کو بھی جمع کر لیا۔ غرض دشمنوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ مسلمان مجبوراً لڑے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) جو نبی ﷺ کے پروردہ، نہایت عزیز اور اس فوج کے کمانڈر تھے شہید[1] ہو گئے۔ (جعفر طیار رضی اللہ عنہ) جو نبی ﷺ کے چچیرے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بڑے بھائی تھے، بعمر ۳۳ سال (۹۰ زخم سامنے کی طرف کھا کر اور عبداللہ بن رواحہ) بزرگ صحابی (جنھوں نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد فوج کی کمان سنبھالی تھی، شہید ہو گئے۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوج کو سنبھالا اور ڈیڑھ دن کی سخت جنگ کے بعد اپنے سے چالیس گنی سے زیادہ فوج کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں ۹ تلواریں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں لڑتے لڑتے ٹوٹی تھیں۔[2]

نبی ﷺ نے مدینہ میں بیٹھے ہوئے ان بزرگوں کے مارے جانے اور جنگ کے آخری انجام کا حال صحابہؓ سے اسی دن بیان فرما دیا تھا۔ اسی جنگ کے بعد خالد کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔

جیش عسرت یا سفر تبوک

(رجب ۹ھ): ۴ ایک قافلہ شام سے آیا اور انھوں نے ظاہر کیا کہ قیصر

۱- زید بن حارثہؓ چھاتی میں نیزہ کھا کر گھوڑے سے گرے، ان کے ہاتھ میں نشان [پرچم] تھا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نشان سنبھال لیا۔ حملہ آوروں نے حضرت جعفر کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ یہ پیدل ہو گئے، ایک دشمن نے ان کا دہنا بازو تلوار سے اڑا دیا۔ انھوں نے بائیں ہاتھ سے نشان سنبھال لیا۔ دوسرے دشمن نے دوسرا بازو تلوار سے اُڑا دیا۔ اس لیے ان کا لقب ذوالجناحین ہوا (ابن خلدون) ۲- صحیح بخاری عن ابن عمر باب غزوہ موتہ۔ [کتاب المغازی، باب ۴۲، حدیث ۴۰۱۳] ۳- بخاری عن قیس بن ابی حازم۔ [کتاب المغازی، باب غزوۃ مؤتہ، حدیث ۴۰۱۷] ۴- چونکہ کوئی جنگ نہیں ہوئی اس لیے میں نے اس کا نام سفر رکھا ہے۔ مورخین اسے غزوۂ تبوک اس لیے لکھتے ہیں کہ یہ سفر بغرض مدافعت فوجی تھا۔

کی فوجیں مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار اور فراہم ہو رہی ہیں۔ عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ، غسان وغیرہ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں۔ گویا وہ اس شکست کا بدلہ لینا چاہتے تھے جو بمقام موتہ، قیصر کے حاکم اور قیصر کی فوج کو ہوئی تھی۔

نبی ﷺ نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت عرب کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے پہلے مناسب ہے تاکہ اندرونِ ملک کے امن میں خلل واقع نہ ہو۔ یہ مقابلہ ایسی سلطنت سے تھا جو نصف دنیا پر حکمران تھی اور جس کی فوج ابھی حال ہی میں سلطنت ایران کو نیچا دکھا چکی تھی۔ مسلمان بے سروسامان تھے۔ سفر دُور دراز کا تھا۔ عرب کی مشہور گرمی خوب زوروں پر تھی۔ مدینہ میں میوے پک گئے تھے۔ میوے کھانے اور سایہ میں بیٹھنے کے دن تھے۔ نبی ﷺ نے تیاریِ سامان کے لیے عام چندہ کی فہرست کھولی۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۹۰۰ اُونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیے۔ ان کو مجہز جیش العسرۃ کا خطاب املا۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام اثاث البیت نقد و جنس کا نصف جو کئی ہزار روپیہ تھا، پیش کیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ لائے اگرچہ وہ قیمت میں کم تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے سوا اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑ کر آئے تھے۔ ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے دو سیر چھوہارے لا کر پیش کیے اور یہ بھی عرض کی کہ "رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیر اب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری کے لایا تھا۔ دو سیر بیوی بچے کے لیے چھوڑ کر باقی دو سیر لے آیا ہوں"۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ قیمتی مال و متاع کے اُوپر بکھیر دو۔

غرض ہر صحابی نے اس موقع پر ایسے ہی خلوص و فراخ دلی سے کام لیا۔ قریباً ۸۲ شخص جو دکھاوے کے مسلمان تھے، بہانے کر کے اپنے گھروں میں رہ گئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق

۱- ترجمہ یہ ہے کہ فاقہ زدہ لشکر کا سامان بنا دینے والا (ابن خلدون)۔

نے ان لوگوں کو اطمینان دلایا تھا کہ اب محمد ﷺ اور اس کے ساتھی مدینہ واپس نہ آسکیں گے۔ قیصر انھیں قید کر کے مختلف ممالک میں بھیج دے گا۔ خدا کا نبی ۳۰ ہزار کی جمعیت سے تبوک کو روانہ ہوا۔ مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو خلیفہ بنایا اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اہل بیت کی ضروریات کے لیے مامور فرمایا۔

لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ ۱۸ شخصوں کے لیے ایک اُونٹ مقرر تھا' رسد کے نہ ہونے سے اکثر جگہوں پر درختوں کے پتے کھانے پڑے۔ جس سے ہونٹ سوج گئے تھے۔ پانی بعض جگہ ملا ہی نہیں۔ اُونٹوں کو (اگرچہ سواری کے لیے پہلے ہی کم تھے) ذبح کر کے اُن کی امعا کا پانی پیا کرتے تھے۔[۳] الغرض صبر و استقلال سے تمام تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے تبوک پہنچ گئے۔ ابھی تبوک کے راستے ہی میں تھے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ منافقین بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چڑانے اور کھجانے لگے تھے۔ کوئی کہتا نکما کہہ کر چھوڑ دیا۔ کوئی کہتا ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ ان باتوں سے شیرِ خدا کو غیرت آئی۔ دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ لمبے لمبے سفر اور سخت گرمی کی تکلیف سے پاؤں متورم تھے اور چھالے پڑ گئے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

اَلاَ تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اَلاَ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ علی[الثلثة]! تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ویسے ہو جیسا کہ موسیٰ کے لیے ہارون تھے۔ گو میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ سن کر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خوش و خرم مدینہ کو واپس تشریف لے گئے۔[۴]

تبوک میں قیام اور نبی ﷺ کا ایمان افروز خطبہ

تبوک پہنچ کر نبی ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا۔ اہل شام پر اس حرکت کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے

۱- طبری۔ [ج۳، ص۱۰۳۔ ابن ہشام نے خلیفہ کا نام محمد بن مسلمہ الانصاری ذکر کیا ہے۔] ۲- صحیحین۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب ۷۴، حدیث ۴۱۵۴۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب ۴، حدیث ۲۴۰۴] ۳- مدارج النبوۃ۔ ۴- صحیح بخاری عن مصعب بن سعد عن ابیہ باب غزوۃ تبوک [کتاب المغازی، باب ۷۴، حدیث ۴۱۵۴، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ۹، حدیث ۳۵۰۳] حضرت موسیٰؑ حضرت ہارون کو بنی اسرائیل پر اس وقت چھوڑ گئے تھے جب انھوں نے کوہ طور پر ۴۰ دن کا میقات پورا کیا تھا۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مفصل ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے بعد حضرت موسیٰؑ کے جو خلیفہ ہوئے ان کا نام یوشع بن نون ہے۔

عرب پر حملہ آور ہونے کا خیال اُس وقت چھوڑ دیا اور اس حملہ آوری کا بہترین موقع آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا۔ تبوک[1] میں ایک نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ہم نے اس میں صرف اس قدر تصرف کیا ہے کہ ہر فقرہ پر نمبر شمار لگا دیئے ہیں۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

۱-فان اصدق الحدیث کتاب اللّٰہ ۱-ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے۔

۲-واوثق العرٰی کلمۃ التقوٰی ۲-سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے۔

۳-وخیر الملل ملۃ ابراھیم ۳-سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیمؑ کی ہے۔

۴-وخیر السنن سنۃ محمد ﷺ ۴-سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔

۵-واشرف الحدیث ذکر اللہ ۵-سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے۔

۶-واحسن القصص ھذا القراٰن ۶-سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔

۷-وخیر الامور عوازمُھا ۷-بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔

۸-وشر الامور محدثاتھا ۸-امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہو۔

۱-فلاڈلفیا کا قدیم کنیسا جس کا ذکر مکاشفات یوحنا ۳ باب ۷ تا ۱۳ درس میں ہے، تبوک ہی کے متصل تھا۔ عرب اسے القصر کہتے تھے۔ حجاز ریلوے کی سڑک میں اس کے کھنڈر بھی پائے گئے۔ زمانۂ نبویؐ میں اس جگہ عیسائی قومیں آباد تھیں اس لیے ایام قیام تبوک میں ان اقوام میں تبلیغ اسلام بھی کی گئی اور ان سے معاہدات بھی کیے گئے۔ عیسائیت پر قائم رہنے والی اقوام کو مذہب کی آزادی دی گئی اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں نے اپنے اُوپر لیا۔ اس طرف چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی عیسائیوں کی تھیں مثلاً اکیدر دومۃ الجندل میں حکمران تھا اور یوحنا ایلہ کا فرماں روا تھا۔ ان کی حکومتوں کو قائم رکھا گیا۔ اہل ادرج بھی عیسائی تھے اور آزاد قبائل تھے۔ ان کو ان کی حالت پر چھوڑا گیا۔ معاہدات میں جس فیاضی، بے تعصبی بلکہ محبت کا اظہار کیا گیا ہے وہ آج تک مسلمہ ہے۔ عیسائیوں نے نئے یروشلم اور خدا کا نیا نام جس کا ذکر مکاشفات ۳ باب ۱۲ درس میں ہے، اسی جگہ سنا تھا--- اکیدر والی دومۃ الجندل جسے خالد بن ولید نے شکار کھیلتے گرفتار کیا تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معاہدہ کرنے کے بعد پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

۹-واحسن الھدیِ ھدیُ الانبیاء۹-انبیا کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے۔

۱۰-واشرف الموت قتل الشھداء ۱۰-شہیدوں کی موت موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے۔

۱۱-واعمی العمی الضلالۃ بعد الھدی ۱۱-سب سے بڑھ کر اندھاپن وہ گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جائے۔

۱۲-خیر الاعمال ما نفع ۱۲- عملوں میں وہ عمل اچھا ہے جو نفع دہ ہو۔

۱۳-خیر الھدیٰ ما اتبع ۱۳-بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں۔

۱۴-وشر العمی عمی القلب ۱۴-بدترین کوری دل کی کوری ہے۔

۱۵-والید العلیا خیر من الید السفلیٰ ۱۵-بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

۱۶-وما قل وکفی خیر ما کثر والھی ۱۶- تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے۔

۱۷-شر المعذرۃ حین یحضر الموت ۱۷-بدترین معذرت (توبہ) وہ ہے جو جان کنی کے وقت کی جائے۔

۱۸-وشر الندامۃ یوم القیامۃ ۱۸-بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت کو ہو گی۔

۱۹-ومن الناس لا یاتی الجمعۃ الا دبرًا ۱۹- بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔

۲۰-ومن لا یذکر اللہ الا ھجرا ۲۰-ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔

۲۱-ومن اعظم الخطاء اللسان الکذوب ۲۱-سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔

۲۲-وخیر الغنیٰ غنی النفس ۲۲-سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے۔

۲۳-وخیر الزاد التقویٰ ۲۳-سب سے عمدہ توشہ تقویٰ ہے۔

۲۴-وراس الحکمۃ مخافۃ اللہ عزّ وجلّ ۲۴-دانائی کا سر یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو۔

۲۵-وخیر ما وقر فی القلوب الیقین ۲۵-دل نشین ہونے کے لیے بہترین چیز یقین ہے۔

۲۶-والارتیاب من الکفر ۲۶-شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے۔

۲۷-والنیاحۃ من عمل الجاھلیۃ ۲۷-بین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔

۲۸-والغلول من حرّ جھنّم ۲۸-چوری کرنا عذاب جہنم کا سامان ہے۔

۲۹-والسکر کیٌّ من النار ۲۹-بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے۔

۳۰-والشعر من ابلیس ۳۰-شعر ابلیس کا (حصہ) ہے۔

۳۱-والخمر جماع الاثم ۳۱-شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۳۲-وشر المأکل اکل مال الیتیم ۳۲-بدترین روزی یتیم کا مال کھا جانا ہے۔

۳۳-والسعید من وعظ بغیرہ ۳۳-سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے۔

۳۴-الشقی من شقی فی بطن امہ ۳۴-اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو۔

۳۵-وملاک العمل خواتمہ ۳۵-عمل کا سرمایہ اس کا بہترین انجام ہے۔

۳۶-وشر الرؤیا رؤیا الکذب ۳۶-بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہو۔

۳۷-وکل ماھو آتٍ قریب ۳۷-جو بات ہونے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔

۳۸-وسباب المومن فسوق ۳۸-مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

۳۹-وقتالہ کفرٌ ۳۹-مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔

۴۰-واکل لحمۃ من معصیۃ اللہ ۴۰-مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔

۴۱-وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ ۴۱-مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کی اپنی جان۔

۴۲-ومن یتعالی علی اللہ یکذبہ ۴۲-جو خدا سے استغنا کرتا ہے' خدا اسے جھٹلاتا ہے۔

۴۳-ومن یغفر یغفر اللہ لہ ۴۳-جو کسی کا عیب چھپاتا ہے خدا اس کے عیب چھپاتا ہے۔

۴۴-ومن یعف یعف عنہ ۴۴-جو معافی دیتا ہے' اسے معافی دی جاتی ہے۔

۴۵-ومن یکظم الغیظ یاجرہ اللہ ۴۵-جو غصہ کو پی جاتا ہے' خدا اسے اجر دیتا ہے۔

۴۶-ومن یصبر علی الرزیۃ یعوضہ اللہ ۴۶-جو نقصان پر صبر کرتا ہے' خدا اسے اجر دیتا ہے۔

۴۷-ومن یتبع السمعۃ یسمع اللہ ۴۷-جو چغلی کو پھیلاتا ہے' خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔

۴۸-ومن یصبر یضعف اللہ لہ ۴۸-جو صبر کرتا ہے' خدا اسے بڑھاتا ہے۔

۴۹-ومن یعص اللہ یعذبہ اللہ ۴۹-جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اُسے عذاب دیتا ہے۔

۵۰-ثم استغفر ثلثًا ۵۰-پھر تین دفعہ استغفار پڑھ کر (آنحضرت ﷺ نے اس خطبہ کو ختم فرمایا)[1]

[ایک مفلس و مخلص صحابی] ذوالبجادینؓ کی وفات

ایام قیامِ تبوک میں ذوالبجادین کا انتقال ہوا۔ اس مخلص کے ذکر سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مفلس و مخلص صحابہؓ پر کس قدر مزید لطف و عنایات فرمایا کرتے تھے۔

ان کا نام عبداللہ تھا۔ ابھی بچہ ہی تھے کہ باپ مر گیا۔ چچا نے پرورش کی تھی۔ جب جوان

۱- بیہقی (المتوفی ۵۵۸ھ) فی الدلائل وحاکم من حدیث عقبہ بن عامر منقول از زاد المعاد، جلد ۱، ص ۴۶۲] یہ خطبہ البدایۃ والنہایۃ اور تاریخ ابن کثیر میں بھی موجود ہے۔ وہاں فقرہ ۲۸ میں 'حَرّ' کی جگہ حشی کا لفظ درج ہے، فقرہ ۳۲ میں **ماکل مال الیتیم** کی جگہ **اکل مال الیتیم** ہے۔ فقرہ ۳۴، ۳۵ کے درمیان یہ فقرہ زیادہ ہے: **وانما یصیر احدکم الی موضع اربعۃ اذرع والامر الی الآخرۃ**۔ تم میں سے ہر شخص کو چار ہاتھ کی جگہ (یعنی قبر) میں جانا ہے اور معاملہ آخرت کے لیے مؤخر ہے۔ فقرہ ۴۲ میں لفظ یتألی کا ترجمہ مؤلف نے 'استغنا کرنا' کیا ہے، مگر اس کا درست ترجمہ 'قسم کھانا' ہے۔ دیکھیے لسان العرب، مادہ: ال ی۔ (مدوّن)]

ہوئے تو چچا نے اُونٹ، بکریاں، غلام دے کر ان کی حیثیت درست کر دی تھی۔ عبداللہ نے اسلام کے متعلق کچھ سنا اور دل میں توحید کا ذوق پیدا ہوا، لیکن چچا سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اظہار اسلام نہ کر سکا۔

جب نبی ﷺ فتح مکہ سے واپس گئے تو عبداللہ نے چچا سے جا کر کہا: ''پیارے چچا! مجھے برسوں انتظار کرتے گزر گئے کہ کب آپ کے دل میں اسلام کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور آپ کب مسلمان ہوتے ہیں، لیکن آپ کا حال وہی پہلے کا سا چلا آتا ہے۔ میں اپنی عمر پر زیادہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت فرمایئے کہ میں مسلمان ہو جاؤں''۔

چچا نے جواب دیا: ''دیکھ! اگر تو محمدؐ کا دین قبول کرنا چاہتا ہے تو میں سب کچھ تجھ سے چھین لوں گا۔ تیرے بدن پر چادر اور تہبند تک باقی نہ رہنے دُوں گا''۔

عبداللہ نے جواب دیا: ''چچا صاحب! میں مسلمان ضرور بنوں گا اور محمد ﷺ کا اتباع کروں گا۔ شرک اور بت پرستی سے میں بیزار ہو چکا ہوں۔ اب جو آپ کا منشا ہے کیجیے اور جو کچھ میرے قبضے میں زر و مال وغیرہ ہے سب سنبھال لیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ ان سب چیزوں کو آخر ایک روز یہیں دنیا میں چھوڑ جانا ہے۔ اس لیے میں ان کے لیے سچے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔''

عبداللہ نے یہ کہہ کر بدن کے کپڑے تک اُتار دیے اور مادر زاد برہنہ ہو کر ماں کے پاس گیا۔ ماں دیکھ کر حیران ہوئی کہ کیا ہوا۔ عبداللہ نے کہا: میں مومن اور موحد ہو گیا ہوں۔ نبی ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ ستر پوشی کے لیے کپڑے کی ضرورت ہے، مہربانی فرما کر دے دیجیے۔ ماں نے ایک کمبل دے دیا۔ عبداللہ نے کمبل پھاڑا، آدھے کا تہبند بنا لیا، آدھا اُوپر لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ علی الصبح مسجد نبویؐ میں پہنچ گیا اور مسجد کی دیوار سے ٹیک لگا کر منتظرانہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ جب مسجد مبارک میں آئے تو اُسے دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو؟ کہا: میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔ فقیر و مسافر ہوں۔ عاشق جمال اور طالب ہدایت ہو کر در و دولت تک آ پہنچا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: تمھارا نام عبداللہ ہے، ذوالبجادین لقب، تم ہمارے قریب ہی ٹھہرو اور مسجد میں رہا کرو۔

عبداللہ اصحابِ[1] صفہ میں شامل ہو گیا۔ نبی ﷺ سے قرآن سیکھتا اور دن بھر عجب ذوق و شوق اور جوش و نشاط سے پڑھا کرتا۔

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کی قراءت میں مزاحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عمرؓ اسے کچھ نہ کہو' یہ تو خدا اور رسولؐ کے لیے سب کچھ چھوڑ کر آیا ہے۔

عبداللہ کے سامنے غزوۂ تبوک کی تیاری ہونے لگی تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا: یارسول اللہؐ! دعا فرمایئے کہ میں بھی راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جاؤ' کسی درخت کا چھلکا اُتار لاؤ۔ جب عبداللہ چھلکا لے آئے تو نبی ﷺ نے وہ چھلکا ان کے بازو پر باندھ دیا اور زبانِ مبارک سے فرمایا: ''الٰہی! میں کفار پر اس کا خون حرام کرتا ہوں''۔ عبداللہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! میں تو شہادت کا طالب ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: جب غزا کی نیت سے تم نکلو اور پھر تپ [بخار] آجائے اور مر جاؤ' تب بھی تم شہید ہی ہو گے۔ تبوک پہنچ کر یہی ہوا کہ تپ چڑھی اور عالمِ بقا کو سدھار گئے۔

مخلص غریب کی تدفین میں نبی ﷺ کا اسوہ

بلال بن حارث مزنی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ کے دفن کی کیفیت دیکھی ہے۔ رات کا وقت تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس کی لاش کو لحد میں رکھ رہے تھے۔ نبی ﷺ بھی اس کی قبر میں اُترے اور ابوبکرؓ و عمرؓ سے فرما رہے تھے: اَدْنِیَا اِلٰی اَخَاکُمْ (اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو) آنحضرت ﷺ نے قبر پر اینٹیں بھی اپنے ہاتھ سے

---

[1] صفہ چبوترے کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک چبوترہ تھا جو لوگ گھر بار تج کر دنیا کا زر و مال' آسائش و آرام چھوڑ کر تعلیم دین و اسلام کے لیے آیا کرتے تھے وہ اس چبوترے پر ٹھہرا کرتے تھے اس لیے اہل صفہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ عاشقانِ صداقت بھوک پیاس کی مصیبت اور گرمی سردی کی تکالیف برداشت کرتے مگر دنیا کی کوئی تکلیف اسلام کی تعلیم اور قرآن مجید کا درس لینے سے ان کی روک نہ بن سکتی تھی۔ انھی میں سے وہ لوگ تیار ہوتے تھے جو مختلف ملکوں میں جا کر اشاعت اسلام کرتے تھے۔ انھی میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو پانچ ہزار احادیث کے راوی اور اسلام کے مبلغ ہیں۔ زیادہ مفصل حال ہماری کتاب سبیل الرشاد یعنی سفر نامہ حجاز میں پڑھنا چاہیے۔

رکھیں اور پھر دعا میں فرمایا: ''الٰہی! آج کی رات) شام (تک میں اس سے خوشنود رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا''۔[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کاش، اس قبر میں، میں دبایا جاتا''۔

[مدینہ میں واپسی اور منافقین کے اعذار]

نبی ﷺ تبوک سے مع الخیر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جو منافقین یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب محمد ﷺ اور اس کے دوست قید ہو کر کسی دُور دست جزیرہ میں بھیجے جائیں گے اور صحیح و سالم مدینہ نہ پہنچیں گے وہ اب پشیمان ہوئے اور انھوں نے ساتھ نہ چلنے کے جھوٹ موٹ عذر بنائے۔ نبی ﷺ نے سب کو معافی دے دی لیکن تین مخلص صحابی بھی تھے جو اپنی معمولی سستی و کاہلی کی وجہ سے ہمرکاب جانے سے رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی صداقت کی وجہ سے ایک امتحان بھی دینا پڑا۔ ان میں سے ایک بزرگ صحابی نے اپنے متعلق جو کچھ اپنی زبان سے بیان کیا ہے، میں اسی کو اس جگہ لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ بزرگوار کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہیں اور ان ۷۳ سابقین میں سے ہیں جو عقبہ کی بیعتِ ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے اور شعراء خاص میں سے تھے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا امتحان

کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سفر میں میرا گھر پر رہ جانا ابتلا محض تھا۔ ایسا کرنے کا نہ میرا ارادہ تھا اور نہ کوئی عذر تھا، سفر کا جملہ سامان مرتب تھا۔ عمدہ اُونٹنیاں میرے پاس موجود تھیں۔ میری حالت ایسی اچھی تھی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس سفر کے لیے میں نے دو مضبوط شتر بھی خرید کیے تھے حالانکہ اس سے پیشتر میرے پاس دو اُونٹ کبھی نہ ہوئے تھے۔ لوگ سفر کی تیاری کرتے تھے اور مجھے ذرا تردّد نہ تھا۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ جس روز کوچ ہو گا، میں چل پڑوں گا۔ لشکر اسلام جس روز روانہ ہوا، مجھے کچھ تھوڑا سا کام تھا۔ میں نے کہا: خیر میں کل جا ملوں گا۔ دو تین روز اسی طرح سستی اور تذبذب میں گزر گئے۔ اب لشکر اتنی دُور نکل گیا تھا کہ اس سے مل سکنا مشکل ہو گیا۔ مجھے صدمہ تھا کہ یہ کیا ہوا۔

میں ایک روز گھر سے نکلا۔ مجھے ان منافقین کے سوا جو جھوٹ موٹ عذر کرنے کے عادی

---

[1] ۔ مدارج النبوۃ، ص ۴۲۳، جلد دوم۔

تھے یا جو معذور تھے اور کوئی بھی راستے میں نہ ملا۔ یہ دیکھ کر میرے تن بدن کو رنج و غم کی آگ لگ گئی۔ یہ دن میرے اسی طرح گزر گئے کہ نبی ﷺ واپس بھی تشریف لے آئے۔ اب میں حیران تھا کہ کیا کروں اور کیا کہوں اور کیونکر خدا کے رسول کے عتاب سے بچاؤ کروں۔ لوگوں نے مجھے بعض حیلے بہانے بتائے مگر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ نجات سچ ہی سے مل سکتی ہے۔ آخر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا' تبسم خشم آمیز تھا' میرے تو ہوش اسی وقت جاتے رہے۔

نبی ﷺ نے پوچھا: کعب تم کیوں رہ گئے تھے کیا تمھارے پاس کوئی سامان مہیا نہ تھا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس تو سب کچھ تھا۔ میرے نفس نے مجھے غافل بنایا' کاہلی نے مجھ پر غلبہ کیا۔ شیطان نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھے حرمان و خذلان کے گرداب میں ڈال دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھر ٹھہرو اور حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ بعض لوگوں نے کہا: دیکھا! اگر تم بھی کوئی حیلہ بنا لیتے تو ایسا نہ ہوتا۔ میں نے کہا: ''وحی الٰہی سے میرا جھوٹ کھل جاتا اور پھر میں کہیں کا بھی نہ رہتا۔ معاملہ کسی دنیادار سے نہیں بلکہ اللہ کے رسول کے ساتھ ہے''۔ میں نے دریافت کیا کہ ''جو حکم میرے لیے ہوا ہے' کسی اور کے لیے بھی ہوا ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں! ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع کی بھی یہی حالت ہے''۔ یہ سن کر مجھے ذرا تسلی ہوئی کہ دو مرد صالح اور بھی مجھ جیسی حالت میں ہیں۔

پھر رسولِ خدا نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ہمارے ساتھ بات چیت نہ کرے اور نہ ہمارے پاس آکر بیٹھے اب زندگی اور دنیا ہمارے لیے وبال معلوم ہونے لگی۔ ان دنوں میں ہلال اور مرارہ تو گھر سے بھی باہر نہ نکلے کیونکہ وہ بوڑھے بھی تھے' لیکن میں جوان اور دلیر تھا' گھر سے نکلتا' مسجد نبویؐ میں جاتا' نماز پڑھ کر مسجد مبارک کے ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا۔ نبی ﷺ محبت بھری نگاہ اور گوشۂ چشم سے مجھے دیکھا کرتے۔ میری شکستگی ملاحظہ فرمایا کرتے اور جب میں حضور ﷺ کی جانب آنکھ اُٹھاتا تو حضور ﷺ اعراض فرماتے۔

[اطاعت امر کی شان دار مثال] اللہ و رسولہٗ اعلم

مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ کوئی مجھ سے بات کرتا نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک روز میں نہایت رنج والم میں مدینہ سے باہر نکلا۔ ابو قتادہ میرا چچیرا بھائی تھا اور ہم

دونوں میں نہایت محبت تھی۔ سامنے اس کا باغ تھا۔ وہ باغ میں کچھ عمارات بنوا رہا تھا۔ میں اس کے پاس چلا گیا' اُسے سلام کیا تو اُس نے جواب تک نہ دیا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا: ''ابو قتادہ! تم خوب جانتے ہو کہ میں خدا اور رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک کا میرے دل پر اثر نہیں۔ پھر تم کیوں مجھ سے بات نہیں کرتے؟ ابو قتادہ نے اب بھی جواب نہ دیا۔ جب میں نے تین بار اسی بات کو دہرایا تو چچیرے بھائی نے صرف اس قدر جواب دیا کہ ''اللہ اور رسول ﷺ ہی کو خوب معلوم ہے''۔ مجھے بہت ہی رقّت ہوئی اور میں خوب ہی رویا۔

[ایک اور مصیبت] شاہ غسان کا خط

میں شہر میں لوٹ آیا تو مجھے ایک عیسائی ملا۔ یہ مدینہ میں مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے بتا دیا کہ وہ یہی شخص ہے۔ اس کے پاس بادشاہِ غسان کا ایک خط میرے نام تھا۔ خط میں لکھا تھا:

''ہم نے سنا ہے کہ تمھارا آقا تم سے ناراض ہو گیا ہے۔ تم کو اپنے سامنے سے نکال دیا ہے اور باقی سب لوگ بھی تم پر جور و جفا کر رہے ہیں۔ ہم کو تمھارے درجہ و منزلت کا حال بخوبی معلوم ہے اور تم ایسے نہیں ہو کہ کوئی تم سے ذرا بھی بے التفاتی کرے' یا تمھاری عزت کے خلاف تم سے سلوک کیا جائے۔ اب تم یہ خط پڑھتے ہی میرے پاس چلے آؤ اور آ کر دیکھو کہ میں تمھارا اعزاز و اکرام کیا کچھ کر سکتا ہوں''۔

خط پڑھتے ہی میں نے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت مجھ پر پڑی۔ اس سے بڑھ کر مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آج ایک عیسائی مجھ پر اور میرے دین پر قابو پانے کی آرزو کرنے لگا ہے اور مجھے کفر کی دعوت دیتا ہے۔ اس خیال سے میرا رنج و اندوہ چند در چند بڑھ گیا۔ خط کو قاصد کے سامنے ہی میں نے آگ میں ڈال دیا اور کہہ دیا: ''جاؤ' کہہ دینا کہ آپ کی عنایات و التفات سے مجھے اپنے آقا کی بے التفاتی لاکھ درجہ بہتر و خوش تر ہے۔''

[بیوی سے الگ رہو]

میں گھر پہنچا تو دیکھا کہ نبی ﷺ کی طرف سے ایک شخص آیا ہوا موجود ہے۔ اس نے کہا: نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ''تم اپنی بیوی سے علیحدہ رہا کرو''۔ میں نے پوچھا: کیا طلاق کا حکم دیا ہے؟'' کہا: ''نہیں صرف علیحدہ رہنے کو فرمایا ہے۔ یہ سن کر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ہلال اور مرارہ کو بھی یہی حکم پہنچا تھا۔ ہلال کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! ہلال کمزور اور ضعیف ہے اور

اس کی خدمت کے لیے کوئی خادم بھی نہیں۔ اگر اذن ہو تو میں اس کی خدمت کرتی رہوں"۔ فرمایا: "ہاں' اس کے بستر سے دُور رہو"۔ عورت نے کہا: "یارسول اللہ! ہلال کا غم ورنج سے ایسا حال ہے کہ اُسے تو اور کوئی بھی خیال نہیں رہا"۔

اب مجھے لوگوں نے کہا کہ تم بھی اتنی اجازت لے لو کہ تمھاری بیوی تمھارا کام کاج تو کر دیا کرے۔ میں نے کہا: "میں تو ایسی جرأت نہیں کرنے کا۔ کیا خبر حضور ﷺ اجازت دیں یا نہ دیں اور میں تو جوان ہوں۔ اپنا کام خود کر سکتا ہوں۔ مجھے خدمت کی ضرورت نہیں۔

[مبارک ہو! توبہ قبول ہوئی]

الغرض اسی طرح مصیبت کے پچاس ۱ دن گزر گئے۔ ایک رات میں اپنی چھت پر لیٹا ہوا تھا اور اپنی مصیبت پر سخت نالاں تھا کہ کوہ سلع ۲ پر چڑھ کے جو میرے گھر کے قریب تھا' ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آواز دی: "کعبؓ کو مبارک ہو کہ اس کی توبہ قبول ہو گئی"۔ یہ آواز سنتے ہی میرے دوست احباب دوڑ پڑے اور مبارک باد کہنے لگے کہ مخلص کی توبہ قبول ہوئی۔ میں نے یہ سنتے ہی پیشانی کو خاک پر رکھ دیا اور سجدۂ شکرانہ ادا کیا اور پھر دوڑا دوڑا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

۱- سفر تبوک میں نبی ﷺ کو غالباً ۵۰ دن ہی لگے تھے اس لیے پیچھے رہ جانے والوں کو اتنے ہی دن مسلمانوں اور عیال سے قریباً تنہائی میں کاٹنے پڑے۔ ۲- سلع کا ذکر بخاری کی اس حدیث میں آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلع کی پہاڑی مدینہ کے اندر ہے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی کا گھر اس کے پاس تھا [کتاب الذبائح والصید، باب ۱۸، حدیث ۵۱۸۳] اور طبری نے جنگ خندق کے بیان میں بروایت ابن اسحاق یہ روایت لکھی ہے: **وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون حتى جعلوا ظهورهم الى سلع فى ثلاثة آلاف من المسلمين فضرب هنالك وعسكره والخندق**۔ اس سے ثابت ہے کہ جنگ خندق میں جب مسلمانوں نے مدینہ میں محصور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا اس وقت اسلامی لشکر سلع کے قریب اترا تھا اور اس وقت مسلمانوں کا رُخ خندق کی طرف اور پشت سلع کی طرف تھی۔ حسان بن ثابت کا جنگ خندق کی نسبت شعر ہے جس میں عمرو بن عبدود کے مرنے کا ذکر ہے۔ **امسى الفتى عمرو بن عبد ثاويًا بجنوب سلع سارة لم ينظر** کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق پر جو قصیدہ لکھا اس کا شعر یہ ہے: **الا ابلغ قريشا ان سلعًا ومابين العريض الى العماد** اب ان ہر دو روایات کے ساتھ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲ میں درس ۱۵ کو دیکھیں جس میں سلع کے باشندوں کا بیان ہے جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انبیا کی کتابوں میں مدینہ کا نام سلع ہے۔

نبی ﷺ مہاجرین وانصار میں تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر مہاجرین نے مبارک باد دی اور انصار خاموش رہے۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا: اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی و مسرت سے چودھویں کے چاند کی طرح تاباں و درخشاں ہو رہا تھا اور عادتِ مبارکہ تھی کہ خوشی میں چہرہ مبارک اور بھی زیادہ روشن ہو جاتا تھا۔ مجھے فرمایا: ''کعب مبارک! اس بہترین دن کے لیے! جب تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا' کوئی دن تجھ پر آج تک ایسا مبارک نہیں گزرا۔ آؤ تمھاری توبہ کو رب العالمین نے قبول فرمالیا ہے''۔

میں نے عرض کیا: ''یارسولؐ اللہ! اس قبولیت کے شکرانے میں' میں اپنا کل مال راہِ خدا میں صدقہ دیتا ہوں''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ میں نے عرض کیا: ''نصف''۔ فرمایا: ''نہیں''۔ میں نے عرض کیا: ''ثلث''۔ فرمایا: ''ہاں''۔ ثلث خوب ہے اور ثلث بھی بہت ہے۔

لاثانی فیاضی و رحم دلی

الحمدللہ! کہ اس فتنہ و شر کا جو دشمنوں نے برسوں سے اُٹھا رکھا تھا اور جس نے عرب کے تمام قبائل کو بغاوت کی زہر سے آلودہ کر رکھا تھا' خاتمہ ہو گیا۔ ان سب لڑائیوں کے دوران میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی بینظیر فیاضی اور لاثانی رحم دلی کا ظہور اس کثرت و وفور سے ہوا کہ دنیا نے جنگ کے شجاعانہ اور مہذب اصول یہیں سے معلوم کیے۔ یہ وہ ناگزیر لڑائیاں تھیں جن میں اللہ کا برگزیدہ رسول و نبی اور مسلمان اضطراراً تقریباً سات سال کے درمیانی عرصہ میں شریک ہوتے رہے۔

ناظرین کسی جنگ میں نہیں دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ابتدا کی ہو۔ یہ تمام لڑائیاں صرف حملہ آوروں کے حملوں کو روکنے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے کی گئی تھیں۔ نبوت کے تمام زمانے میں ایک شخص بھی اس لیے قتل نہیں ہوا کہ وہ بت پرست یا پارسی یا عیسائی یا یہودی تھا۔

قرآن مجید میں اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے بخوبی واضح فرمادیا تھا کہ دنیا میں مذہب و اعتقاد کا اختلاف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا' اس لیے مذہب کے لیے کسی شخص پر جبر کرنا جائز نہیں۔ مندرجہ ذیل آیات اس مطلب کے لیے صاف ہیں:

مذہب اسلام میں اکراہ و جبر نہیں

۱-لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ ۙ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انفِصَامَ لَهَا‌ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (البقرۃ۲:۲۵۶) دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہوگئی ہے۔

۲-وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰی يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ(یونس۱۰:۹۹)اگر تیرا پروردگار چاہتاتوزمین پرسب کے سب باشندے ایمان لے آتے۔کیاتوان لوگوں پر جبر کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

۳-وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِيۡنَ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ(ھود۱۱:۱۱۸-۱۱۹)اگر تیرا پروردگار چاہتاتوسب لوگوں کوایک ہی اُمت بنادیتا۔اور وہ توہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے بجزان کے جن پر تیرے ربّ نے رحم کیاہےاوران کواسی لیے پیدا کیا ہے۔

۴-اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِیۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ (القصص۲۸:۵۶) تواسے ہدایت نہیں دے سکتا جس سے محبت کرتاہے مگراللہ جسے چاہتاہے‘ہدایت دیتاہے۔

۵-نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ ۔(قٓ۵۰:۴۵)جوکچھ باتیں یہ لوگ کرتے ہیں‘ہم جانتے ہیں اور تواُن پر جبر نہیں کر سکتا۔ہاں‘قرآن کا وعظ کر‘پھر جو کوئی عذاب الٰہی سے ڈرتاہے وہ ڈرے۔

۶-فَذَكِّرۡ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۙ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ(الغاشیۃ۸۸:۲۱-۲۲)وعظ کرتارہ‘کیونکہ تووعظ کرنے والاہی ہےاورتواُن پر داروغہ نہیں ہے۔

اسلام اوراسیرانِ جنگ

جنگ کاذکرختم کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ اس برتاؤکاذکر کردیاجائے جو نبی ﷺ اسیرانِ جنگ کے ساتھ فرماتے تھے۔ اسلام سے پیشتر دنیامیں جتنی قومیں اور سلطنتیں تھیں‘وہ اسیرانِ جنگ کے ساتھ

ایسے وحشیانہ سلوک کرتی تھیں جسے سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱- نبی ﷺ کا طریق عمل قیدیوں کے ساتھ صرف دو ہی طرح تھا:

(الف) فدیہ لے کر آزاد کرنا۔ (ب) بلا کسی فدیہ کے آزاد کر دینا۔

صدیقؓ و فاروقؓ کی رائے

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ لگے تھے۔ یہ اہل مکہ تھے۔ اِن سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن کوئی نہ تھا۔ نبی ﷺ نے پہلے اس معاملہ کو صحابہؓ کے شوریٰ میں پیش کیا۔ صحابہؓ میں ایک جانب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں سے جرمانہ لے لیا جائے اور اُنھیں چھوڑ دیا جائے۔ اس رائے کی تائید میں انھوں نے دو دلائل پیش کیے تھے:

۱- زرِ جرمانہ سے ہم اپنے ساز و سامان کی درستی کر لیں گے۔

۲- آزادی پانے کے بعد ممکن ہے کہ ان قیدیوں میں سے خدا کسی کو اسلام کی ہدایت فرما دے۔

دوسری جانب عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے وہ اپنی رائے کی تائید میں کہتے تھے:

(الف) یہ لوگ کفر کے امام اور شرک کے پیشوا ہیں۔ ان کی گردنیں اڑانی چاہئیں۔ (ب) خدا نے ہم کو اُن پر غلبہ دیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا قصاص لینا چاہیے۔

نبی ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا جو قیدی زرِ جرمانہ ادا نہ کر سکتے تھے، ان کے لیے تجویز فرمایا کہ وہ اولادِ انصار کو لکھنا سکھا دیں (یا کوئی اور ہنر سکھا دیں)۔

[زیادہ صحیح رائے]

بعض لوگ اب تک سمجھتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے زیادہ صحیح تھی۔ وہ حدیث کے اگلے حصے سے دلیل پکڑتے ہیں۔ حدیث میں یہ ہے کہ اگلے روز عمر رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گریہ کرتے دیکھا تھا۔ لیکن علما کا ایک گروہ اس استدلال کے بعد بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دیتا ہے۔ بوجوہ ذیل:

۱-قرآن مجید میں بھی رائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بابت پہلے حکم موجود تھا۔

۲-اس رائے میں رحمت ملحوظ ہے جو سب چیزوں سے وسیع تر ہے۔

۳- نبی ﷺ نے اسی حدیث میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ابراہیم و عیسیٰؑ اور عمر رضی اللہ عنہ کو نوحؑ و موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے۔

۴-ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے نبی ﷺ کی رائے موافق تھی۔

۵- بالآخر رب العالمین نے بھی اسی رائے کو برقرار رکھا۔

۶-ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خیال درست ثابت ہوا کہ اسیرانِ جنگ میں سے بہت لوگ بعد میں از خود مسلمان بھی ہوئے

اور سر دست زر جرمانہ (تاوانِ جنگ) سے مسلمانوں نے اپنی حالت کو بھی درست کر لیا۔

[قیدیوں کے ساتھ سلوک کے چند واقعات]

(الف) الغرض جنگ بدر کے ۷۲ قیدیوں میں سے ۷۰ کو آنحضرت ﷺ نے جرمانہ لے کر آزاد فرما دیا تھا۔ ان قیدیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا گیا تھا۔ بہت سے قیدیوں کے بیانات موجود ہیں جنھوں نے اقرار کیا ہے کہ اہل مدینہ بچوں سے بڑھ کر ان کی آسائش کا اہتمام کرتے تھے۔ صرف دو قیدی (عقبہ بن ابی معیط و نضر بن حارث) قتل کرائے گئے تھے۔ یہ سزا اُن کے سابقہ جرائم کا نتیجہ تھی جنھوں نے انھیں واجب القتل ٹھہرا دیا تھا۔

(ب) جنگ بدر کے بعد غزوۂ المصطلق میں سو سے زیادہ زن و مرد قید ہوئے تھے۔ وہ سب بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیے گئے تھے اور ان میں سے ایک عورت جویریہؓ کو آنحضرت ﷺ نے اُم المومنین ہونے کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

(ج) حدیبیہ کے میدان میں کوہ تنعیم کے ۸۰ حملہ آور قید ہوئے تھے۔ اُن کو بھی آنحضرت ﷺ نے بلا کسی شرط و بلا کسی جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔

(د) جنگ حنین میں چھ ہزار زن و مرد کو بلا کسی شرط و جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔ بعض اسیروں کی آزادی کا معاوضہ آنحضرت ﷺ نے اپنی طرف سے اسیر کنندگان کو ادا کیا تھا، اور پھر اکثر اسیروں کو خلعت و انعام دے کر رخصت فرمایا تھا۔

ان جملہ نظائر سے ثابت ہے کہ رحمۃ للعالمین اپنے حملہ آور دشمنوں پر قابو اور غلبہ پا لینے کے بعد کس قدر الطاف فرمایا کرتے تھے۔

کتب احادیث میں ایک واقعہ قیدیوں سے قیدیوں کے تبادلہ کا بھی ملتا ہے۔

نبی ﷺ کی اس پاک تعلیم ہی کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں اگرچہ عراق و شام مصر و عرب، ایران و خراسان کے سینکڑوں شہر فتح کیے گئے مگر کسی جگہ بھی حملہ آوروں، جنگ آزماؤں یا رعایا میں سے کسی کو لونڈی غلام بنانے کا ذکر نہیں ملتا۔ مغلوب دشمن سے تاوانِ جنگ لینے کا بھی کہیں اندراج نظر نہیں آتا۔

جنگ اور مصلحت الٰہیہ

اگرچہ مسلمانوں کے لیے یہ لڑائیاں سخت آزمائش تھیں لیکن رب العالمین کی اس میں بھی شاید یہ حکمت ہو کہ اسلام دنیا کے لیے جنگ کا بھی وہ نمونہ پیش کر دے جو انسانی ہمدردی اور رحم و الطاف سے لبریز ہو۔

فصل سوم

[شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام]

مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے لیے سفیر و فرامین کا بھیجا جانا، بعض کا مسلمان ہو جانا۔ بعض کا اظہارِ ادب کرنا، بعض کا گستاخی سے پیش آنا، اور اس کا انجام

نبی ﷺ کا کل عالم کے لیے رسول ہونا

نبی ﷺ کی نبوت میں ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ دیگر انبیاء کی نبوت و رسالت میں موجود نہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں تر خصوصیت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اسلام کو کل دنیا کا مذہب واحد کہہ کر پیش کیا ہے۔ اور اسی لیے نبوت کے اس ابتدائی زمانے ہی سے جب شہر مکہ کے رہنے والے بھی اسلام سے بخوبی واقف نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دیگر اقوام اور دیگر ادیان کے لوگوں میں بھی تبلیغ شروع کر دی تھی۔ بلالؓ حبشی، صہیبؓ رومی، سلمانؓ فارسی، عداسؓ نینوائی، وہ بزرگوار ہیں جو حبش، یونان، ایران اور وسط ایشیا کی طرف سے ثمر اوّلین بن کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

قرآن مجید کی آیات اس بارے میں بہت صاف ہیں:

۱- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (سبا ۳۴:۲۸) ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔

۲- هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ (التوبۃ ۹:۳۳، الفتح ۴۸:۲۸، الصف ۶۱:۹) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ سب دینوں پر غالب ہو کر رہے۔

۳- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانبیاء ۲۱:۱۰۷) ہم نے تجھے تمام اہل عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۴- قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (الاعراف ۷:۱۵۸) ان سے کہہ دو کہ اے انسانی نسل کے لوگو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

ان آیاتِ مبارکہ کے ارشاد کے تحت ہی رسول اللہ ﷺ نے ذیل کے مراسلات مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے سرکردگان کے پاس روانہ فرمائے تھے اور ہر ایک کو لکھ دیا تھا کہ اسلام سے انکار کرنے کا وبال نہ صرف اس لیے پڑے گا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے انکار کر دیا بلکہ تمھارے انکار کی وجہ سے چونکہ تمھاری قوم بھی ہدایت سے رُکے گی، اس لیے ان کی ضلالت و گمراہی کا وبال بھی تم ہی پر پڑے گا کیونکہ اس فرمان میں شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ سرکردۂ قوم ہونے کی وجہ سے تم کو مخاطب کیا گیا ہے۔

دعوتِ عامہ کی کوئی [سابقہ] نظیر موجود نہ تھی

رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ اسلام کی بابت یہ ایسی کارروائی فرمائی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی سابقہ مذہب کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی کہ ان کے بانیان مذہب نے بھی ایسا کیا ہو۔ چونکہ ہم ہر ایک سچے مذہب کے ہادی کی دل سے عزت و عظمت کرتے ہیں، اس لیے ان کی خاموشی سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ مقدس بزرگوار اپنے مذہب کو خود بھی اسی قوم سے مخصوص سمجھتے تھے جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔[1] اب اگر اُن کے متبعین ان کے مسلک سے تجاوز کرتے ہیں تو یہ ان کا اپنا فعل ہے جو مذہبی حیثیت سے سند نہیں بن سکتا۔

مکاتیب نبوی کا انداز اور اہم مضمون

۷ھ کے ماہ محرم کی پہلی تاریخ تھی کہ نبی ﷺ نے بادشاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط مبارک اپنے سفیروں کے ہاتھ روانہ فرمائے۔ جو سفیر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان جانتا تھا، تاکہ تبلیغ بخوبی کر سکے۔[2] اب تک نبی ﷺ نے کوئی مہر نہ بنائی تھی۔ جب بادشاہانِ عالم کے نام خطوط لکھے گئے تو اُن پر مہر کرنے کے لیے خاتم تیار کی گئی۔ یہ چاندی کی تھی۔ تین سطور میں اس طرح یہ

۱- مقدس مسیح فرماتے ہیں میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ ۲- خصائص الکبریٰ جلد ۲، ص ۱، بروایت ابن ابی شیبہ۔

عبارت کندہ تھی:۳؎

اللہ

رسول

محمد

ان خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خط عیسائی بادشاہوں کے نام تھے' ان میں خصوصیت سے یہ آیت مبارکہ بھی تھی:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران ۳:۶۴) اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات پر اتفاق کریں' جو ہمارے تمھارے دین میں مساوی ہے یعنی خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کے سوا خدائی کا درجہ ہم اپنے جیسے انسانوں کے لیے تجویز نہ کریں۔

اب ہم مختصر طور پر ان سفارتوں کا حال درج کرتے ہیں۔

بادشاہِ حبش کے نام

اصحم بن ابجر بادشاہ حبش المقلب بہ نجاشی کے پاس عمرو بن اُمیہ الضمری آنحضرت ﷺ کا نامہ لے کر گئے تھے۔ یہ بادشاہ عیسائی تھا۔ تاریخ طبری سے اس خط کی نقل درج کی جاتی ہے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی النجاشی الاصحم ملك الحبشة۔ سلم انت، فانی احمد الیك اللّٰہ الملك القدّوس السلام المومن المهیمن، واشهد انّ عیسی ابن مریم روح اللّٰہ وکلمته القاها الی مریم البتول الطیّبة الحصینة، فحملت بعیسٰی، فخلقهُ اللّٰہ من روحه ونفخه کما خلق اٰدم بیده ونفخه۔ وانی ادعوك الی اللّٰہ وحدہ لا شریك له والموالاة علی طاعته، وان تتبعنی وتؤمن بالذّی جاء نی فانّی رسول

الله، وقد بعثت اليك ابن عمّى جعفرًا ونفرًا معه من المسلمين، فاذا جاء ك فاقرهم ودع التجبّر، فانّى ادعوك وجنودك الى الله۔ وقد بلّغت ونصحت فاقبلوا نصحى والسّلام على من اتّبع الهدى۔ خدا کے نام سے جو بڑی رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہ حبش کے نام ہے۔ تجھے سلامتی ہو۔ میں پہلے اللہ کی ستائش کرتا ہوں، جو ملک، قدوس، سلام، مومن[2] اور مہیمن ہے اور میں ظاہر کرتا ہوں کہ عیسٰی بن مریم اللہ کی مخلوق اور اُس کا حکم ہیں، جو مریم بتول طیبہ عفیفہ کی جانب بھیجا گیا اور انھیں عیسٰی کا اس سے حمل ٹھہر گیا۔ خدا نے عیسٰی کو روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا تھا۔ اب میری دعوت یہ ہے کہ تم خدا پر جو اکیلا اور لاشریک ہے، ایمان لے آؤ اور ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری میں رہا کرو اور میرا اتباع کرو اور میری تعلیم کا سچے دل سے اقرار کرو، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں قبل ازیں اس ملک میں اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیج چکا ہوں۔ تم اسے بآرام ٹھہرا لینا۔ نجاشی! تم تکبر چھوڑ دو کیونکہ میں تم کو اور تمھارے دربار کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ دیکھو، میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمھیں بخوبی سمجھا دیا۔ اب مناسب ہے کہ میری نصیحت مان لو، سلام اُس پر جو سیدھی راہ چلتا ہے۔

۱- بخاری عن انس بن مالک [کتاب العلم، باب ۷، حدیث ۶۵] رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ انگشتری ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اپنی خلافت کے زمانہ میں پہنتے رہے۔ حضرت عثمان سے آخر عہدِ خلافت میں یہ انگشتری مدینہ کے ایک چاہ بیر اریس کے اندر گر گئی۔ بہت تلاش کی گئی، نہ ملی۔ بخاری نقش الخاتم [کتاب اللباس، باب خاتم الفضة ۴۵، حدیث ۵۵۲۸]۔ ۲- مومن جو خدا کا نام ہے اس کے معنی ایمان عطا کرنے والا۔

نجاشی اس فرمان پر مسلمان ہو گیا اور جواب میں یہ عرئضہ تحریر کیا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الیٰ محمد رسول اللّٰہ من النجاشی الاصحم بن ابجر۔ سلامٌ علیك یانبی اللّٰہ ورحمة اللّٰہ وبرکاته من اللّٰہ الذی لا اله الاّ هو الذی هدانی الی الاسلام۔ امابعد فقد بلغنی کتابك یارسول اللّٰہ۔ فی ما ذکرت من امر عیسٰی فوربّ السماء والارضان عیسٰی ما یزید علٰی ما ذکرت شفرٌوقًا۔ انّه کما قلت؛ وقد عرفنا ما بعثت به الینا، وقد قَربنَا۔ ابن عمّك واصحابه فاَشهدُ انك رسول اللّٰہ صادقًا مصدقًا وقد بایعتك وبایعت ابن عمك واسلمت علی یدیه للّٰہ رب العالمین؛ وقد بعثت الیك بِابنی ارهاً۔ بن الاصحم بن ابجر فانی لا املك الا نفسی۔ وان شئت ان اٰتیك فعلت یارسول اللّٰہ، فانی اشهد ان ما تقول حق۔ والسلام علیك یارسول اللّٰہ۔ خدا کے نام سے جو بڑی رحمت اور دائمی رحم والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی خدمت میں نجاشی الاصحم بن ابجر کی طرف سے۔ اے اللہ کے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں، اسی خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان میرے پاس پہنچا۔ عیسیٰؑ کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے بخدائے زمین و آسمان، وہ اس سے ذرّہ برابر بھی بڑھ کر نہیں۔ ان کی حیثیت اتنی ہی ہے جتنی آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے آپ کی تعلیم سیکھ لی ہے اور آپ کا چچیرا بھائی اور مسلمان میرے پاس آرام سے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، سچے ہیں اور راست بازوں کی سچائی ظاہر کرنے والے ہیں۔ میں آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ میں نے آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر حضور ﷺ کی بیعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کر لیا ہے اور میں حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے فرزند 'ارہا' کو روانہ کرتا ہوں۔ میں تو اپنے ہی نفس کا مالک ہوں۔ اگر حضور ﷺ کا منشا یہ ہو گا کہ میں حاضر خدمت ہو جاؤں تو ضرور حاضر ہو جاؤں گا، کیونکہ میں یقین کرتا ہوں کہ حضور ﷺ جو فرماتے ہیں وہی حق ہے۔ اے خدا کے رسول، آپ پر سلام!

۱- [البدایۃ والنہایۃ اور تاریخ طبری میں شفر وقا کی جگہ ثفر وقا درج ہے، جس کے معنی ہیں: انتہائی معمولی چیز]۔ ۲- [مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں قربنا کی جگہ قرینا لکھا ہوا ہے، جس کے معنی ہیں: ہم نے مہمان نوازی کی]۔ ۳- ['ارہا' کی جگہ بعض کتابوں میں 'اریحا' درج ہے۔ مثلاً دیکھیے: سیرت ابن کثیر، ج ۲، ص ۴۲]۔

شاہِ بحرین کا قبولِ اسلام

منذر بن ساوی شاہ بحرین تھا۔ شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا۔ علا بن الحضرمیؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔ یہ بھی مسلمان ہو گیا اور اس کی رعایا کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہوا۔ اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لکھا تھا کہ بعض لوگوں نے تو اسلام کو از حد پسند کیا ہے۔ بعض نے کراہت کا اظہار کیا ہے۔ بعض نے مخالفت کی ہے۔ میرے علاقہ میں یہودی اور مجوسی بہت ہیں۔ ان کے لیے جوار شاد ہو' کیا جائے گا۔ نبی ﷺ نے جواب میں تحریر فرمایا:

۱-ومن ینصح انما ینصح لنفسہ، جو نصیحت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لیے [کرتا ہے]۔

۲-ومن اقام علی یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ الجزیۃ، جو یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے' وہ جزیہ (خراج رعیتانہ) دیا کرے۔

شاہِ عمان کو دعوتِ اسلام

جیفر و عبد فرزندانِ جلندی' ملک عمان کے نام عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔

عمروؓ کا قول ہے کہ جب میں عمان پہنچا تو پہلے عبد کو ملا۔ یہ سردار تھا اور اپنے بھائی کی

نسبت زیادہ نرم و خوش خلق تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں رسولؐ اللہ کا سفیر ہوں اور تمھارے پاس اور تمھارے بھائی کے پاس آیا ہوں۔

عبدؔ بولا: میرا بھائی عمر میں مجھ سے بڑا اور ملک کا مالک ہے۔ میں تمھیں اس کی خدمت میں پہنچادوں گا مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو؟ عمرو بن عاصؓ نے کہا: اکیلے خدا کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں۔ نیز اس شہادت کی طرف کہ محمد ﷺ خدا کا بندہ اور رسولؐ ہے۔

عبدؔ نے کہا: عمرو! تو سردارِ قوم کا بیٹا ہے۔ بتا کہ تیرے باپ نے کیا کیا؟ کیونکہ ہم اسے نمونہ بنا سکتے ہیں۔ عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا: وہ مر گیا۔ نبی ﷺ پر ایمان نہ لایا تھا۔ کاش وہ ایمان لاتا اور آنحضرت ﷺ کی راست بازی کا اقرار کرتا۔ میں بھی اپنے باپ کی رائے ہی پر تھا، حتیٰ کہ خدا نے مجھے اسلام کی ہدایت فرمائی۔

عبدؔ: تم کب سے محمد ﷺ کے پیرو ہو گئے ہو؟

عمرو بن عاصؓ: ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔

عبدؔ: کہاں؟

عمرو بن عاصؓ: نجاشی کے دربار میں اور نجاشی بھی مسلمان ہو گیا۔

عبدؔ: وہاں کی رعایا نے نجاشی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

عمرو بن عاصؓ: اسے بدستور بادشاہ رہنے دیا اور انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

عبدؔ: (تعجب سے) کیا بشپ پادریوں نے بھی؟

عمرو بن عاصؓ: ہاں۔

عبدؔ: دیکھو عمرو، کیا کہہ رہے ہو، انسان کے لیے کوئی چیز بھی جھوٹ سے بڑھ کر ذلّت بخش نہیں۔

عمرو بن عاصؓ: میں نے جھوٹ نہیں کہا اور اسلام میں جھوٹ بولنا جائز بھی نہیں۔

عبدؔ: ہرقل نے کیا کیا۔ کیا اُسے نجاشی کے اسلام لانے کا حال معلوم ہے؟

عمرو بن عاصؓ: ہاں۔

عبدؔ: تم کیونکر ایسا کہہ سکتے ہو؟

عمرو بن عاصؓ: نجاشی ہر قل کو خراج دیا کرتا تھا۔ جب سے مسلمان ہوا' کہہ دیا ہے کہ اب وہ اگر ایک درہم بھی مانگے گا تو نہ دوں گا۔ ہر قل تک یہ بات پہنچ گئی۔ ہر قل کے بھائی بناق نے کہا۔ یہ نجاشی حضور کا ادنیٰ غلام اب خراج دینے سے انکار کرتا ہے اور حضور کے دین کو بھی اس نے چھوڑ دیا ہے۔ ہر قل نے کہا۔ پھر کیا ہوا۔ اس نے اپنے لیے ایک مذہب پسند کر لیا اور قبول کر لیا۔ میں کیا کروں؟ بخدا اگر اس شہنشاہی کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا ہے۔

عبدؔ: دیکھو عمروؓ کیا کہہ رہے ہو؟

عمرو بن عاصؓ: قسم ہے خدا کی' سچ کہہ رہا ہوں۔

عبدؔ: اچھا بتاؤ' وہ کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے؟ اور کن چیزوں سے منع کرتا ہے؟

عمرو بن عاصؓ: وہ اللہ عزوجل کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور معصیت الٰہی سے روکتے ہیں۔ وہ زنا اور شراب کے استعمال سے اور پتھروں' بتوں اور صلیب کی پرستش سے منع فرماتے ہیں۔

عبدؔ: کیسے اچھے احکام ہیں جن کی وہ دعوت دیتے ہیں۔ کاش! میرا بھائی میری رائے قبول کرے۔ ہم دونوں محمد ﷺ کی خدمت میں جا کر ایمان لائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے بھائی نے اس پیغام کو ردّ کیا اور دنیا ہی کا راغب رہا تو وہ اپنے ملک کے لیے بھی سراپا نقصان ثابت ہو گا۔

عمرو بن عاصؓ: اگر وہ اسلام قبول کرے گا تو نبی ﷺ اسی کو اس ملک کا بادشاہ تسلیم فرمالیں گے۔ وہ صرف اتنا کریں گے کہ یہاں کے اغنیا سے صدقہ وصول کر کے یہاں کے غربا میں تقسیم کرا دیا کریں گے۔

عبدؔ: یہ تو اچھی بات ہے مگر صدقہ سے کیا مراد ہے؟

عمرو بن عاصؓ نے زکوٰۃ کے مسائل بتائے جب یہ بتایا کہ اُونٹ میں بھی زکوٰۃ ہے تو عبد

بولا کیا وہ ہمارے مواشی میں سے بھی صدقہ دینے کو کہیں گے۔ وہ تو خود ہی درختوں کے پتوں سے پیٹ بھر لیتا ہے اور خود ہی پانی جا پیتا ہے۔

عمرو بن عاصؓ نے کہا: ہاں، اُونٹوں میں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے۔

عبدؔ: میں نہیں جانتا کہ میری قوم کے لوگ جو تعداد میں زیادہ ہیں اور دُور دُور تک بکھرے پڑے ہیں وہ اس حکم کو مان لیں گے۔

الغرض عمرو بن عاصؓ وہاں چند روز ٹھہرے۔ عبد روز روز کی باتیں اپنے بھائی کو پہنچا دیا کرتا تھا۔ ایک روز عمرو بن عاصؓ کو بادشاہ نے طلب کیا۔ چوب داروں نے دونوں جانب سے بازو تھام کر انھیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ بادشاہ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ چوب داروں نے چھوڑ دیا۔ یہ بیٹھنے لگے۔ چوب داروں نے پھر ٹوکا۔ انھوں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے کہا: بولو، تمھارا کیا کام ہے؟

عمرو بن عاصؓ نے خط دیا جس پر مہرِ ثبت تھی۔ جیفر نے مہر توڑ کر خط کھولا، پڑھا پھر بھائی کو دیا اور عمرو بن عاصؓ نے دیکھا کہ بھائی زیادہ نرم دل ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ قریش کا کیا حال ہے؟

عمرو بن عاصؓ نے کہا: سب نے طوعاً و کرہاً اس کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: اس کے ساتھ رہنے والے کون لوگ ہیں؟

عمرو بن عاصؓ: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کو رضا و رغبت سے قبول کیا۔ سب کچھ چھوڑ کر نبی ﷺ ہی کو اختیار کر لیا ہے اور پوری فکر و غور اور عقل و تجربہ سے نبی ﷺ کی جانچ کر لی ہے۔

بادشاہ نے کہا: اچھا، تم کل پھر ملنا۔

بادشاہِ عمان کا [قبولِ] اسلام

عمرو بن عاصؓ دوسرے روز بادشاہ کے بھائی سے پہلے ملے، وہ بولا کہ اگر ہماری حکومت کو صدمہ نہ پہنچے تو بادشاہ مسلمان ہو جائے گا۔ عمرو بن عاصؓ پھر بادشاہ سے ملے۔

بادشاہ نے کہا: میں نے اس معاملہ میں غور کیا۔ دیکھو اگر میں ایسے شخص کی اطاعت اختیار کرتا ہوں جس کی فوج ہمارے ملک تک نہیں پہنچی تو میں سارے عرب میں کمزور سمجھا جاؤں گا۔ حالانکہ اگر اس کی فوج اس ملک میں آئے تو میں ایسی سخت لڑائی لڑوں کہ تمھیں کبھی سابقہ نہ ہوا ہو۔

عمرو بن عاصؓ نے کہا: بہتر میں کل واپس چلا جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا: نہیں کل تک ٹھہرو۔ دوسرے دن بادشاہ نے انھیں آدمی بھیج کر بلایا اور دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور رعایا کا اکثر حصہ بھی اسلام لے آیا۔[1]

گورنرانِ دمشق و یمامہ کے نام

منذر بن حارث بن ابو شمر دمشق کا حاکم اور شام کا گورنر تھا۔ شجاع بن وہب الاسدی اس کے پاس بطور سفارت بھیجے گئے تھے۔ یہ پہلے تو خط پڑھ کر بہت بگڑا۔ کہا' میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا۔ بالآخر سفیر کو باعزاز رخصت کیا مگر مسلمان نہ ہوا۔[2]

ہوذہ بن علی' حاکم یمامہ' عیسائی المذہب تھا۔ سلیط بن عمروؓ نامہ مبارک اس کے پاس لے کے گئے تھے۔ اس نے کہا کہ اگر اسلام پر میری آدھی حکومت تسلیم کر لی جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ ہوذہ اس جواب سے تھوڑے دنوں بعد ہلاک ہو گیا۔[3]

[مقوقس مصر کے نام]

جریج بن متی الملقب بہ مقوقس[4] شاہ اسکندریہ و مصر عیسائی المذہب تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ اس کے پاس سفیر ہو کے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے خط کے آخر میں تحریر فرمادیا تھا کہ اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو تمام مصر (اہل قبط) کے مسلمان نہ ہونے کا گناہ تمھاری گردن پر ہو گا۔ سفیر نے خط پہنچانے کے علاوہ بادشاہ کو ان الفاظ میں خود بھی سمجھایا تھا:

صاحب! آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہو چکا ہے جو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی

۱- زاد المعاد، ج ۱، ص ۵۲۲ [طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۸۶ء، ج ۳، ص ۶۰۵] ۲- [البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۸۰]۔ ۳- [البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۸۰]۔ ۴- لفظ مقوقس کی اصلیت میں علما مصر و یورپ و عرب میں اختلاف ہے۔ غالباً یہ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ جریج بن متی کو چند مورخین یورپین نے (حورج بن مینا) بھی لکھا ہے۔ یہ رومی النسل تھا مگر ماں غالباً قبطی تھی۔

(میں تم لوگوں کا بڑا خدا ہوں) کہا کرتا تھا اور خدا نے اُسے دنیا اور آخرت کی رسوائی دی۔ جب خدا کا غضب بھڑکا تو وہ ملک وغیرہ کچھ بھی نہ رہا۔ اس لیے لازم ہے کہ تم دوسروں کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت لیا کریں۔

بادشاہ نے کہا: ہم خود ایک مذہب رکھتے ہیں۔ اسے ترک نہیں کریں گے جب تک اس سے بہتر دین کوئی نہ ملے۔

مبلّغ اسلام کی تقریر، دربارِ مصر میں

حاطبؓ بولا: میں آپ کو دین اسلام کی جانب بلاتا ہوں جو جملہ دیگر مذاہب سے کفایت کنندہ ہے۔ نبی ﷺ نے سب ہی کو دعوتِ اسلام فرمائی ہے۔ قریش نے مخالفت کی ہے اور یہود نے عداوت، لیکن سب میں سے محبت و مودّت کے ساتھ قریب تر نصاریٰ رہے ہیں۔ بخدا جس طرح موسیٰؑ نے عیسیٰؑ کے لیے بشارت دی، اسی طرح عیسیٰؑ نے محمد ﷺ کی بشارت دی ہے۔ قرآن مجید کی دعوت ہم آپ کو اسی طرح دیتے ہیں جیسے آپ اہل توراۃ کو انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں۔ جس نبی کو جس قوم کا زمانہ ملا، وہی قوم اس کی اُمّت سمجھی جاتی ہے، اس لیے آپ پر لازم ہے کہ اس نبی کی اطاعت کریں جس کا عہد آپ کو مل گیا ہے اور یہ سمجھ لیں کہ ہم آپ کو حضرت مسیحؑ کے مذہب ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس کا جواب

مقوقس نے کہا: میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا۔ ہنوز مجھے کوئی رغبت معلوم نہیں ہوئی۔ اگرچہ وہ کسی مرغوب شے سے نہیں روکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ وہ ساحر ضرر رساں ہیں نہ کاہن کاذب، اور ان میں تو نبوت ہی کی علامت پائی جاتی ہے۔ بہر حال میں اس معاملہ میں مزید غور کروں گا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے خط کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ کے لیے تحائف بھیجے اور جوابِ خط میں یہ بھی لکھا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ایک نبی کا ظہور باقی ہے مگر میں یہ سمجھتا رہا کہ وہ رسول ملک شام میں ہوں گے۔

دُلدُل مشہور خچر اسی نے تحفے میں بھیجا تھا۔[1]

[شہنشاہ روم کے نام خط]

ہرقل شاہ قسطنطنیہ یاروما کی مشرقی شاخ سلطنت کا نامور شہنشاہ عیسائی المذہب تھا۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ[2] اس کے پاس نامہ مبارک لے کے گئے تھے۔ یہ بادشاہ سے بیت المقدس کے مقام پر ملے۔ ہرقل نے سفیر کے اعزاز میں بڑا شاندار دربار کیا اور سفیر سے نبی ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کرتا رہا۔ اس کے بعد ہرقل نے مزید تحقیقات کرنا بھی ضروری سمجھا۔ حکم دیا کہ اگر ملک میں کوئی شخص مکہ کا آیا ہوا موجود ہو تو پیش کیا جائے۔

ابوسفیانؓ و ہرقل کے سوال و جواب

اتفاق سے ان دنوں ابوسفیان مع دیگر تاجرانِ مکہ شام آیا ہوا تھا۔ اسے بیت المقدس پہنچایا اور دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصر نے ہمراہی تاجروں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے سوال کروں گا اگر یہ کوئی جواب غلط دے تو مجھے بتا دینا۔

ابوسفیان ان دنوں نبی ﷺ کا جانی دشمن تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھ والے میرا جھوٹ ظاہر کر دیں گے تو میں بہت سی باتیں بناتا مگر اس وقت قیصر کے سامنے مجھے سچ سچ ہی کہنا پڑا۔ سوال و جواب یہ ہیں:

قیصر: محمدؐ کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان تاجر: شریف و عظیم۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا "سچ ہے۔ نبی شریف گھرانے کے ہوتے ہیں تاکہ اُن کی اطاعت میں کسی کو عار نہ ہو"۔

قیصر: "محمدؐ سے پہلے بھی کسی نے عرب میں یا قریش میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟"

ابوسفیان تاجر: "نہیں"۔

۱- زاد المعاد، ج۱، ص ۵۲۰ [طبع جدید محولہ بالا، ج۳، ص ۶۰۳] ۲- دحیہ کا سلسلہ نسب ثور بن کلب تک منتہی ہوتا ہے جو قضاعہ کی بڑی شاخ ہے۔ یہ کبار صحابہؓ میں سے ہیں اور مشاہدات مابعد میں شامل ہوئے۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اپنے سے پہلے کی تقلید اور ریس کرتا ہے''۔

قیصر: نبی ہونے کے دعویٰ سے پہلے کیا یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا یا اس کو جھوٹ بولنے کی کبھی تہمت لگائی گئی تھی؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''یہ نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے لوگوں پر جھوٹ نہ بولا وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔

قیصر: ''اس کے باپ دادا میں سے کوئی شخص بادشاہ بھی ہوا ہے؟''

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ نبوت کے بہانے سے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے''۔

قیصر: ''محمدؐ کے ماننے والے مسکین غریب لوگ زیادہ ہیں یا سردار اور قوی لوگ؟''

ابوسفیان: مسکین حقیر لوگ۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا: ''ہر ایک نبی کے پہلے ماننے والے مسکین غریب لوگ ہی ہوتے رہے ہیں''۔

قیصر: ان لوگوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے۔

ابوسفیان: بڑھ رہی ہے۔

ہرقل نے کہا: ایمان کا یہی خاصا ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور حدّ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

قیصر: کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل نے کہا: لذتِ ایمان کی یہی تاثیر ہے کہ جب دل میں بیٹھ جاتی اور رُوح پر اپنا اثر قائم کر لیتی ہے۔ تب جدا نہیں ہوتی۔

قیصر: یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، لیکن امسال ہمارا معاہدہ اس سے ہوا ہے دیکھیے کیا انجام ہو۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ میں صرف اس جواب میں اتنا فقرہ زیادہ کر سکا تھا مگر قیصر نے اس پر کچھ توجہ نہ کی اور یوں کہا: بے شک نبی عہد شکن نہیں ہوتے۔ عہد شکنی دنیادار کیا کرتا ہے۔ نبی دنیا کے طالب نہیں ہوتے۔

قیصر: کبھی اس شخص کے ساتھ تمھاری لڑائی بھی ہوئی؟

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب رہا (بدر میں) اور کبھی ہم (اُحد میں)۔

ہرقل نے کہا: خدا کے نبیوں کا یہی حال ہوتا ہے لیکن آخر کار خدا کی مدد اور فتح اُن ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

قیصر: اس کی تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان: ایک خدا کی عبادت کرو، باپ دادا کے طریق (بت پرستی) کو چھوڑ دو۔ نماز، روزہ، سچائی، پاک دامنی، صلہ رحمی کی پابندی اختیار کرو۔

ہرقل نے کہا: نبی موعود کی یہی علامتیں ہم کو بتائی گئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن یہ نہ سمجھتا تھا کہ وہ عرب میں سے ہوگا۔ ابوسفیان! اگر تم نے سچ سچ جواب دیے ہیں تو وہ ایک روز اس جگہ کا جہاں میں بیٹھا ہوا ہوں (شام و بیت المقدس) ضرور مالک ہو جائے گا۔ کاش میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا اور نبی کے پاؤں دھویا کرتا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھا گیا۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ اراکینِ دربار اُسے سن کر بہت چیخے اور چلائے پھر ہم کو دربار سے باہر نکال دیا گیا۔ میرے دل میں اسی روز سے اپنی ذلّت کا نقش اور آنحضرت ﷺ کی آیندہ عظمت کا یقین ہو گیا۔[1]

کسریٰ کو تبلیغ

خسرو پرویز، کسریٰ ایران، نصف مشرقی دنیا کا شہنشاہ، زردشتی مذہب رکھتا تھا۔ عبداللہ بن حذافہؓ اس کے پاس نامہ مبارک لے کے گئے تھے۔ نامہ مبارک کی نقل یہ ہے:

۱- صحیح بخاری عن ابن عباسؓ، کتاب الجہاد، ص۱۰۶ و کتاب الشہادات [کتاب بدء الوحی، باب ۱، حدیث ۷]

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس۔ سلام علی من اتبع الھدیٰ وٰامن باللّٰہ ورسولہ واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ وانّ محمدًا عبدہٗ ورسولہ وادعوك بدعایۃ اللّٰہ فانی انا رسول اللّٰہ الی الناس کافۃ لانذر من کان حیّا ویحق القول علی الکافرین۔ فاسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیك۔ اللہ رحمن ورحیم کے نام سے محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بزرگ فارس کے نام۔ سلام ہے اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا اور خدا اور رسول پر ایمان لاتا ہے اور یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں مجھے جملہ نسلِ آدم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ جو کوئی زندہ ہے اُسے عذاب الٰہی کا ڈر سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہو جا' سلامت رہے گا[1] ورنہ مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہو گا۔

گورنر یمن کا فوجی دستہ

خسرو نے نامہ مبارک دیکھتے ہی غصہ سے چاک کر ڈالا اور زبان سے کہا: میری رعایا کا ادنیٰ شخص مجھے خط لکھتا ہے اور اپنا نام میرے نام سے پہلے تحریر کرتا ہے۔ اس کے بعد خسرو نے باذان کو جو یمن میں اس کا وائسرائے (نائب السلطنت) تھا اور عرب کا تمام ملک اُسی کے زیر اقتدار یا زیر اثر سمجھا جاتا تھا' یہ حکم بھیجا کہ اس شخص (نبی ﷺ) کو گرفتار کر کے میرے پاس روانہ کر دو۔ باذان نے ایک فوجی دستہ مامور کیا۔ فوجی افسر کا نام خرخسرہ تھا۔ ایک ملکی افسر بھی ساتھ روانہ کیا جس کا نام بانویہ تھا۔ بانویہ کو یہ ہدایت کی تھی کہ آں حضرت ﷺ کے حالات پر گہری نظر ڈالے اور آں حضرت ﷺ کو کسریٰ کے پاس پہنچا دے لیکن اگر آپ ساتھ جانے سے انکار کریں تو واپس آ کر رپورٹ کرے۔ جب یہ فوجی دستہ طائف پہنچا تو اہل طائف نے بڑی خوشیاں منائیں کہ اب محمد ﷺ ضرور تباہ ہو جائے گا کیونکہ شہنشاہ کسریٰ نے اُسے گستاخی کی سزا دینے کا حکم دے دیا ہے۔

کسریٰ کے قتل کی خبر اور گورنر کا قبولِ اسلام

جب یہ افسر مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ کل کو پھر حاضر ہوں۔ دوسرے روز نبی ﷺ نے فرمایا: آج رات تمھارے بادشاہ کو خدا نے ہلاک

---

[1] - قارئین نبی ﷺ کے نامہ مبارک کے الفاظ اُسلم، تسلم پر غور کریں۔ اس میں درج تھا کہ اگر مسلمان ہو جائے گا تب سلامت رہے گا۔ یہ تہدید نہ تھی بلکہ اخبار عن الغیب (پیش گوئی) تھا۔

کر ڈالا' جاؤاور تحقیق کرو۔افسر یہ خبر سن کر یمن کو لوٹ گئے۔وہاں وائسرائے کے پاس سرکاری اطلاع آچکی تھی کہ خسرو کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے اور تخت کا مالک شیرویہ ہے جو باپ کا قاتل تھا۔اب باذان نے نبی ﷺ کے عادات واخلاق اور تعلیم وہدایت کے متعلق کامل تحقیقات کی اور تحقیقات کے بعد مسلمان ہو گیا۔دربار کا اور ملک کا اکثر حصہ بھی مسلمان ہو گیا۔

جو سفیر نبی ﷺ نے بھیجا تھا اُس نے واپس آکر عرض کیا کہ شاہِ ایران نے نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا۔اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: مزّق مُلکَہ۔اس نے اپنی قوم کے فرمانِ سلطنت کو چاک کر دیا ہے۔[1]

قارئین! اس مختصر اور پُر ہیبت جملہ کو دیکھیں اور سوا تیرہ سو برس کی تاریخ عالم میں تلاش کریں کہ کسی جگہ اس قوم کی سلطنت کا نشان بھی ملتا ہے جو اس واقعہ سے پیشتر چار پانچ ہزار برس سے نصف دنیا پر شہنشاہی کرتی تھی اور جس کی فتوحات بار ہا یونان وروما کو نیچا دکھا چکی تھیں؟ ہر گز نہیں۔

دیگر حکمرانوں کا مشرف باسلام ہونا

مناسبتِ مقام سے اس جگہ ان والیان وحکمرانانِ ملک کے نام بھی درج کیے جاتے ہیں جنھیں نبی ﷺ کے مقرر کردہ منادانِ اسلام سے اسلام کی حقیقت معلوم ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

۱-ثمامہ نجد کا حکمران تھا' ۶ھ میں مسلمان ہوا۔[2]

۲-جبلہ عرب کی مشہور وقدیم سلطنت غسّان کا حکمران تھا' ۷ھ میں مسلمان ہوا۔

۳-فروہ بن عمرو خزاعی' علاقہ شام پر قیصر کی طرف سے گورنر تھا۔جب یہ مسلمان ہوا تو قیصر نے سامنے بلایا اور حکم دیا کہ اسلام چھوڑ دے۔فروہ نے انکار کیا۔قیصر نے اسے قید کر دیا

۱-[البدایۃ والنہایۃ، ج۴، ص۲۶۹]۔۲-ثمامہ بن اثال نے مسیلمہ کذاب کے فتنہ میں اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔نبی ﷺ نے اُن کے پاس اس بارے میں فرات ابن حبان کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

اور پھر قتل کرادیا۔ خدا کے پیارے بندے نے دولت، حکومت، عزت اور جان سب چیزیں ترک کر دیں مگر اسلام ترک نہ کیا۔

۴-اکیدر، دومۃ الجندل کا حکمران تھا، ۹ھ میں مسلمان ہوا۔

۵-ذی الکلاع حمیری، یمن و طائف کے بعض اضلاع میں اس کی حکومت تھی اور زبردست قبیلہ حمیر کا یہ بادشاہ تھا۔ یہ اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتا اور لوگوں سے سجدہ کرایا کرتا تھا۔ اس نے مسلمان ہو جانے کے بعد ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کیے تھے۔ عمر فاروقؓ کے عہد میں سلطنت از خود چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آ گیا تھا اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔

فصل چہارم

[خدمت اقدسؐ میں وفود کی آمد]

نبی ﷺ کے عہد میں اسلام کی اشاعت جس حسُن و خوبی کے ساتھ ہوئی تھی، اس کی مختصر کیفیت ان وفود (ڈیپوٹیشنوں) سے اندازہ کی جاسکتی ہے جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ کی خدمت میں دُور دراز سے آیا کرتے تھے۔ ڈیپوٹیشن کا آنا، واپس جانا، ہر منزل اور راہ پر مختلف قوموں اور قبیلوں سے ملنا اور اسلام کی آواز کو سب لوگوں کے کان تک پہنچانا کیسی خوبی سے انجام پاتا تھا۔

رسول ﷺ کی مدافعانہ لڑائیاں تو، جن میں بہ مجبوری شامل ہونا پڑا، ملک کے ایک محدود دائرہ ہی میں تھیں لیکن ان ڈیپوٹیشن کو دیکھو کہ ملک کے ہر گوشہ اور حصے سے چلے آتے تھے۔ ہدایت اور اسلام ہی وہ چشمے ہیں جو نبی ﷺ نے چٹیل میدان میں بہادیے تھے اور جن کی طرف تمام پیاسے چلے آتے تھے۔ دعوتِ عام کی دوسری زبردست دلیل ان وفود کا حاضر ہونا ہے۔ جن قبائل کے وفود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے نام یہ ہیں: (میں نے ان قبائل کے نام فہرست میں درج نہیں کیے جن کا نبی ﷺ کی خدمت میں آنا ملکی اغراض یا ذاتی فوائد کے لیے تھا) دوس، صدا، ثقیف، عبدالقیس، بنی حنیفہ، طے، اشعرئین، ازد، فروہ جذامی، ہمدان، طارق بن عبداللہ، تجیب، بنی سعد ہذیم، بنواسد، بہرا، عذرا، خولان، محارب، غسان بنی الحارث، بنی عیش، غامد، بنی فزارہ، سلامان، نجران، نخع۔ ذیل میں وفود مندرجہ بالا کے مختصر سے حال درج کیے جاتے ہیں۔

وفد دوس

طفیل بن عمرو دوسیؓ کے اسلام لانے کا ذکر اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ اسلام کے بعد جب یہ بزرگوار وطن کو جانے لگا تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ میری

قوم بھی میری دعوت پر مسلمان ہو جائے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی۔ خدایا طفیلؓ کو تو ایک نشان (آیت) بنا دے۔ طفیلؓ گھر پہنچے تو بوڑھا باپ ملنے کے لیے آیا۔ طفیلؓ نے کہا: باوا جان! اب نہ میں تمھارا ہوں اور نہ آپ میرے ہیں۔ بوڑھے نے کہا: یہ کیوں؟ طفیلؓ نے کہا: میں تو محمد ﷺ کا دین قبول کر کے اور مسلمان ہو کے آیا ہوں۔ بوڑھے نے کہا: بیٹا! جو تیرا دین ہے، وہی میرا بھی ہے۔ طفیلؓ نے کہا: خوب، تب آپ اٹھیے، غسل فرمایئے، پاک کپڑے پہن کر تشریف لایئے تاکہ میں اسلام کی تعلیم دوں۔ پھر طفیلؓ کی بیوی آئی، اس سے بھی اسی طرح بات چیت ہوئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ اب طفیلؓ نے اسلام کی منادی شروع کر دی لیکن لوگ کچھ مسلمان نہ ہوئے۔

داعیانِ اسلام کے لیے ضروری ہدایات

طفیلؓ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، عرض کیا کہ میری قوم میں زنا کی کثرت ہے (چونکہ اسلام زنا کو سختی سے حرام ٹھہراتا ہے) اس لیے لوگ مسلمان نہیں ہوتے۔ حضور ﷺ ان کے لیے دعا فرمائیں۔

نبی ﷺ نے زبان سے کہا: اللّٰھم اھد دوساً۔ اے خدا دوس کو سیدھا راستہ دکھا۔ پھر طفیلؓ سے فرمایا: جاؤ، لوگوں کو دین خدا کی طرف بلاؤ، ان سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرو۔ اس دفعہ طفیلؓ کو اچھی کامیابی ہوئی۔ وہ ۵ھ میں دوس کے ستر، اسّی خاندانوں کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیبر گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے خیبر ہی پہنچ کر انھوں نے شرف حضوری حاصل کیا اور یہ سب لوگ بھی خیبر ہی میں نبی ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ نبی ﷺ کے چچیرے بھائی بھی حبش سے وہاں کے حبشی قبائل کو جو مسلمان ہو چکے تھے، لے کر خیبر ہی جا پہنچے تھے۔

حضرت جعفرؓ کا حبش سے وہاں کے نو مسلموں کو لے کر اور حضرت طفیل بن عمروؓ کا یمن سے دوس کے نو مسلم خاندانوں کو لے کر خیبر میں پہنچ جانا گویا یہودیوں کو خدا کی طرف سے یہ بتا دینا تھا کہ جس نبی کی تعلیم ایسے دُور دراز ملکوں میں دلوں کے قلعوں کو آسانی سے فتح کر رہی ہے۔ اس کی مخالفت میں اپنے اینٹ پتھر کے قلعوں پر بھروسہ کرنا کس قدر بے بنیاد بات ہے۔

یہ وفد ۸ھ میں حاضر خدمت نبوی ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس قوم کا ایک شخص زیاد بن حارث صدائی حاضر ہوا۔ پھر دوبارہ وہی زیاد قوم کے پندرہ سرکردہ لوگوں کو لے کر آیا۔ سعد بن عبادہؓ ان کی تواضع کے لیے مامور ہوئے۔ ان کے واپس جانے کے بعد ان کے قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔ زیادؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: ہمارے ہاں صرف ایک کنواں ہے۔ سرما میں اس کا پانی کافی ہوتا ہے۔ لیکن گرما میں وہ خشک ہو جاتا ہے۔ اس لیے تمام قوم م

تفرق ہو کر یہ موسم پورا کرتی ہے۔

ہمارا قبیلہ ابھی جدید الاسلام ہے، تعلیم و تعلم کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ دعا فرمایئے کہ کنویں کا پانی ختم نہ ہوا کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم سات کنکریاں اٹھالاؤ، زیادؓ لے آیا۔ نبی ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر پھر واپس دے دیا۔ فرمایا: ایک ایک کنکری اس کنویں میں گرا دینا۔ ہر ایک کنکری پر اللہ اللہ پڑھتے جانا۔ زیادؓ کا بیان ہے کہ پھر اس چاہ میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ اس کے قعر کا پتہ ہی نہ لگا کرتا۔

بنو ثقیف کا وفد

ثقیف میں سے سب سے پہلا شخص جو تعلیم اسلام حاصل کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تھا۔ وہ عروہ بن مسعودؓ ثقفی تھا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا اور صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کا وکیل بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ جنگ ہوازن و ثقیف کے بعد جذبۂ توفیق الٰہی سے مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ عروہؓ کے گھر میں دس بیویاں تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم ان میں سے چار[1] کو رکھ کر باقی کو طلاق دے دو۔

---

[1]-اس قصہ سے قارئین کو معلوم ہوگا کہ عرب میں کثرت زوجات کا رواج پہلے سے تھا اور کوئی پابندی نہ تھی کہ ایک مرد اس سے زیادہ بیویاں نہ کرے۔ اسلام نے اس مطلق العنانی کو روکا، لامحدود کو محدود بنایا اور کثرت کے لیے سب سے آخری تعداد چار مقرر کی۔ آج کل بہت لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے چار کو بھی کیوں جائز رکھا۔ ایسا اعتراض کرنے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسیحؑ نے یہودیوں کے رواج کثرت زوجات میں کوئی اصلاح کی تھی؟ اگر نہیں تو یہ بھی اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے جملہ مذاہب عالم میں سے اس مسئلہ کے متعلق ایک حد مقرر کی۔ انجیل متی ۲۵ باب کو شروع سے پڑھ کر دیکھو، جس میں ایک دولہا کے ساتھ دس کنواریوں کی شادی کا ذکر ہے جن میں ۵ تو دولہا کے ساتھ گئیں

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اے

_____ اور ۵ اپنی نادانی سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ یہ تمثیل کثرتِ ازواج کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں دو تین چار تک اجازت دے کر پھر یہ فرمایا گیا ہے: خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اگر یہ اندیشہ ہو کہ تم اپنی بیویوں کے لیے عدل نہ کر سکو تب صرف ایک بیوی کرنا۔ پھر یہ بھی فرما دیا: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کبھی اپنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے اگرچہ تم خود بھی ایسا کرنا چاہو۔ پس یہ اسلام ہی ہے جس نے دنیا کی تمام مذہبی کتابوں سے پیشتر ''صرف ایک بیوی'' کے الفاظ کو قانونی اور حکمی طور پر بیان کیا ہے۔ اسلام کے لیے یہی فخر اور فضل کافی ہے۔ اس کتاب کے موضوع سے یہ زائد ہے کہ ایک سے زیادہ بیوی کے جواز پر عقلی و نقلی دلائل یہاں بیان کیے جائیں لیکن مختصراً اس جگہ اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ جب قومی عزت و وقار کا حصہ کثرت آبادی پر ہو، تب اس وقت قومی عزت کے لیے ایک سے زیادہ بیوی کرنا ضروری ہو جاتا ہے گویا ذاتی آرام ایک سے زیادہ بیوی کرنے میں نہیں رہتا۔ لیکن دنیا کے عقل مند جانتے ہیں کہ مبارک وہ ہیں جو قوم کے لیے اپنے آپ کی قربانی کر دیتے ہیں۔ ۲- لفظ طلاق سے بھی یورپین مصنفین بہت برہم ہوا کرتے ہیں۔ وہ یہ امر فراموش کر دیتے ہیں کہ جیسٹسن کوڈ میں طلاق کی کامل آزادی عیسائیوں کے لیے بحال رکھی گئی ہے۔ وہ یہ بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ آج دنیا میں صرف یورپ ہی ہے جہاں طلاق بکثرت دی جاتی ہے اور طلاق منظور کرنے والی عدالتیں جداگانہ یورپ ہی میں ہیں۔ اسلام نے تو یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب کی بے روک ٹوک طلاق پر بہت سی قیود بڑھا دیں جس سے طلاق کی رسم قریباً ملیامیٹ ہو گئی۔ ۱- مہر زوجہ طلاق کی روک ہے۔ طلاق شرعی تین ہیں ہر طلاق ایک حیض کے بعد ہونی چاہیے۔ یہ تین مہینے کی میعاد بھی طلاق کے لیے روک ہے۔ ۲- آخری طلاق تک خاوند بیوی ایک گھر میں رہیں۔ یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔ ۳- طلاق پر دو گواہ ضروری ہیں اور یہ بھی اہل غیرت کے لیے جو غیر کے سامنے اپنا پردہ کھولنا نہیں چاہتے طلاق کی روک ہے۔ ۴- [طلاق مغلّظہ کے ساتھ] مطلقہ عورت پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی۔ جب تک کوئی اور اس سے نکاح نہ کر لے اور پھر اتفاق وقت سے نہ چھوڑ دے۔ یہ سخت دشوار شرط بھی طلاق کے لیے روک ہے۔ ۵- سب سے بڑھ کر انّ ابغض الحلال عند اللہ الطلاق۔ سب سے زیادہ طلاق روکنے والی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے: ''جائز کاموں میں سب سے زیادہ قابل نفرت کام خدا کے نزدیک طلاق ہے''۔ ۶- قرآن مجید میں ہے: نبی ﷺ نے اپنے صحابی زید سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (الاحزاب ۳۷ آیت) اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے (اور اسے طلاق دینے میں) اللہ سے ڈر۔ لیکن سارے قرآن مجید میں کہیں بھی نہیں کہ کسی کو طلاق دینے کی بابت کہا گیا ہو۔ ۷- قرآن مجید نے ظہار لغو ٹھہرایا۔ حالانکہ عرب کے نزدیک یہ بھی ایک طلاق تھی۔ اس سے بھی طلاق کی کمی ہو گئی۔ ۸- قرآن مجید نے ایلا کی اصلاح کی۔ حالانکہ عرب میں یہ بھی طلاق ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا تھا اور اس سے بھی طلاق میں کمی پیدا ہوئی۔ ۹- قرآن مجید نے لازم ٹھہرایا ہے کہ ناچاقی و بدسلوکی کی حالت میں ایک ثالث شخص شوہر کے کنبہ کا اور ایک شخص ثالث بیوی کے کنبہ کا مقرر کیے جائیں۔ اور یہ دونوں مل کر میاں بیوی کی شکایات سن کر ان میں اصلاح کرا دیں۔ یہ تدبیر بھی طلاق کی روک کے لیے ہے۔ اگر کسی مذہب نے طلاق کی روک میں اتنی اور ایسی تدابیر کی تعلیم دی ہے تو وہ پیش کرے۔ ان احکام کا عملی نتیجہ دیکھو کہ مسلمانوں میں طلاق کا استعمال شاذ و نادر کیا جاتا ہے لیکن یورپ میں جو عدم جواز طلاق کے مسئلہ پر مفتخر ہے، کوئی شہر کوئی قصبہ کوئی محلہ ایسا نہ ملے گا جہاں طلاق کی دو چار مثالیں نہ مل سکیں۔ فقط۔

وفد صداء

جب عروہ رضی اللہ عنہ اسلام سیکھ چکے تو انھوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اب مجھے اپنی قوم میں جانے اور اُنھیں اسلام کی منادی کرنے کی اجازت فرمادی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمھاری قوم تمھیں قتل کردے گی۔ عروہؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میری قوم کو مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی کسی عاشق کو اپنے معشوق سے ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار اپنی قوم میں آیا اور وعظِ اسلام شروع کردیا۔ ایک روز یہ اپنے بالاخانہ میں نماز پڑھ رہے تھے، کسی شقی نے تیر چلایا جس سے یہ شہید ہوگئے۔ اگرچہ عروہؓ جانبر نہ ہوئے لیکن جو آواز انھوں نے قوم کے کانوں تک پہنچائی تھی، وہ دلوں پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ قوم نے اپنے چند سرکردوں کو منتخب کیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں اس لیے بھیجا کہ اسلام کی نسبت پوری واقفیت حاصل کریں۔

یہ وفد ۹ھ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ وفد کا سردار عبد یالیل تھا جس کے سمجھانے کو نبی ﷺ کوہِ طائف پر ۱۰ نبوت میں گئے تھے اور اس نے وعظ کے سننے سے انکار کرکے آبادی کے لڑکوں اور اوباشوں کو نبی ﷺ کی تضحیک اور تحقیر کے لیے مقرر کردیا تھا اور جس کے اشارہ سے طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھر برسائے گئے [تھے اور] کیچڑ پھینکی گئی تھی۔ نبی ﷺ نے وہاں سے آتے ہوئے یہ فرمادیا تھا کہ میں ان کی بربادی کے لیے دعا نہیں کروں گا کیونکہ اگر یہ خود اسلام نہ لائیں گے تو ان کی آیندہ نسلوں کو خدا ایمان عطا کرے گا۔ اب وہی دشمنِ اسلام خود بخود اسلام کے اپنے دل میں جگہ پاتے اور دلی شوق و روحی طلب

سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

قوم کی عزت کا سبق

مغیرہ بن شعبہؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یہ (اہل ثقیف) میری قوم کے لوگ ہیں کیا میں انھیں اپنے پاس اُتار لوں اور ان کی تواضع کروں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لاامنعک ان تکرم قومک۔ (میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو لیکن ان کو ایسی جگہ اُتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑے)۔

الغرض ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگائے گئے، جہاں سے یہ قرآن بھی سنتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھتے بھی دیکھتے۔ اس تدبیر سے ان کے دلوں پر اسلام کی صداقت کا اثر پڑا اور انھوں نے نبی ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کرلی۔ انھوں نے بیعت سے پہلے یہ اجازت چاہی کہ ہم کو ترکِ نماز کی اجازت دی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لاخیر فی دینٍ لیس فیہ رکوع۔ (جس مذہب میں نماز نہیں، اس میں کوئی بھی خوبی نہیں)۔ پھر انھوں نے کہا: اچھا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے اور نہ زکوٰۃ ہم سے لی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔[1]

[چند اہم اسلامی تعلیمات]

عبد یالیل نے جو ان کا سردار تھا، مختلف اوقات میں نبی ﷺ سے مندرجہ ذیل مسائل پر بھی گفتگو کی۔

۱: زنا کا بیان:- یارسول اللہ (ﷺ)! زنا کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہماری قوم کے لوگ اکثر وطن سے دُور رہتے ہیں، اس لیے زنا کے بغیر کچھ چارہ ہی نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: زنا تو حرام ہے اور اللہ پاک کا اس کے لیے یہ حکم ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۲) تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ تو سخت بے حیائی اور بہت برا طریق ہے۔

۲: سود کا بیان:- یارسول اللہ ﷺ! سود کے بارے میں حضور ﷺ کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو بالکل ہمارا ہی مال ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنا اصل روپیہ لے سکتے ہو۔ دیکھو اللہ

۱- سنن ابوداؤد عن وہب و عثمان بن ابی العاص، باب ماجاء فی خبر الطائف:
آنحضرت کے ہدی مبارک کو دیکھو کہ کس حکمت سے نو مسلموں پر شرائع اسلام کی تعلیم کا بار ڈالا کرتے تھے۔ دعوت اسلام صفحہ ۴۶۲ میں ہے کہ وال ویمبر زار روس مسلمان

ہونے کو تیار تھا اس شرط پر کہ وہ شراب کا پینا ترک نہ کرے گا۔ اس وقت کے عالم نے اس شرط کو قبول نہ کیا۔ زار مذکور (جو بت پرستی سے متنفر ہو گیا تھا) مایوس ہو کر عیسائی بن گیا۔ اگر اس عالم کو ہدی محمدیؐ سے واقفیت ہوتی تو آج سلطنت روس میں قریباً سب مسلمان ہوتے۔

تعالیٰ نے فرمایا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا (البقرہ ۲:۲۷۸) اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے، وہ بھی چھوڑ دو۔

۳: شراب کا بیان:- یارسول اللہ (ﷺ)! خمر (شراب) کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ یہ تو ہمارے ہی ملک کا عرق ہے اور اس کے بغیر تو ہم رہ نہیں سکتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شراب کو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (المائدۃ ۵:۹۰) اے ایمان والو! شراب، جوا، انصاب و ازلام ناپاک اور گندے ہیں۔ شیطان کے کام ہیں ان سے بچا کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔

دوسرے روز اس نے آکر کہا: خیر ہم آپ کی باتیں مان لیں گے، لیکن (ربہ) کو کیا کریں، ربہ مونث ہے لفظ رب کا۔ جس دیوی کے بت کو یہ پوجا کرتے تھے، اسے ربّہ کہا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے گرا دو۔ وفد کے لوگوں نے کہا: ہائے ہائے! اگر ربّہ کو خبر ہو گئی کہ آپؐ اسے گرا دینا چاہتے ہیں تو وہ ہم لوگوں کو تباہ ہی کر ڈالے گی۔ عمر بن خطابؓ نے کہا: افسوس عبد یالیل! تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ تو صرف پتھر ہی ہے۔ عبد یالیل نے کھسیانا ہو کر کہا: عمرؓ! ہم تجھ سے بات کرنے نہیں آئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اسے گرانے کی ذمہ داری حضور ﷺ خود لیں کیونکہ ہم تو اسے کبھی نہیں گرانے کے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خیر میں گرا دینے والے کو بھیج دوں گا۔ ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اس شخص کو آپ ہمارے بعد روانہ کیجیے گا۔ وہ ہمارے ساتھ نہ جائے۔[1]

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبد یالیل جو طائف کا حکمران رئیس تھا ایک ہوشیار شخص تھا۔ وہ اپنے آپ کو جاہل قوم کا نشانہ بننے سے بچانے کے لیے بظاہر اعتراضات و سوالات کرتا تھا تاکہ قوم یہ نہ کہے کہ بحث مباحثہ کے بغیر مسلمان ہو گیا۔ جاہلوں کے سمجھانے کی یہ بھی اچھی تدبیر ہے۔

علم کی عظمت

الغرض یہ لوگ جتنے حاضر ہوئے تھے، وہ مسلمان ہو کر وطن کو واپس چلے گئے۔ انھوں نے چلتے وقت کہا کہ ہمارے لیے کوئی امام مقرر کر دیجیے۔ ان میں ایک شخص عثمان بن ابوالعاصؓ تھا جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا وہ قوم سے خفیہ خفیہ قرآن مجید اور احکامِ شریعت سیکھتا رہا تھا۔ کبھی رسولؐ اللہ سے کبھی ابو بکر صدیقؓ سے سیکھ لیا کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی کو ان کا امام مقرر فرما دیا۔

سفیروں کی حکمت ودانائی

وفد نے راستہ میں یہ مشورہ کیا کہ اپنا اسلام چھپا کر پہلے قوم کو مایوس کر دینا چاہیے۔ جب یہ وطن پہنچ گئے تو قوم نے پوچھا: کہو، کیا حال ہوا؟ وفد نے کہا: ہمیں ایک سخت خو، درشت گو شخص سے سابقہ پڑا جو ہمیں انہونی باتوں کا حکم دیتا ہے مثلاً لات و عزیٰ کو توڑ دینا، تمام سودی روپیہ کو چھوڑ دینا، شراب، زنا کو حرام سمجھنا۔

قوم نے قسم کھا کر کہا: ہم ان باتوں کو کبھی نہیں ماننے کے۔

وفد نے کہا: اچھا ہتھیاروں کو درست کرو اور جنگ کی تیاری کرو، قلعوں کی مرمت کر لو۔

دو دن تک ثقیف اسی ارادے پر جمے رہے۔ تیسرے روز خود بخود ہی کہنے لگے: بھلا محمدؐ کے ساتھ ہم کیونکر لڑ سکیں گے۔ سارا عرب تو اس کی اطاعت کر رہا ہے۔ پھر وفد کے لوگوں سے کہا: جاؤ جو کچھ بھی کہتا ہے، قبول کر لو۔

وفد نے کہا: اب ہم تم کو صحیح صحیح بتاتے ہیں۔ ہم نے محمدؐ کو تقویٰ میں اور وفا میں، رحم میں اور صدق میں سب ہی سے بڑھ کر پایا۔ ہم تم سب کو اس سفر سے بڑی برکت حاصل ہوئی۔ قوم نے کہا کہ تم نے ہم سے یہ راز کیوں پوشیدہ رکھا اور ہم کو ایسے سخت غم والم میں کیوں ڈالا؟ وفد نے کہا: ہمارا مدعا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں سے شیطانی غرور نکال دے۔ اس کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے اشخاص خالد بن ولیدؓ کی ماتحتی میں وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے لات کے گرا دینے کی کارروائی کا آغاز کرنا چاہا۔ ثقیف کے سب مرد وزن، بوڑھے، بچے اس کام کو دشوار سمجھے ہوئے تھے۔ پردہ نشین عورتیں بھی یہ تماشا دیکھنے

نکل آئی تھیں۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کے توڑنے کے لیے تیر چلایا مگر اپنے زور میں خود ہی گر پڑے۔[1] یہ دیکھ کر ثقیف والے پکار اٹھے: خدا نے مغیرہ کو دھتکار دیا اور ربہ[2] نے اسے قتل کر ڈالا۔ اب خوش ہو ہو کر کہنے لگے: تم کچھ ہی کوشش کرو مگر اسے نہیں گرا سکتے۔

مغیرہ بن شعبہؓ نے خفا ہو کر کہا: ثقیف والو! تم بہت ہی بے وقوف ہو۔ یہ پتھر کا ٹکڑا کر ہی کیا سکتا ہے؟ لوگو! خدا کی عافیت کو قبول کرو اور اسی کی بندگی کرو۔ پھر مندر کا دروازہ بند کر کے مغیرہ نے اوّل اس بت کو توڑا اور پھر مندر کی دیواروں پر چڑھ گیا اور انھیں گرانا شروع کر دیا۔ باقی مسلمان بھی دیواروں پر جا چڑھے اور اس عمارت کا ایک ایک پتھر گرا کے چھوڑا۔ مندر کا پجاری کہنے لگا کہ مندر کی بنیاد انھیں ضرور غرق کر دے گی۔ مغیرہ نے یہ سنا تو بنیاد بھی ساری کھود ڈالی اور اس طرح اس قوم کے دلوں میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔[3]

وفد عبدالقیس کا حال

قبیلہ عبدالقیس کا وفد خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تم کس قوم سے ہو؟ عرض کیا: قوم ربیعہ سے۔ نبی ﷺ نے انھیں خوش آمدید فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے اور حضور ﷺ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں۔ ہم شہر حرام (حُرمت والے مہینے) ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس لیے صاف واضح طور پر سمجھا دیا جائے جس پر ہم بھی عمل کرتے رہیں اور قوم کے باقی ماندہ اشخاص بھی۔ فرمایا: میں چار چیزوں پر عمل کرنے کا اور چار چیزوں سے بچے رہنے کا حکم دیتا ہوں۔

امر و نہی

جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

۱- اکیلے خدا پر ایمان لانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی شہادت ادا کرنا

۲- نماز

۳- زکوٰۃ

۴- رمضان کے روزے اور مال غنیمت سے خمس نکالنا۔

چار چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے، یہ ہیں:

۱-دُبا(تونبا)۔

۲-حنتم(لاکھی برتن)۔

۳-نقیر(شراب کے لیے لکڑی کاایک برتن)۔

۱-زادالمعاد،ص۴۸۵[طبع جدید،موسسۃالرسالۃ۱۹۸۶ء،ج۳،ص۵۲۱۔زیر نظر مقام پر تیر چلانے کی جگہ گرزمارنے کاذکرہے۔(مدوّن)]۲-ربہّ دیوی کو کہاکرتے تھے۔۳-زادالمعاد،ص۴۸۵[محولہ بالا]

۴-مزفت (قیر آلودہ) برتن)۔ان باتوں کو یاد رکھو اور پچھلوں کو حکم بتادو۔

انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! حضور ﷺ کو کیا معلوم ہے کہ نقیر کیا ہوتی ہے۔ فرمایا جانتا ہوں۔ کھجور کے درخت میں زخم لگا کر عرق نکالتے ہیں اور اس میں کھجوریں ڈالا کرتے ہو' اس پر پانی ڈالتے ہو' اس میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ جب جوش بیٹھ جاتا ہے' تب پیا کرتے ہو۔ ممکن ہے کہ تم سے کوئی (اس نشہ میں) اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر ڈالے۔ (عجیب بات یہ کہ اسی وفد میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے نقیر کے نشہ میں اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا تھا)۔

ان لوگوں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! ہم کیسے برتن میں پانی پیا کریں۔ فرمایا: مشکوں میں' جن کا منہ باندھ دیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! ہمارے یہاں چوہے بکثرت ہوتے ہیں۔ اس لیے وہاں چمڑے کی مشکیں سالم نہیں رہ سکتی ہیں۔ فرمایا: خواہ سالم ہی نہ رہیں۔

اسی وفد کے ساتھ جارود بن العلا بھی آیا تھا۔ یہ مسیحی المذہب تھا۔ اس نے کہا: یارسولؐ اللہ! میں اس وقت بھی ایک مذہب رکھتا ہوں۔ اگر ہم اسے چھوڑ کر آپ کے دین میں داخل ہو جائیں تو کیا آپ ہمارے ضامن بن سکتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ میں ضامن بنتا ہوں کیونکہ جس مذہب کی میں دعوت دے رہا ہوں یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو۔ جارود کے ساتھ اور عیسائی بھی مسلمان ہو گئے تھے۔[۲]

وفد بنی حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ثمامہ[۳] بن اثالؓ کی کوشش سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ یہ وفد مدینہ آکر مسلمان ہوا تھا۔ اسی وفد کے ساتھ مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ مدینہ آکر لوگوں میں کہنے لگا کہ اگر محمد ﷺ یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا تو میں بیعت کروں گا۔ نبی ﷺ نے یہ سنا۔ حضور ﷺ

۱- صحیح بخاری عن ابن عباسؓ [کتاب الایمان، باب ۳۸، حدیث ۵۳] اس قوم میں شراب بکثرت پی جاتی' بنائی جاتی' ذخیرہ رکھی جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے حرمتِ شراب کا حکم دیتے وقت ان ظروف کا استعمال بھی منع فرما دیا' جن میں شراب پی جاتی یا رکھی جاتی تھی۔ جب قوم سے شراب کی عادت چھوٹ گئی' تب ان برتنوں کے استعمال سے ممانعت بھی دُور کر دی گئی تھی اس لیے مسلمان بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کیسی حکمت اور عمدگی سے تعلیم دیا کرتے تھے۔ ۲- زاد المعاد' ص ۴۸۷ صحیحین بروایت ابن عباسؓ [بخاری، کتاب العلم، باب ۲۵، حدیث ۸۷، مسلم کتاب الایمان، باب ۶، حدیث ۲۳] ۳- ثمامہ بن اثالؓ، دیکھو' ص ۲۳۴۔

کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی، فرمایا: میں تو اس چھڑی کے دینے کی شرط پر بھی بیعت لینا نہیں چاہتا۔

اگر وہ بیعت نہ کرے گا تو خدا اسے تباہ فرمائے گا۔ اس کا انجام خدا تعالیٰ نے مجھے دکھا دیا ہے یعنی میں نے خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں۔ وہ مجھے ناگوار معلوم ہوئے۔ خواب ہی میں وحی سے معلوم ہوا کہ انھیں پھونک سے اڑا دو۔ میں نے پھونک ماری تو وہ اُڑ گئے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان سے مراد مسیلمہ صاحبِ یمامہ اور عنسی صاحبِ صنعا ہے۔[1] مسیلمہ کذاب نے اگرچہ رسالت کا دعویٰ کیا تھا مگر نبی ﷺ کو بھی رسول تسلیم کرتا تھا۔ اس سے مدعا اس کا غالباً یہ تھا کہ اس علاقہ کے مسلمان مخالف نہ ہوں۔

مسیلمہ کذاب اور نبی ﷺ کے درمیان خط و کتابت

۱۰ھ میں مسیلمہ اور نبی ﷺ میں یہ خط و کتابت بھی ہوئی تھی:

من مسیلمة رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ۔ امابعد! فان لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولٰکن قریشًا لاینصفون۔ والسلام علیك! (ترجمہ) خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے خدا کے رسول محمد ﷺ کے نام، واضح ہو کہ نصف زمین ہماری اور نصف قریش کی ہے مگر قریش انصاف نہیں کرتے۔ آپ پر سلام ہو۔

نبی ﷺ نے جواب دیا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد النبی الی مسیلمة الکذاب۔ امابعد! فان الارض للّٰہ یورثها من یشاء من عبادہٖ والعاقبة للمتقین والسلام علی من اتبع الهدٰی۔ (کتب ابی بن کعب[2]) (ترجمہ) اللہ کے نام سے جو کمال رحمت اور دائمی رحم والا ہے، خدا کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ واضح ہو کہ زمین خدا کی ہے،

۱- صحیحین بروایت نافع بن جبیر عن ابن عباس، [کتاب المغازی، باب ۶۶، حدیث ۴۱۱۵] مسیلمہ اور عنسی دو کذاب شخص گزرے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کی دیکھا دیکھی نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا۔ خدا نے دونوں کو تباہ کر دیا۔ کامیابی اور ابدی صداقت کی رفاقت اسی کو ملی جو خدا کا سچا رسول تھا۔ قرآن مجید میں پیش گوئی موجود ہے هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ - خدا نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایتوں اور صداقتوں کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ باقی سب مذہبوں کے اُوپر ظہور پائے۔ ۲- فتوح البلدان۔

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے اور عاقبت تو خدا ترس لوگوں کے لیے ہے۔ سلام ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خط حبیب بن زید بن عاصمؓ لے کر گئے تھے۔ کذاب نے ان کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں کٹوا دیے تھے۔ [1]

وفد طئی کا بیان

قبیلہ طے کا وفد جس کا سردار زید الخیل تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی۔ وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا۔ ایک زید الخیر اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر اس کا نام زید الخیر رکھ دیا۔ یہ سب لوگ ضروری گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ [2]

وفد اشعریین کا حال

قبیلہ اشعریہ (جو اہل یمن تھے) کا وفد حاضر ہوا۔ ان کے آنے پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا: اہل یمن آئے، جن کے دل نہایت نرم اور ضعیف ہیں۔ ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت یمنیوں کی، مسکنت بکریوں والوں میں، فخر اور غرور اُونٹ والوں میں جو مشرق کی طرف رہتے ہیں۔ جب یہ لوگ مدینہ میں داخل ہوئے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غداً نلاقی الاحبّہ

محمداً وّحزبہٗ

کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھ والوں سے ملیں گے۔ [3]

وفد ازد کا حال

یہ وفد سات اشخاص کا تھا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے

۱- فتوح البلدان بلاذری، ص ۹۵۔ اس جگہ ناظرین کی اطلاع کے لیے اس قدر درج کر دینا ضروری ہے کہ مسیلمہ پر ابو بکرؓ کی خلافت میں خالد بن ولیدؓ نے فوج کشی کی تھی۔ مسیلمہ وحشی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا وحشی وہی ہیں جو حضرت حمزہؓ کے قاتل ہیں۔ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کفر میں، میں نے ایک عظیم الشان مسلمان کو مارا تھا تو اسلام میں آکر ایک بڑے بھاری کافر کو بھی مارا ہے۔ خدا نے میرے گناہ کی تلافی کر دی۔ ۲- زاد المعاد، ص ۴۹۱۔ [طبع جدید مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۶ء ج ۳، ص ۵۳۸۔ زید الخیر شاعر، خطیب، بہادر و زبان آور تھے۔ ان کے دو بیٹے مخنف و حریث بھی صحابی ہیں۔ ۳- زاد المعاد، ص ۴۹۱۔ [محولہ بالا، ص ۵۴۱]

ان کی وضع قطع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم مومن ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر ایک قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ کہ تمھارے قول اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

ایمان کی حقیقت:۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم پندرہ خصلتیں رکھتے ہیں۔ پانچ وہ ہیں، جن پر اعتقاد رکھنے کا اور پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم آپ کے بھیجے ہوئے لوگوں نے دیا ہے۔ پانچ وہ ہیں جن پر ہم پہلے سے پابند ہیں۔

پانچ باتیں جن پر حضور ﷺ کے مبلغین نے ایمان لانے کا حکم دیا، یہ ہیں: ایمان خدا پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اللہ کے رسولوں پر، مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر۔ پانچ باتیں عمل کرنے کی ہم کو یہ بتائی گئی ہیں: لا الہ الا اللہ کہنا، پانچ وقت کی نمازوں کو قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت الحرام کا حج کرنا، جسے راہ کی استطاعت ہو۔ پانچ باتیں جو پہلے سے معلوم ہیں، یہ ہیں: آسودگی کے وقت شکر کرنا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، قضائے الٰہی پر رضامند ہونا، امتحان کے مقامات میں راست بازی پر قائم رہنا، اعدا کو شماتت نہ دینا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنھوں نے ان باتوں کی تعلیم دی وہ حکیم و عالم تھے اور ان کی دانش مندی سے معلوم ہوتا ہے، گویا انبیا تھے۔ اچھا، پانچ چیزیں اور بتا دیتا ہوں تاکہ پوری بیس خصلتیں ہو جائیں۔

(الف) وہ چیزیں جمع نہ کرو جسے کھانا نہ ہو۔

(ب) وہ مکان نہ بناؤ جس میں بسنا نہ ہو۔

(ج) ایسی باتوں میں مقابلہ نہ کرو، جنھیں کل کو چھوڑ دینا ہو۔

(د) خدا کا تقویٰ رکھو، جس کی طرف لوٹ کر جانا اور جس کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(ہ) ان چیزوں کی رغبت رکھو جو آخرت میں تمھارے کام آئیں گی جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ ان لوگوں نے نبی ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔[1]

فروہ بن عمرو الجذامی کی حاضری

عرب کا جتنا شمالی حصہ سلطنت قسطنطنیہ کے

۱- زاد المعاد، ص ۵۱۲۔ [محولہ بالا، ص ۵۶۴] از کتاب معرفۃ الصحابہ لابی نعیم (المتوفی ۳۳۶ھ)۔

قبضہ میں تھا' اس سارے علاقہ کا گورنر فردہ بن عمرو تھا۔ اس کا دارالحکومت معان تھا۔ فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی اسی کی حکومت میں تھا۔ نبی ﷺ نے اسے نامہ مبارک (دعوت اسلام کا) بھیجا تھا۔ فردہؓ نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ کے لیے سفید رنگ کا قیمتی خچر ہدیہ میں بھیجا تھا۔ جب بادشاہ قسطنطنیہ کو اس کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ملی' تو اسے حکومت سے واپس بلا لیا۔ پہلے اسلام سے پھر جانے کی ترغیب دیتا رہا۔ جب فردہؓ نے انکار کیا تو اسے قید کر دیا گیا۔ آخر یہ رائے ہوئی کہ اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ شہر فلسطین میں عفرا نامی تالاب پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ جب وہ پھانسی کے نیچے پہنچا تو اس نے یہ شعر پڑھے:

ألا هل أتى سلمى بأن خليلها على ماء عفرا فوق إحدى الرواحل

على ناقة لم يضرب الفحل امّها مشذبة اطرافها بالمناجل ۱؎

جان دینے سے پیشتر یہ شعر بھی پڑھا:

أبلغ سراة المسلمين بانني سلم لربي اعظمي و مقامي ۲؎

وفد ہمدان

یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ ان میں اشاعت اسلام کے لیے خالد بن ولیدؓ کو بھیجا گیا تھا۔ وہ وہاں دیر تک رہے۔ اسلام نہ پھیلا۔ نبی ﷺ نے علی مرتضیٰؓ کو اس قبیلہ میں اشاعت اسلام کے لیے مامور فرمایا۔ ان کے فیضان سے تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔ سیدنا علیؓ کا خط جب نبی ﷺ نے سنا تو سجدہ شکرانہ ادا کیا اور زبان مبارک سے فرمایا: السلام علی ہمدان (ہمدان کو سلامتی ملے)۔

یہ وفد انھی لوگوں کا تھا' جو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے اور دیدار نبویؐ سے مشرف ہونے آئے تھے۔ مالک بن نمط نے مندرجہ ذیل اشعار نبی ﷺ کے حضور میں نہایت ذوق سے پڑھے تھے:

۱- ان اشعار میں پھانسی کی پہیلی ہے۔ [البدایۃ والنہایۃ، ج۵، ص۸۷۔ ترجمہ: کیا سلمیٰ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کا حبیب عفرا کے مقام پر ایک سواری کے اوپر ہے۔ اس کی سواری ایک ایسی اونٹنی ہے جس کا باپ اونٹ نہیں ہے' بلکہ اس کے کنارے درانتیوں سے تراشے گئے ہیں۔] ۲- [البدایۃ والنہایۃ، ج۵، ص۸۷۔ ترجمہ: مسلمان راہ گیروں کو بتا دو کہ میرا ہر عضو اور اٹھنا بیٹھنا سب اللہ کے آگے تسلیم ہے]۔

الیك جاوزن سود الرّیف فی هبوات الصیف والخریف

مخطمات بحبال اللیف ۱ـ

وفد طارق بن عبداللہ

طارق بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں مکہ کے سوق المجاز میں کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک شخص وہاں آیا' جو پکار پکار کر کہتا تھا: یاایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔ ''لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو' فلاح پاؤ گے''۔ ایک دوسرا شخص اس کے پیچھے پیچھے آیا' جو اسے کنکریاں مارتا تھا اور کہتا تھا: یاایّھا النّاس لا تصدّقوہ فانّہ کذّابٌ۔ ''لوگو! اسے سچا نہ سمجھو' یہ تو جھوٹا شخص ہے''۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ تو بنی ہاشم میں سے ایک ہے جو اپنے آپ کو رسول اللہ سمجھتا ہے اور یہ دوسرا اس کا چچا عبدالعزیٰ ہے (ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا)۔۲

طارق کہتا ہے کہ اس کے بعد برسوں گزر گئے اور نبی ﷺ مدینہ جا رہے۔ اس وقت ہماری قوم کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا' مدینہ گئے تاکہ وہاں کی کھجوریں مول لائیں۔ جب مدینہ کی آبادی کے متصل پہنچ گئے تو ہم اس لیے ٹھہر گئے کہ سفر کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے بدل کر شہر میں داخل ہوں گے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں۔ اس نے سلام کے بعد پوچھا کہ کدھر سے آئے ہو' کدھر جاؤ گے؟ ہم نے کہا کہ ربذہ سے آئے ہیں اور یہیں تک قصد ہے۔ پوچھا: مدعا کیا ہے؟ ہم نے کہا کہ کھجوریں خریدنی ہیں۔ ہمارے پاس ایک سرخ اُونٹ تھا جس کے مہار ڈالی ہوئی تھی۔ اس شخص نے کہا: یہ اُونٹ بیچتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس قدر کھجوروں کے بدلے دے دیں گے۔ اس شخص نے یہ سن کر قیمت گھٹانے کی بابت کچھ بھی نہیں کہا اور مہار شتر سنبھال کر شہر

۱- زاد المعاد' ص ۴۹۳۔ [محولہ بالا، ص ۵۴۴] ۲- [زاد المعاد، ج ۳، ص ۵۶۶] اس واقعہ سے اندازہ کرو کہ نبی ﷺ نے کیسی محنت اور صبر واستقلال سے قوموں کو توحید کی دعوت دی تھی۔ دشمن کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔

کو چلا گیا۔ جب شہر کے اندر جا پہنچا تو اب آپس میں لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم نے کیا کیا' اُونٹ ایسے شخص کو دے دیا جس سے ہم واقف تک نہیں اور قیمت وصول کرنے کا کوئی انتظام ہی نہ کیا۔ ہمارے ساتھ ایک ہودج نشین (سردار قوم کی) عورت بھی تھی۔ وہ بولی کہ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا کہ چودھویں رات کے چاند کے روشن حصہ جیسا تھا۔ اگر ایسا آدمی قیمت نہ دے تو میں ادا کروں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے' اتنے میں ایک شخص آیا' کہا: مجھے رسولؐ اللہ نے بھیجا ہے اور (قیمت شتر کی) کھجوریں بھیجی ہیں۔ تمھاری ضیافت کی کھجوریں الگ ہیں' کھاؤ پیو اور قیمت کی کھجوروں کو ناپ کر پورا کر لو۔ جب ہم کھا پی کر سیر ہوئے تو شہر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہی شخص مسجد کے منبر پر کھڑا وعظ کر رہا ہے۔ ہم نے مندرجہ ذیل الفاظ آپؐ کے سنے۔

تصدقوا، فان الصدقة خيرٌ لكم۔ اليد العليا خير من اليد السفلىٰ أمك وأباك وأختك وأخاك وأدناك أدناك۔ لوگو! خیرات دیا کرو' خیرات کا دیا تمھارے لیے بہتر ہے۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ماں کو' باپ کو' بہن کو' بھائی کو' پھر قریبی کو اور دوسرے قریبی کو دو۔[1]

وفد تجیب

قبیلہ تجیب کے تیرہ شخص حاضر ہوئے تھے۔ یہ اپنی قوم کے مال و مویشی کی زکوٰۃ لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلے کے فقرا پر تقسیم کر دو۔ انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! فقرا کو دے کر جو بچ رہا ہے' ہم وہی لے کر آئے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان سے بہتر کوئی وفد اب تک نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہدایت خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ خدا جس کی بہبود چاہتا ہے اس کے سینہ کو ایمان کے لیے کھول دیتا ہے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا سوال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو

۱- زاد المعاد' ص ۵۰۴۔ [محولہ بالا، ص ۵۶۶] بحوالہ بیہقی عن جامع بن شداد۔ [ج ۶، ص ۲۰، حدیث ۱۰۸۷۹] توحید کا سبق طارق نے مکہ میں اور اخلاق حسنہ کا سبق مدینہ میں پایا تھا۔ بالآخر اپنی قوم سمیت مسلمان ہو گیا تھا۔

جوابات لکھوادیے تھے۔[1]

تبلیغ کے لیے بے تابی

یہ لوگ قرآن اور سنن ہدیٰ کے سیکھنے میں بہت ہی راغب تھے۔ اس لیے نبی ﷺ نے بلالؓ کو ان کی تواضع کے لیے خاص طور پر معین کر دیا تھا۔ یہ لوگ واپسی کی اجازت کے لیے بہت ہی اضطراب ظاہر کرتے تھے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ تم یہاں سے جانے کے لیے کیوں گھبراتے ہو۔ کہا: دل میں یہ جوش ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دیدار سے جو انوار ہم نے حاصل کیے، نبیؐ اللہ کی گفتار سے جو فیوض ہم نے پائے اور جو برکات اور فوائد ہم کو یہاں آکر حاصل ہوئے، ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو جلد پہنچائیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو عطیات سے سرفراز کیا اور رخصت فرمایا۔ پوچھا: کوئی شخص تم میں سے باقی بھی رہا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں ایک نوجوان لڑکا ہے، جسے اسباب کے پاس ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ فرمایا: اسے بھی بھیج دینا۔ وہ حاضر ہوا تو اس نے کہا: یارسول اللہ! حضور ﷺ نے میری قوم کے لوگوں پر لطف و رحمت کی ہے، مجھے بھی کچھ مرحمت فرمایئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟ کہا: یارسول اللہ ﷺ میرا مدعا اپنی قوم کے مدعا سے الگ ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اسلام کی محبت سے آئے ہیں اور صدقات کا مال بھی لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟

التماس دُعا

کہا: میں اپنے گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ حضورؐ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے یہی دعا فرمادی۔ ۱۰ھ کو جب نبی ﷺ نے حج کیا تو اس قبیلہ کے لوگ پھر حضور ﷺ سے ملے۔ نبی ﷺ نے پوچھا، اس نوجوان کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے کہا: یارسولؐ اللہ! اس جیسا شخص کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا اور اس جیسا قانع کوئی سنا ہی نہیں

۱- [زادالمعاد، ج۳، ص۵۶۸] جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث رسول آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قلم بند نہیں کی گئیں۔ وہ اس واقعہ پر زیادہ غور کریں۔

گیا۔ اگر دنیا بھر کی دولت اس کے سامنے تقسیم ہو رہی ہو تو وہ نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔[1]

وفد بنی سعد ندیم

یہ قبیلہ ایک شاخ قضاعہ سے تھا۔ جس وقت یہ مسجد نبوی میں پہنچے تو دیکھا کہ نبی ﷺ ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیش تر ہم کو کوئی کام بھی نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے ایک طرف ہو کر الگ بیٹھے رہے۔ جب آنحضرت ﷺ اُدھر سے فارغ ہوئے ان کو بلایا' پوچھا: کیا تم مسلمان ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں! فرمایا: تم اپنے بھائی کے لیے دعا میں کیوں شامل نہ ہوئے؟

آدمی اسلام لاتے ہی مسلمان ہو جاتا ہے

عرض کیا: ہم سمجھتے تھے کہ بیعتِ رسولؐ سے پہلے ہم کوئی کام بھی کرنے کے مجاز نہیں۔ فرمایا: جس وقت تم نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے تم مسلمان ہو گئے ہو۔ اتنے میں وہ مسلمان بھی آ پہنچا جسے یہ لوگ اپنی سواریوں کے پاس بٹھا آئے تھے۔ وفد نے کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ ہم سے چھوٹا ہے اور اسی لیے ہمارا خادم ہے۔ فرمایا: اَصْغَرُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔ (چھوٹا اپنے بزرگوں کا خادم ہوتا ہے) خدا اسے برکت دے۔ اس دعا کی یہ برکت ہوئی کہ وہی قوم کا امام اور قرآن مجید کا قوم میں سب سے اچھا جاننے والا ہو گیا۔ جب یہ وفد لوٹ کر وطن گیا تو تمام قبیلہ میں اسلام پھیل گیا۔[2]

وفد بنی اسد

یہ دس شخص تھے' جن میں وابصہ بن معبد اور طلحہ بن خویلد بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ اصحاب کے ساتھ اندر مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ خدا اکیلا ہے' لاشریک ہے اور آپ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ دیکھیے یارسول اللہ! ہم از خود حاضر ہو گئے ہیں اور آپؐ نے تو ہمارے پاس کوئی آدمی بھی نہ بھیجا۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا:

۱- زاد المعاد' ص ۵۰۴۔ جلد اول۔ [محولہ بالا، ص ۵۶۸] جو لوگ تبلیغ اسلام کی خدمت اپنے ذمہ لیتے ہیں' انھیں اس نوجوان کے نمونہ پر عمل کرنا چاہیے۔ ۲- زاد المعاد' ص ۵۰۵۔ [محولہ بالا، ص ۵۶۹]

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات ۴۹:۱۷) ''یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں۔ کہہ دو کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ بلکہ خدا تم پر اس بات کا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تم کو اسلام کی ہدایت کی ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے بھی ہو''۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی

منت شناس زو کہ بخدمت بداشتت

پھر ان لوگوں نے سوال کیا کہ جانوروں کی بولیوں اور شگونوں وغیرہ سے فال لینا کیسا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے انھیں منع فرمایا: انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ایک بات رہ گئی ہے، یعنی خط کشی (رمل)، اس کی بابت کیا ارشاد ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے ایک نبی نے لوگوں کو سکھایا تھا، جس کسی کو صحت سے وہ علم مل گیا، بے شک وہ تو علم ہے۔[1]

وفد بہرا

یہ لوگ مدینہ میں آئے۔ مقدادؓ کے گھر کے سامنے آکر اُونٹ بٹھائے۔ مقدادؓ نے گھر والوں سے کہا کہ ان کے لیے کچھ کھانا تیار کرو اور خود ان کے پاس گئے اور خوش آمدید کہہ کر اپنے گھر لے آئے۔ ان کے سامنے حیس رکھا گیا۔ حیس ایک کھانا ہے جو کھجور اور ستّو ملا کر گھی میں تیار کیا جاتا ہے۔ گھی کے ساتھ کبھی چربی بھی ڈال دیا کرتے ہیں۔ اسی کھانے میں سے کچھ نبی ﷺ کے لیے بھی مقدادؓ نے بھیجا۔ نبی ﷺ نے کچھ کھا کر وہ برتن واپس فرما دیا۔ اب مقدادؓ[2] دونوں وقت وہی پیالہ ان مہمانوں کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ مزے لے لے کر کھایا کرتے، خوب کھایا کرتے مگر کھانا کم نہ ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔ آخر ایک روز اپنے میزبان سے پوچھا: مقدادؓ! ہم نے تو سنا تھا کہ مدینہ والوں کی خوراک ستّو، جو، وغیرہ ہیں۔ تم تو ہمیں ہر وقت

۱- [اسد الغابہ، باب طلیحہ بن خویلد، ج ۲، ص ۴۷]
۲- مقداد بن عمرو بن ثعلبہ قوم کندہ سے ہیں بوجہ تبنیت قرشی الزہری کہلاتے تھے، نجباء رسول اور فضلا صحابہ میں سے ہیں۔ ۳۵ھ میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی۔ مدینہ میں دفن ہوئے۔

وہ کھانا کھلاتے ہو جو ہمارے ہاں بہت عمدہ سمجھا جاتا ہے اور جو ہر روز ہم کو میسر بھی نہیں آسکتا اور پھر ایسا لذیذ کہ ہم نے کبھی ایسا کھایا بھی نہیں۔ مقدادؓ نے کہا: صاحبو! یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے، کیونکہ اسے آنحضرت ﷺ کی انگشت ہائے مبارک لگ چکی ہیں۔ یہ سنتے ہی سب نے بالاتفاق کہا اور اپنا ایمان تازہ کیا کہ بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ لوگ مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے، قرآن اور احکام سیکھے اور واپس چلے گئے۔[1]

وفد عذرہ

بماہ صفر ۹ھ یہ وفد حاضر ہوا تھا۔ ۱۹ اشخاص اس میں تھے۔ ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم بنی عذرہ ہیں، اور قصی کے (ماں کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ہمیں نے قصی کو ترقی دلائی اور خزاعہ و بنی بکر کو مکہ سے نکالا تھا۔ اس لیے ہم کو قرابت بھی حاصل ہے، اور نسب بھی۔ آں حضرت ﷺ نے مرحبا و خوش آمدید فرمایا: اور یہ بھی بشارت سنائی کہ عنقریب شام فتح ہو جائے گا۔ ہرقل ان کے علاقہ سے بھاگ جائے گا۔ پھر آں حضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کاہنوں سے جا کر سوال نہ کیا کریں اور جو قربانیاں وہ کیا کرتے ہیں، آیندہ نہ کریں۔ اب صرف عیدالضحیٰ کی قربانی باقی رہ گئی۔ یہ لوگ کچھ دن مدینہ طیبہ میں رہے اور پھر انعام و جائزہ سے مشرف ہو کر رخصت ہوئے۔[2]

وفد خولان

یہ دس شخص تھے جو بماہ شعبان ۱۰ھ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے آکر عرض کیا کہ ہم اپنی قوم کے پسماندگان کی جانب سے وکیل ہو کر آئے ہیں۔ خدا اور رسولؐ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم حضورؐ کی خدمت میں لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ کا ہم پر احسان ہے۔ یہاں محض زیارت کے لیے

۱- [تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۵۲] ۲- زاد المعاد، ص ۵۰۶۔ [محولہ بالا، ص ۵۷۴]

ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من زارنی بالمدینۃ کان فی جواری یوم القیٰمۃ۔ (جس نے مدینہ میں آکر میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہوگا) پھر رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: عم انس کا کیا ہوا؟ (یہ ایک بت کا نام ہے جو اس قوم کا معبود تھا)۔ وفد نے عرض کیا: ہزار شکر ہے کہ اللہ نے حضورؐ کی تعلیم کو ہمارے لیے اس کا بدل بنا دیا ہے۔ بعض بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں رہ گئی ہیں، جو اس کی پوجا کیے جاتی ہیں۔ اب ان شاء اللہ ہم اسے جا کر گرا دیں گے۔ ہم مدتوں دھوکے اور فتنے میں رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی دن کا واقعہ تو سناؤ۔ وفد نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ایک دفعہ ہم نے سو نر گاؤ جمع کیے اور وہ سب کے سب ایک ہی دن عم انس کے لیے قربان کیے گئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیے گئے حالانکہ ہم کو گوشت اور جانوروں کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ انھوں نے یہ بھی عرض کیا کہ چوپایوں اور زراعت میں سے عم انس کا حصہ برابر نکالا جاتا تھا۔ جب کوئی زراعت کرتا تو اس کا وسطی حصہ عم انس کے لیے مقرر کرتا اور ایک کنارے کا خدا کے نام مقرر کر دیتا۔ اگر کھیتی کو ہوا مار جاتی تو خدا کا حصہ تو عم انس کے نام کر دیتے مگر عم انس کا حصہ خدا کے نام پر نہ کرتے۔[1]

نبی ﷺ کی تعلیم کا نمونہ

رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرائض دین سکھائے اور خصوصیت سے ان باتوں کی نصیحت فرمائی:

۱- عہد کو پورا کرنا

۲- امانت کا ادا کرنا

۳- ہمسایہ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا

۴- کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کرنا، یہ بھی فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔[2]

۱- [البدایۃ والنہایۃ، ج۵، ص۱۰۹] ۲- ایضاً، ص۵۰۹۔ [محولہ بالا، ص۵۷۸، عیون الاثر، ج۲، ص۳۳۶]

وفد محارب

یہ دس لوگ تھے، جو قوم کے وکیل ہو کر ۱۰ھ میں آئے تھے۔ بلالؓ ان کی مہمانی کے لیے مامور تھے۔ صبح و شام کا کھانا وہی لایا کرتے تھے۔ ایک روز ظہر سے عصر تک کا پورا وقت نبی ﷺ نے انھیں کو دیا۔ ان میں سے ایک شخص کو نبی ﷺ نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے تم کو پہلے بھی دیکھا ہے۔ یہ شخص بولا: ''خدا کی قسم! ہاں، حضور ﷺ نے مجھے دیکھا بھی تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی اور میں نے بدترین کلام سے حضور ﷺ کو جواب دیا [تھا] اور بہت بری طرح حضور ﷺ کے کلام کو ردّ کیا تھا۔ یہ بازار عکاظ کا ذکر ہے، جہاں حضور ﷺ لوگوں کو سمجھاتے پھرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے۔

اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے

اس شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! اس روز میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والا اور اسلام سے دُور دُور رہنے والا نہ تھا۔ وہ سب تو اپنے آبائی مذہب ہی پر مر گئے مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آج تک باقی رکھا اور حضور ﷺ پر ایمان لانا مجھے نصیب ہوا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: سب کے دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ اس شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! میری پہلی حالت کے لیے معافی کی دعا فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام ان سب باتوں کو مٹا دیتا ہے جو کفر میں ہوئی ہوں۔[۱]

وفد غسان کا حال

قبیلہ غسان کے تین شخص [رمضان] ۱۰ھ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم کی ہدایت کا ارادہ کر کے واپس گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اشاعت اسلام میں کامیابی نہ ہوئی۔ ان میں سے دو پہلے وفات پا چکے تھے اور ایک اس وقت تک زندہ رہا جب حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے شام کو فتح کیا تھا۔[۲]

۱- [البدایۃ والنہایۃ، ج۵، ص۱۰۴] ۲- [تاریخ ابن خلدون، ج۲، ص۵۵]

وفد بنی الحارث

یہ وفد شوال ۱۰ھ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ ان کے علاقہ میں خالد بن ولیدؓ کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ان کی تعلیم سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں اطلاع بھیج دی اور خود ان کی تعلیم کے لیے وہاں ٹھہر گئے تھے۔ نبی ﷺ نے لکھ بھیجا کہ تم واپس آجاؤ اور اس قوم کے چند سر کردہ لوگوں کو بھی ساتھ لاؤ۔ اسی وفد میں قیس بن الحصین اور عبداللہ بن فراد وغیرہ تھے۔[۱]

[فتح کا راز]

نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کیا وجہ ہے کہ جاہلیت میں جس کسی نے تم سے جنگ کی وہ مغلوب ہی ہوا۔ انھوں نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے، جب لڑائی کے لیے جمع ہو جاتے ہیں تو پھر متفرق نہیں ہوتے۔ اپنی طرف سے ظلم کی ابتدا نہیں کرتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: سچ ہے، یہی وجہ ہے۔

وفد بنی عبس کا حال

یہ وفد انتقال مبارک سے چار ماہ پیشتر آیا تھا۔ یہ علاقہ نجران کے باشندے تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تھے۔ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ ہم نے منادیِ اسلام سے سنا ہے کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے ہیں: لا اسلام لمن لا ھجرۃ لہٗ۔ ہمارے پاس زر و مال بھی ہے اور مویشی بھی، جن پر ہماری گزران ہے۔ پس اگر ہجرت کے بغیر ہمارا اسلام ہی ٹھیک نہیں، تو مال و متاع ہمارے کیا کام آئیں گے اور مویشی ہمیں کیا فائدہ دیں گے۔ بہتر ہے کہ ہم سب کچھ فروخت کر کے سب کے سب خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اتقوا اللہ حیث کنتم فلن یلتکم من اعمالکم شیئًا۔ تم جہاں آباد ہو، وہیں رہ کر خدا ترسی کو اپنا شیوہ بنائے رکھو۔ تمھارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آنے کی۔[۵] اس جواب میں نبی ﷺ نے یہ بتا دیا ہے کہ سب مسلمانوں کو مرکز اسلام میں جمع ہو کر اسلامی رقبہ کو محدود و تنگ کر لینا مناسب نہیں۔ مسلمانوں کو مختلف و دور دست ملکوں میں پہنچنا، اور اسلام

۱- [اسد الغابۃ، باب ابو ہشم، ج ۳، ۱۹۶] ۲- زاد المعاد، ص ۵۰۶۔ [محولہ بالا، ص ۵۴۳] ۳- زاد المعاد، جلد اول۔ [محولہ بالا، ۵۴۳] ۴- زاد المعاد، ص ۴۹۳ [یہ بات زاد المعاد میں نہیں کہ یہ لوگ نجران کے باشندے تھے۔] ۵- زاد المعاد، جلد اول، ص ۵۱۱۔ [محولہ بالا، ص ۵۸۵]

کی دعوت کو پہنچانا چاہیے۔ جو لوگ اب ترکِ وطن کر کے اسلامی ملکوں میں جا بسنے کو بہتر سمجھتے ہیں' انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنا آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے اور صواب دید مذہب کے بھی خلاف ہے۔

وفد غامد

یہ وفد ۱۰ھ میں آیا تھا۔ اس میں دس آدمی تھے۔ یہ مدینہ سے باہر آ کر اترے۔ ایک لڑکے کو بٹھا کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کہ تم اسباب کے پاس کسے چھوڑ آئے ہو۔ لوگوں نے کہا' ایک لڑکے کو۔ فرمایا: تمھارے بعد وہ سو گیا۔ ایک شخص آیا۔ خورجی چرا کر لے گیا۔ ایک شخص بولا: یارسول اللہ! خورجی تو میری تھی۔ فرمایا: گھبراؤ نہیں۔ وہ لڑکا اُٹھا' چور کے پیچھے پیچھے بھاگا' اسے جا پکڑا۔ سب اسباب صحیح سالم مل گیا ہے۔

یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت سے جب واپس پہنچے تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی طرح اس کے ساتھ ماجرا ہوا تھا۔ یہ لوگ اسی امر پر مسلمان ہو گئے۔ نبی ﷺ نے اُبی بن کعبؓ کو مقرر فرما دیا کہ انھیں قرآن یاد کرائیں اور شرائع اسلام سکھائیں۔ جب وہ واپس جانے لگے تو انھیں شرائع اسلام ایک کاغذ پر لکھوا کر دے دیے گئے۔[1]

وفد بنی فزارہ

جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو بنی فزارہ کا ایک وفد جس میں دس پندرہ آدمی شامل تھے' خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا۔ ان کو اسلام کا اقرار تھا۔ ان کی سواری میں لاغر' کمزور اُونٹ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمھاری بستیوں کا کیا حال ہے؟ ایک نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! بستیوں میں قحط ہے' مواشی مر گئے، باغ خشک ہو گئے، بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ خدا سے دعا کریں کہ ہماری فریاد سنے' آپ ہماری سفارش خدا سے کریں' خدا ہماری سفارش آپ سے کرے!

خدا کسی کی شفاعت نہیں کرتا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خدا ان باتوں سے پاک ہے' خرابی ہو تیرے لیے۔ بھلا میں تو خدا کے پاس شفاعت کروں گا' لیکن خدا کس کے پاس شفاعت کرے۔ وہ معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ سب سے بزرگ تر ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اسی کا حکم ہے۔

۱- زادالمعاد' ص ۲۴۴۔ [محولہ بالا، ص ۵۸۶]

آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم میں بارش کے لیے دعا فرمائی۔ جو الفاظ محفوظ ہیں، وہ یہ ہیں:

اللّٰھم اسق بلادك وبھائمك وانشر رحمتك وأحی بلدك المیّت اللّٰھم اسقنا غیثًا مغیثًا مریعًا طبقًا واسعًا عاجلاً غیر اٰجل۔ نافعًا غیر ضارٍ۔ اللّٰھم سقنا رحمۃ لا سقیا عذاب ولا ھدم ولا غرق ولا محق اللّٰھم اسقنا الغیث وانصرنا علی الاعداء۔ (اے خدا، اپنے بندوں اور جانوروں کو سیراب کر، اپنی رحمت کو پھیلا دے، اور اپنی مردہ بستیوں کو زندہ کر دے، الٰہی! ہم پر فریاد رس بارش جو راحت رساں، آرام بخش ہو، جلد آئے، دیر نہ لگائے، نفع پہنچائے، ضرر نہ کرے، سیراب کر دے، الٰہی ہم کو رحمت سے سیراب کر دے، نہ عذاب و ہدم و غرق و محق سے بھر دے۔ الٰہی! بارشِ باراں سے ہمیں سیراب کر دے اور دشمنوں پر ہم کو نصرت عطا فرما۔[1]

وفد سلامان

(شوال ۱۰ھ) یہ سترہ شخص تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے۔ انھی میں حبیب بن عمرو تھا۔ انھوں نے سوال کیا تھا کہ سب اعمال سے افضل کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وقت پر نماز پڑھنا''۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں بارش نہیں ہوئی، دعا فرمایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے زبان سے فرمایا: اللّٰھم اسقھم الغیث فی دارھم۔

حبیب نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ان مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ مسکرائے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کر دی۔ جب یہ وفد اپنے وطن لوٹ کر گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی تھی، جس دن نبی ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔[2]

وفد نجران

ان جملہ روایات پر جو وفد نجران کے عنوان کے تحت میں دو اوین احادیث میں پائی جاتی ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیانِ نجران کے معتمد دو دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لیے اسی ترتیب سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابو عبداللہ حاکم کی روایت عن یونس بن بکیر میں ہے کہ نبی ﷺ نے اہل نجران کو دعوت اسلام

۱- زاد المعاد، ص ۵۰۵۔ [محولہ بالا، ص ۵۷۰] ۲- زاد المعاد، ص ۵۱۱۔ [محولہ بالا، ص ۵۸۵]

کا خط تحریر فرمایا تھا۔ جب اُسقف نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ کانپ اُٹھا۔ اس نے فوراً شر حبیل بن وداعہ کو بلایا۔ یہ قبیلہ ہمدان کا شخص تھا۔ کوئی بڑا کام بغیر اس کی رائے کے حاکم یا مشیر یا پادری طے نہیں کیا کرتے تھے۔

اسقف نے اسے خط دیا اور اس نے پڑھ لیا' تو اسقف بولا: ابو مریم! فرمایئے! آپ کی کیا رائے ہے؟

شر حبیل نے کہا: ''صاحب! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ خدا نے ابراہیم سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اسماعیل کی نسل[1] میں نبوت بھی ہو گی۔ ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو لیکن نبوت کے متعلق میری کیا رائے ہو سکتی ہے؟ کوئی دنیوی بات ہوتی تو میں اس پر پورا غور کر سکتا اور اپنی رائے عرض کر سکتا تھا۔

اسقف نے کہا: ''اچھا' بیٹھ جایئے''۔ اسقف نے پھر ایک دوسرے شخص کو جس کا نام عبداللہ بن شر حبیل تھا اور قوم حمیر سے تھا' بلایا اور نامۂ نبویؐ دکھا کر اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے شر حبیل کا سا جواب دیا۔ اسقف نے پھر ایک تیسرے شخص جبار بن فیض کو بلایا' یہ بنو الحارث بن کعب میں سے تھا' نامہ دکھایا اور رائے دریافت کی۔ اس نے بھی ان دونوں کا سا جواب دیا۔

۱- اولاد اسماعیلؑ میں نبوت ہونے کی بابت بائبل کی کتابوں میں بہت سے حوالے ملتے ہیں۔ اول یہ کہ اسحاقؑ اور اسماعیلؑ سے خدا نے برابر کے وعدے کیے تھے۔ دوم یہ کہ عرب میں پیدا ہونے والے نبی کے نشانات اور علامات کی پیش گوئیاں بہت سے انبیا نے کی ہیں اور چونکہ عرب میں صرف اسماعیلؑ کی اولاد ہی آباد ہوئی تھی' اس لیے ان پیش گوئیوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی موعود اسماعیلی ہو گا۔ سوم موسیٰؑ کی بیان کردہ پیش گوئی اس بارے میں بہت واضح ہے۔ ''...ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا''۔ (کتاب استثناء' باب ۱۸، درس ۱۸)۔ یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیلؑ ہیں اور موسیٰؑ جیسا نبی حضرت محمد رسول اللہ ہی ہیں جو موسیٰؑ کی طرح صاحبِ کتاب' صاحبِ شریعت' صاحبِ جہاد' مہاجر و غازی ہیں اور منہ میں کلام سے مطلب وحی کے اصل الفاظ کا محفوظ رہنا ہے۔ یہ خصوصیت صرف قرآن مجید ہی کی ہے۔ بائبل کے مجموعہ میں سے کسی کتاب کو یہ درجہ حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ بھی اصلی محفوظ رہے ہوں۔ اس پیش گوئی کے ساتھ موسیٰؑ کی دوسری پیش گوئی بھی پڑھو۔ ''خداوند سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شریعت روشن ہے۔ ملائکہ کے لشکر کے ساتھ آیا ہے''۔ [کتاب استثنا ۲:۳۳] اس میں فاران کا پتہ درج ہے جو مکہ کے پہاڑ کا نام ہے۔ شر حبیل نے انھی حوالہ جات کا خیال کر کے مندرجہ بالا فقرہ استعمال کیا تھا۔

جب اسقف نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی جواب نہیں دیتا۔ تو اس نے حکم دیا کہ گھنٹے بجائے جائیں اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکائے جائیں۔ ان کا دستور تھا کہ اگر کوئی مہم عظیم درپیش ہوتی تو لوگوں کے بلانے کا طریق دن کے لیے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکا دیتے اور رات کے لیے یہ تھا کہ گھنٹے بجاتے اور پہاڑی پر آگ روشن کر دیتے۔ اس گرجے کے متعلق تہتر گاؤں تھے، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو مردوں کی آبادی تھی۔ وادی کے بالائی اور نشیبی حصہ کا طول ایک اسپ سوار کے ایک دن کی راہ تھا۔ جب کل علاقہ کے یہ لوگ (سب کے سب عیسائی تھے) جمع ہو گئے تو اسقف نے وہ نامہ مبارک سب کو سنایا اور رائے دریافت کی۔ مشورہ کے بعد قرارداد یہ ہوئی کہ شرحبیل اور عبداللہ اور جبار کو نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا جائے۔ وہ وہاں کے سب حالات معلوم کر کے مفصل بتائیں۔

یہ لوگ مدینہ پہنچے اور چند روز نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ انھی نے نبی ﷺ سے حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت کے متعلق گفتگو بھی کی۔ اسی گفتگو پر ان آیات کا نزول ہوا: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ [1] (آل عمران ۳:۵۹-۶۱) عیسیٰؑ کی مثال خدا کے نزدیک آدم کی سی ہے، خدا نے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا کہ (انسان زندہ) بن جا۔ وہ زندہ ہو گیا۔ سچی بات تیرے پروردگار کی جانب سے یہی ہے۔ اب تم [شک کرنے] والوں میں نہ رہو اور جو کوئی تم سے اس علم کے بعد جھگڑا کرے اسے کہہ دو کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں تم اپنی اولاد کو بلاؤ، اسی طرح ہماری عورتیں اور تمھاری عورتیں ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہوں اور خدا کی لعنت جھوٹے پر ڈالیں۔

۱- عیسائیوں کی تعلیم اور مقولہ ہے کہ تثلیث کو بلا دلیل مان لینا چاہیے۔ قرآن کریم نے اول دلیل دی کہ اگر عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو اس سے وہ خدا یا فرزند خدا نہیں ہو سکتے۔ دیکھو آدم بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ یقین تھا کہ دلیل کار گر نہ ہو گی، اس لیے بحث کے لیے ایک اچھوتا پہلو نکالا۔ یعنی خدا سے دعا مانگنا اور جھوٹے پر لعنت برسانا۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر مسیحؑ خدا یا ابن خدا ہیں تو ایسے لوگوں کی ضرور حمایت کریں گے، جو ان کا اصل درجہ دنیا پر ظاہر کر رہے ہیں لیکن اگر یہ غلط ہے تو خدا خود فیصلہ فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ مباہلہ صرف توحید کے اثبات اور استحکام کے لیے نکالا ہے، [اور یہ اس وقت ہوتا ہے] جب باب استدلال بند ہو۔ یہ لازم نہیں کہ ذرا ذرا سے اختلافات کو ہم مباہلہ سے طے کرانے کے خواہش مند ہوں۔

ان آیات کے نزول پر نبی ﷺ نے حسنؓ و حسینؓ کو بھی بلایا اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (سیدۃ نساء العالمین) بھی باپ کی پس پشت آکر کھڑی ہو گئیں۔[1] ان عیسائیوں نے علیحدہ ہو کر بات چیت کی۔ شرحبیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔ دیکھو تمام وادی کے لوگ اکٹھے ہوئے، تب انھوں نے ہم کو بھیجا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بادشاہ ہے، تب بھی اس سے مباہلہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام عرب میں سے ہم ہی اس کی نگاہ میں کھٹکتے رہیں گے۔ اور اگر یہ نبیؐ مرسل ہے، تب تو اس کی لعنت کے بعد ہمارا پرکاہ بھی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ اس لیے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی ماتحتی قبول کریں اور رقم جزیہ کا فیصلہ بھی اس کی رائے پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ جہاں تک میں نے سمجھا ہے، یہ سخت مزاج نہیں ہے۔ دونوں ساتھیوں نے اتفاق کیا اور انھوں نے جا کر عرض کر دیا کہ مباہلہ سے بہتر ہمارے لیے یہ ہے کہ جو کچھ حضورؐ کے خیال میں کل صبح تک ہمارے لیے بہتر معلوم ہو، وہ ہم پر مقرر کر دیا جائے۔ اگلے روز آنحضرت ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر کر دیا اور ایک معاہدہ جسے مغیرہ صحابی نے لکھا تھا اور ابوسفیانؓ بن حرب، غیلانؓ بن عمرو، مالکؓ [بن] عوف، اقرعؓ بن حابس صحابہ کی شہادات اس پر ثبت تھیں، انھیں مرحمت فرمایا۔ معاہدہ کا ایک فقرہ خاص طور پر ناظرین کے لیے ملاحظہ طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ عیسائیوں کو کیسی فیاضی سے مراعات و حقوق

۱- [زادالمعاد ج۳، ص۵۴۹] دیگر روایات میں حضرت علیؓ کی موجودگی بھی درج ہے۔ ان کے جمع کرنے سے مقصد عیسائیوں کو دکھا دینا تھا کہ ہم ابھی مباہلہ کو تیار ہیں گو ان کے زن و فرزند اس وقت مدینہ میں نہ تھے۔

مرحمت فرماتے تھے:

لنجران جوار اللّٰہ وذمّۃ محمدٌ النبی علیٰ انفسھم وملّتھم وارضھم واموالھم وغائبھم وشاھدھم وعشیرتھم وتبعھم وان لاّ یغیّروا لما کانوا علیہ ولا یغیّر حق من حقوقھم ولا ملّتھم ولا یغیّر کلما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر۔ ولیس علیھم ریبۃً ولا دم جاھلیۃ ولا یحشرون ولا یعشرون ولایطاء ارضھم الجیش...

نجران والوں کو خدااور محمدؐ رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہو گی' جان اور مذہب اور زمین اور جائداد کے متعلق۔ ان سب کو جو حاضر یاغائب ہیں' صاحب قبیلہ ہیں یااتباع کرنے والے ہیں ان کی حالت میں اور حقوق میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گااور جو کچھ کم یازیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسے نہ بدلا جائے گا۔ پچھلے زمانہ کی شبہات یا قتل کے تنازعات کے باعث ان پر مقدمات نہ چلائے جائیں گے۔ وہ بیگار میں نہ پکڑے جائیں گے ان سے دَہ یکی [پیداوار کا دسواں حصہ] نہ لی جائے گی' ان کے علاقہ سے فوج نہ گزرے گی۔

فرمان حاصل کر کے یہ لوگ نجران کو واپس چلے گئے۔ بشپ (اسقف) اور دیگر سر برآوردہ لوگوں نے ایک منزل آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی۔ وفد نے یہ فرمان اسقف کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ چلتے چلتے ہی اس فرمان کو پڑھنے لگا۔ اس کا چچیرا بھائی بِشر بن معاویہ جس کی کنیت ابوعلقمہ تھی' اس کے برابر تھا۔ (وہ بھی اس تحریر کے معنی کی طرف اس قدر متوجہ ہوا کہ بے خیال ہو گیا) اور اُونٹنی نے اسے زمین پر گرادیا۔ اس نے گرتے ہی کہا: ''خرابی ہو اس شخص کی' جس نے ہم کو اس قدر تکلیف میں ڈالا ہے''۔ بشر نے یہ اشارہ نبی ﷺ کی طرف کیا تھا۔ اسقف بولا: دیکھ تو کیا کہتا ہے؟ بخدا وہ تو نبیؐ مرسل ہے۔ بشر نے جواب دیا: بخدا' اب میں بھی ناقہ کا پلان اسی کے پاس جا کر اُتاروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا رخ بدل دیا اور مدینہ کو چل پڑا۔ اسقف نے اس کے پیچھے پیچھے ناقہ لگایا' چلاّ چلاّ کر کہتا تھا کہ میری بات تو سنو۔ میرا مطلب تو سمجھو۔ میں نے یہ فقرہ اس لیے کہا تھا کہ ان قبائل میں مشتہر ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے اس سند کے حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے یا فیاضی قبول کر لی ہے۔ حالانکہ دیگر قبائل نے اب تک اس کی فیاضی کو قبول نہیں کیا ہے اور ہماری طاقت اور شوکت اوروں سے بڑھ کر بھی ہے۔

بشر بولا: نہیں نہیں، بخدا نہیں۔ اب میں نہیں رکنے کا۔ تیرے مغز سے ایسی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی تھی۔ بِشر نے یہ اشعار پڑھے اور مدینہ کو چلا آیا:

الیك تعدو قَلِقا وضینُها معترضا فی بطنها جنینها

مخالفا دین النصاری دینها ۴۴ھ

یہ بشر تو خدمت نبویؐ میں پہنچ کر وہیں کا ہو رہا اور بالآخر درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ اب اس وفد کا بقیہ حال سنو۔

جب یہ لوگ نجران پہنچ گئے تو نجران کے گرجا میں رہنے والے ایک منک [monk] (راہب) نے بھی کسی سے یہ تمام داستان سن پائی کہ ''ایک نبی تہامہ میں پیدا ہوا ہے اس کا خط آیا تھا۔ یہاں سے تین شخص اس کے پاس بھیجے گئے تھے۔ وہ اس سے سند لے کر آئے تھے۔ اسقف وہ سند پڑھ رہا تھا۔ اس کا بھائی سواری سے گر گیا۔ اس نے نبی کو برا بھلا کہا۔ اسقف نے منع کیا اور بتایا کہ وہ سچا نبی ہے' اسے برا نہ کہو۔ وہ یہ سن کر مدینہ کو چلا گیا۔ اسقف نے بہتیرا روکا' نہ رُکا۔

راہب نے جو گرجا کے برج کے بالائی حصہ پر (سالہا سال سے) رہا کرتا تھا' چیخنا شروع کر دیا کہ مجھے اُتارو' ورنہ میں اُوپر سے کود پڑوں گا' خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔ یہ راہب بھی چند تحائف لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ ایک پیالہ' ایک عصا' ایک چادر اس نے بطور تحفہ پیش کی تھی۔ وہ چادر خلفائے عباسیہ کے عہد تک برابر محفوظ رہی تھی۔ راہب نے کچھ عرصہ تک مدینہ میں ٹھہر کر اسلامی تعلیم سے واقفیت حاصل کی' اور پھر آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اور واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔ مگر نبی ﷺ کی حیات طیبہ تک واپس نہ گیا تھا۔

اس وفد سے کچھ عرصہ کے بعد اسقف ابوالحارث جو گرجا کا امام تھا' [یہ ایسا شخص تھا کہ] قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ جس کا نہایت ادب اور احترام کیا کرتے تھے اور عام لوگ اکثر کرامات وغیرہ جس کی ذات سے منسوب کیا کرتے تھے اور جو اپنے مذہب کا مجتہد شمار ہوتا تھا' نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے ساتھ ایہم نامی علاقہ کا جج اور حاکم بھی تھا۔ اسے سید کے لقب سے ملقب کرتے تھے اور عبدالمسیح الملقب

عاقب بھی تھا‘ جو سارے علاقہ کا گورنر اور امیر بھی تھا۔ باقی ۲۴ مشہور سردار اور تھے۔ کل قافلہ ۶۰ سواروں کا تھا۔ یہ عصر کے وقت مسجد نبویؐ میں پہنچے تھے۔ وہ ان کی نماز کا وقت تھا (غالباً اتوار کا دن ہوگا)۔ نبی ﷺ نے ان کو اپنی مسجد میں نماز پڑھ لینے کی اجازت فرمادی تھی اور انھوں نے مسجد سے شرق کی جانب رخ کرکے نماز ادا کی تھی۔ بعض مسلمانوں نے انھیں مسجد نبویؐ میں عیسائی نماز پڑھنے سے روکنا چاہا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرمادیا تھا۔

یہودی بھی انھیں دیکھنے آتے تھے اور کبھی کبھی مسئلہ پر گفتگو بھی ہوجایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ نبی ﷺ کے سامنے یہودیوں نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور ان عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے۔ اس بحث پر قرآن مجید کی ان آیات کا نزول ہوا: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ [آل عمران ۳:۶۵-۶۸] ان سے کہو کہ اے کتاب والو! ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو‘ تورات اور انجیل تو اس کے بعد اُتری ہیں‘ جن باتوں میں تمھارے پاس کچھ تھا اس میں تو جھگڑتے ہی تھے‘ مگر جس بارے میں کچھ بھی علم نہیں اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو (اس بارے میں) اللہ جانتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔ ابراہیم یہودی تھا نہ عیسائی تھا۔ وہ تو پکا موحد تھا اور وہ مشرک بھی نہ تھا۔[1] ساری خلقت میں ابراہیمؑ سے قریب تر وہ ہیں جنھوں نے اس کا اتباع کیا اور محمدؐ نبی اور ان پر ایمان رکھنے والے لوگ۔ خدا‘ مومنین کا دوست دار ہے۔

اہل کتاب کی شرارتیں اور ان کا جواب

ایک دفعہ یہودیوں نے (مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں پر اعتراض کرنے کی غرض سے) کہا: محمدؐ صاحب! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی عبادت کرنے لگیں‘ جیسا کہ

۱- عرب کے مشرک جو بت پرستی کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا مذہب حضرت ابراہیم کے مذہب پر ہے۔ اس فقرہ میں مشرکین کا رد ہے۔

عیسائی عیسیٰؑ کی عبادت کیا کرتے ہیں؟ نجران کا ایک عیسائی بولا: ہاں! محمدؐ صاحب! بتا دیجیے، کیا آپ کا یہی ارادہ ہے اور اسی عقیدہ کی دعوت آپ دیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی پناہ! کہ میں اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت کروں، یا کسی دوسرے کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں۔ خدا نے مجھے اس کام کے لیے نہیں بھیجا اور مجھے ایسا حکم بھی نہیں دیا۔ اس واقعہ پر قرآن مجید میں ان آیات کا نزول ہوا۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَ النَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ (آل عمران ۷۹:۳-۸۰) جس بشر کو خدا کتاب اور حکم اور نبوت عنایت کرے یہ اس کے شایاں نہیں کہ وہ پھر لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کے سوا میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہا کرتا ہے، کہ کتاب الٰہی کو سیکھ [سکھا] کر اور شریعت کا درس پا کر تم [کو چاہیے کہ] اللہ والے بن جاؤ۔ یہ نبی تو نہیں کہتا کہ فرشتوں کو یا نبیوں کو بھی رب بنالو۔ بھلا وہ کفر کے لیے کہہ سکتا ہے، تم لوگوں کو جو اسلام لا چکے ہو؟!

محمد بن سہیل کی روایت میں ہے کہ آل عمران کی شروع سے ۸۰ آیات تک کا نزول بھی اسی وفد کی موجودگی میں ہوا تھا۔ جب یہ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ سے پھر ایک سند انھوں نے حاصل کی جس میں گرجاؤں اور پادریوں کی بابت زیادہ صراحت تھی۔ اس فرمان کی پوری نقل ذیل میں [دی] جاتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد النبی الی الاسقف ابی الحارث واساقفة نجران وکھنتھم ورھبانھم واھل بیتھم ورفیقھم وملتھم وسواطبتھم وعلی کل ما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر جوار اللّٰہ ورسولہ لا یُغیّر اسقف من اسقفیتہ ولا راھب من رھبانیتہ ولا کاھن من کھانتہ ولا یغیّر حق من حقوقھم ولا سلطانھم ولا مما کانوا علیہ، علیٰ ذٰلك جوار اللّٰہ ورسولہٖ ابدًا ما نصحوا واصلحوا علیھم غیر متقلبین بظالمٍ ولا ظالمین۔ (کتب المغیرہ بن شعبہ) ۱؎ اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے یہ تحریر محمد نبی ﷺ کی جانب سے ہے' اسقف ابوالحارث کے لیے نجران کے دیگر اسقفوں' کاہنوں' راہبوں' ان کے معتقدوں' غلاموں' اس مذہب والوں' پولیس والوں کے متعلق' اور ان کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو ان کے ہاتھ میں ہیں' سب کو خدا اور رسول کی حفاظت حاصل ہو گی۔ گرجا کے چھوٹے بڑے عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائے گا۔ کسی کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں تغیر نہ ہو گا' بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر اندیش رہیں۔ نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔ (تحریر کنندہ' مغیرہ بن شعبہ)

چلتے وقت انھوں نے درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیا جائے' جسے جزیہ ۲؎ ادا کر دیا کریں۔ نبی ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ شخص میری اُمت کا امین ہے۔ ۳؎

۱- مقداد بن عمرو بن ثعلبہ قوم کندہ سے ہیں بوجہ تبنیت قرشی الزہری کہلاتے تھے' نجباء رسول اور فضلا صحابہ میں سے ہیں۔ ۳۵ھ میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی۔ مدینہ میں دفن ہوئے۔ ۲- [تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۵۲] ۳- زاد المعاد' ص ۵۰۶۔ [محولہ بالا، ص ۵۷۴]

ابو عبیدہؓ کے فیضان صحبت سے علاقہ میں اسلام پھیل گیا تھا۔

وفد نخع کا بیان

یہ نصف محرم ۱۱ھ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا تھا۔ اس کے بعد کوئی وفد حاضر نہیں ہوا۔ یہ دو سو اشخاص تھے اور معاذ بن جبلؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر آئے تھے۔ ان کو دارالضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا تھا۔

چار خواب اور ان کی تعبیریں

ایک شخص ان میں زرارہ بن عمروؓ تھا۔ اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں نے راستہ میں خواب دیکھے، جو عجیب تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بیان کرو۔

۱- کہا: میں نے دیکھا ہے کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے جو سپید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا تمھاری عورت کے بچہ ہونے والا تھا؟ اس نے کہا: ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ہاں فرزند پیدا ہوا ہے، جو تیرا بیٹا ہے۔ زرارہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! ابلق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: قریب آؤ۔ پھر آہستہ سے پوچھا: کیا تیرے جسم پر برص کے داغ ہیں، جسے تم لوگوں سے چھپاتے رہے ہو؟ زرارہ نے کہا: قسم ہے اس خدا کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آج تک میرے اس راز کی کسی کو اطلاع نہ تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے۔

۲- زرارہ نے دوسرا خواب سنایا کہ میں نے نعمان[1] بن منذر کو دیکھا کہ گوشوارے، بازوبند، خلخال پہنے ہوئے ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، اس کی تاویل ملک عرب ہے، جواب آسایش و آرایش حاصل کر رہا ہے۔

۳- زرارہ نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے، جس کے کچھ بال

۱- زادالمعاد، ص ۵۱۸۔ [ایضاً، ص ۵۹۹]

سفید کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے باہر نکلی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا ہے، جس قدر باقی رہ گئی ہے۔

۴- زرارہ نے عرض کیا: میں نے دیکھا کہ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی۔ میرے اور میرے بیٹے کے درمیان آگئی اور وہ آگ کہہ رہی ہے: جھلسو جھلسو، بینا ہو کہ نابینا ہو۔ لوگو! اپنی غذا، اپنا کنبہ، اپنا مال مجھے کھانے کے لیے دو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ ایک فساد ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ زرارہ نے عرض کیا کہ یہ کیسا فتنہ ہوگا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، ایک دوسرے سے ایسے گتھ جائیں گے، جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں۔ بدکار اُن دنوں اپنے آپ کو نیکوکار سمجھے گا۔ مومن کا خون پانی سے بڑھ کر خوش گوار سمجھا جائے گا۔ اگر تیرا بیٹا مر گیا تو اُس فتنہ کو دیکھ لے گا۔ تو مر گیا تو تیرا بیٹا دیکھ لے گا۔

زرارہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ دعا کیجیے کہ میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں۔

رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: الٰہی! یہ اُس فتنہ کو نہ پائے۔

زرارہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بچ رہا۔ اس نے سیدنا عثمانؓ کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔[1]

۱- زاد المعاد، ص۵۱۸۔ [ایضاً، ص۵۹۹]

باب پنجم

مدنی دَور کے اہم واقعات

مدینہ میں دہ سالہ قیام نبویؐ کے اہم واقعات

[مدینہ میں دہ سالہ قیام نبویؐ کے اہم واقعات]

نبی ﷺ جب مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچے، تو ابھی اطمینان سے قیام بھی نہیں کیا تھا کہ دشمنانِ مکہ نے متواتر سازشوں، حملوں، لڑائیوں سے نبی ﷺ اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ راقم کتاب کو چونکہ ہجرت کے بعد ہی یہ حالات لکھنے پڑے اس لیے ترتیب مضامین بھی کسی قدر پریشان ہو گئی ہے۔ اب اس باب میں ان اہم واقعات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے جو ایام قیام مدینہ میں ہوئے۔ میں نے اختصار کے لیے قریباً ہر سال کے متعلق ایک واقعہ ضرور قلم بند کیا ہے۔ اس باب میں غور کرنے سے ناظرین کو سیرت پاک آنحضرت ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوں گی جن کے مطابق ضرورت ہے کہ اُمت اپنا رویہ درست کرے۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

تعمیر مسجد نبوی

مسجد نبوی جس جگہ بنائی گئی ہے نبی ﷺ کا ناقہ خود بخود اُس جگہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے، یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اسعد بن زرارہؓ (نقیب محمدیؐ) کی تربیت و نگرانی میں تھے۔ اسعدؓ نے پہلے سے یہاں نماز کی مختصر سی جگہ بنا رکھی تھی۔ جب نبی ﷺ نے مسجد کے لیے اس جگہ کو پسند فرمایا تو ان یتیم لڑکوں نے قیمت لینے سے انکار کیا اور قبیلہ بنو النجار نے چاہا کہ اس کی قیمت ادا کرنے کی اجازت انھیں مل جائے۔ نبی ﷺ نے دونوں باتیں منظور نہ فرمائیں۔ زمین کی قیمت دس دینار طے ہوئی اور نبی ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ سے یہ قیمت دلا دی اور پھر زمین کو ہموار و درست کر کے مسجد بنائی گئی جس کا طول سو گز تھا۔ مسجد کی تعمیر میں نبی ﷺ اینٹ پتھر خود بھی اُٹھا کر لاتے تھے اور زبان مبارک سے فرماتے تھے:

اللّٰھُمَّ لاَ عَیْشَ اِلاَّ عَیْشَ الْاٰخِرَۃَ فاغفر الانصار والمهاجرۃ۔ ۱؎ الٰہی! زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

صحابہؓ بھی اینٹ گارا لاتے تھے اور یہ شعر رجز میں پڑھتے تھے:

لئن قعدنا والرسول یعمل، لَذٰلك فالعمل المضلل! ، رسولِ خدا کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں؟ یہ بڑی ہی گمراہی کا کام ہے۔

مسجد کی دیواریں جو کچی اینٹوں کی تھیں، تین گز بلند تھیں۔ کھجور کے تنے ستون کی جگہ اور کھجور کے پٹھے کڑی شہتیر کی جگہ ڈالے گئے تھے۔ صحابہؓ نے کہا: چھت ڈال لیں تو اچھا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں موسیٰؑ جیسا عریش ہی خوب ہے۔ ۲؎ یہ چھت ایسی تھی کہ اگر بارش ہو جاتی تو پانی ٹپکتا، مٹی گرتی، فرش کیچڑ سا ہو جاتا۔ مومنین اسی پر سجدہ کیا کرتے تھے۔ ۳؎

عبداللہ بن سلام کا اسلام

(۱ھ) حضرت عبداللہ یہود کے بڑے فاضلوں میں سے ہیں۔ یوسف صدیق سے

۱- صحیح بخاری عن انس کتاب الصلوٰۃ باب هل تنبش قبور المشرك الجاهلية۔ [کتاب المغازی، باب ۲۷، حدیث ۳۸۷۳۔ بخاری میں ان فقروں کا پس منظر غزوۂ خندق بتایا گیا ہے۔ البتہ زاد المعاد میں تعمیر مسجد نبوی کے وقت بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ دیکھیے ج ۳، ص ۵۵ (مدوّن)] ۲- زاد المعاد، ص ۳۰۸، جلد اول۔ [طبع جدید، ج ۳، ص ۵۵] ۳- نبی ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مسجد نبویؐ میں کچھ تصرف نہیں کیا۔ عمر فاروقؓ نے اس مسجد میں حضرت عباسؓ کے گھر کو شامل کیا جو انھوں نے مسجد کے لیے ہبہ فرمایا تھا۔ عثمان غنیؓ نے مسجد نبویؐ کی سنگین دیواریں بنائیں اور پتھر کے ستون لگائے اور سیگون کی چھت ڈالی (بخاری باب بنیان المسجد [کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۳۵]) اور فرش پر عقیق کی کنکریاں بچھائیں۔ مروان بن الحکم نے اپنے عہد سلطنت میں ایک مقصورہ محراب کی جانب بڑھایا اور اس پر پچی کاری کا کام کرایا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے عہدِ سلطنت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ امارت مدینہ میں از سر نو اس کی عمارت کو تعمیر کرایا۔ شام و مصر روم و قبط کے ۱۸۰ انجینئر منتخب کر کے اس کی نگرانی کے لیے بھیجے۔ یہ عمارت سنگِ مرمر کی تھی اور پہلی عمارت سے کچھ زیادہ بھی تھی۔ ۸۷ھ یا ۸۸ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ مہدی عباسی نے اپنے عہدِ سلطنت میں پھر کچھ اضافہ کیا۔ پچھلی طرف سے سو گز زمین اور شامل کی گئی۔ مکمل ہونے کے بعد مسجد کا طول ۳۰۰ گز، عرض ۲۰۰ گز ہو گیا تھا۔ یہ تعمیر ۱۷۲ھ میں ختم ہوئی۔ خلیفہ متوکل نے اس عمارت کی مرمت ۲۴۷ھ میں کرائی تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری، ص ۱۴) حالیہ عمارت جو ہمارے زمانہ میں ہے یہ سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کی تعمیر کردہ ہے۔ مفصل حال ہماری کتاب سبیل الرشاد میں ہے۔ [اس کے بعد سعودی دورِ حکومت میں مختلف توسیعات ہوئیں۔ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۱۴۰۶ھ (۱۹۸۶ء) میں تاریخ کی سب سے بڑی توسیع کی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان عبدالمجید خان کی توسیع کے بعد مسجد کا کل رقبہ ۶۲۴۷ مربع میٹر تھا اور اب اس کا رقبہ ۹۸۵۰۰ مربع میٹر ہے۔ مزید تفصیلات انٹرنیٹ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ (مدوّن)]

ان کا سلسلہ نصب ملتا ہے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو وعظ کرتے ہوئے سن لیا۔ ذیل کے الفاظ یاد کر لیے تھے:

ایّھا الناس افشوا السلام، واطعموا الطعام، وصلوا الارحام، وصلّوا باللّیل والنّاس نیام۔ لوگو! اپنے بیگانے سب کو سلام کیا کرو۔ کھانا کھلایا کرو۔ قرابت داروں سے اچھا برتاؤ رکھو۔ رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تم خدا کی عبادت کیا کرو۔

یہ دل نشین کلمات سن کر ان کا قلب نورِ ایمان سے روشن ہو گیا۔ نبی ﷺ کے حالات پر غور کیا تو پہلے نبیوں کی کتابوں کی پیش گوئیوں کو ذاتِ مبارک پر منطبق پایا۔ نبی ﷺ کی خدمت مبارک میں آئے اور چند مشکل مشکل مسائل، جن کی بابت اُن کا خیال تھا کہ نبی اللہ ہی ان کا جواب دے سکتا ہے، دریافت کیے۔ جواب باصواب سن کر کہا: یارسولؐ اللہ! میں حضور پر ایمان لے آیا ہوں لیکن اظہار اسلام کے لیے چاہتا ہوں کہ اوّل میری قوم کے لوگوں کو بلا کر دریافت فرما لیا جائے کہ ان کی رائے میرے لیے کیا ہے۔ نبی ﷺ نے اکابر یہود کو طلب فرمایا۔ عبداللہ بن سلام چھپ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تمھاری قوم میں کیسے ہیں؟ سب نے کہا: وہ عالم بن عالم سید بن سید ہیں اور ہم سب سے بہتر ہیں۔ یہود یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ اوجھل سے کلمہ طیب پڑھتے ہوئے سامنے آ گئے۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ مسلمان ہو گئے ہیں تو اسی وقت کہنے لگے کہ تو جاہل بن جاہل، ذلیل بن ذلیل شخص ہے اور ہم میں سب سے بدتر ہے۔ خداوند کریم نے اس بزرگ صحابیؓ کے اسلام سے جملہ یہود پر اپنی حجت ختم فرما دی۔

فاضل راہب کا اسلام

(۱ھ) حضرت عبداللہ بن سلام کے بعد ابو قیس صرمہ بن ابی انس نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ عیسائی المذہب راہب نہایت فصیح شاعر و واعظ اور الٰہیات کے فاضل تھے۔ اس بزرگ کے اسلام سے خداوند رحیم نے جملہ نصاریٰ پر حجت ختم فرمائی۔

کمالِ نماز

سنہ اوّل ہجرت میں فرض نماز میں دو رکعتوں کا اضافہ ہوا۔

۱- صحیح بخاری عن انس بن مالک، **باب ھجرۃ النبیؐ**۔ [کتاب فضائل الصحابۃ، باب ۴۷، حدیث ۳۶۹۹۔ افشوا السلام والی حدیث بخاری میں نہیں، البتہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔ مثلاً ترمذی، حدیث ۲۴۸۵، ابن ماجہ حدیث ۱۳۳۴]

دو رکعتیں سفر کے لیے مقرر رکھی گئیں اور حضر میں نماز ظہر و عصر و عشا کے لیے چار رکعتیں کر دی گئیں۔ ایام قیام مکہ میں دو ہی رکعتوں کا حکم رہا تھا۔ جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکہ میں کیونکر ہر ایک مسلمان اسلام لاتے ہی غریب الوطن بن جاتا تھا' کیونکر اقارب اور احباب اس سے بیگانہ و اغیار بن جاتے تھے اور کیونکر ہر ایک مسلمان ہر وقت مکہ کے چھوڑ دینے پر آمادہ اور مستعد رہتا تھا' تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مکہ میں سب مسلمان مسافرانہ ہی رہتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بھی ان کو مدینہ میں جانے کے بعد ہی مقیم تسلیم فرمایا۔

نماز اسلام کا وہ رکن ہے جو مسلمان پر سب سے پہلے فرض ہوتا ہے (سات برس کے بچہ کو پڑھنا مستحب اور دس برس کے بچہ کو پڑھنا فرض ہے) اور سب سے آخر تک فرض رہتا ہے (تادم مرگ) نماز کی فرضیت صحت و بیماری' خوشی و غم' سفر و حضر اور خوف و خطر' غرض کسی حالت میں بھی مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی' خواہ ہم گرم تر ملک میں ہوں یا سرد سے سرد تر ملک میں۔ کسی جگہ بھی ہوں' کوئی موسم' کوئی عارضہ ایسا نہیں جو مسلمان کو نماز کی معافی دیتا ہو۔

[نماز کے طبّی و اخلاقی فوائد]

۱- مدت العمر تک عبادت الٰہی کی مداومت رکھنا کمال استقلال کا مظہر ہے۔ ہر روز پنجگانہ نماز کے اوقات کی حفاظت رکھنا پابندیٔ اوقات کی زبردست تعلیم ہے۔ جسم اور لباس اور مکان کو نجاست و آلودگی سے پاک و صاف رکھنے کا اہتمام صحت جسمانی کے قیام کی بہترین تدبیر ہے۔ دل و زبان' اعضا و دماغ کو عظمت الٰہی اور جلالِ کبریائی کے سامنے مؤدب و مہذب رکھنا نورانیت روحانی کے لیے عجیب روشنی ہے۔

۲- نماز میں جس قدر پابندی ہے وہ جلد سو جانے اور جلد جاگ اُٹھنے کی جس طرح تعلیم دیتی ہے وہ جس طرح ہر ایک ٹائم ٹیبل کو اپنے ماتحت کر لیتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں شہوانی و نفسانی خیالات کو نماز کے ذریعے سے کیسا ملیامیٹ کیا گیا ہے۔

۳- نماز کے لیے مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی' تمدن اور ترقی کی جان ہے۔ اتحاد و یگانگی اور مبادلہ خیالات کا پاک ترین ذریعہ ہے۔ ایک جاہل بہت سی باتیں نظیر و نمونہ سے سیکھ سکتا ہے اور ایک عالم بآسانی تبلیغ کر سکتا ہے۔ ایک امیر غریب کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مساوات کا سبق لیتا اور ایک غریب امیر کے برابر بیٹھ کر سچے دین کے انصاف سے اپنی رُوح کو خُرسند کر

سکتا ہے۔

۴-جو لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی میں سستی کرتے ہیں، وہ ان اخلاقی فضائل سے محروم رہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کے فرد ایسے اعلیٰ اخلاق سے خالی ہوں گے وہ کیا ہوں گے۔ خداوند کریم نے فرمایا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ (العنکبوت ۲۹:۴۵) نماز (نماز پڑھنے والوں کو) ناپاک کاموں اور لائق انکار فعلوں سے روک دیتی ہے اور اللہ کے ذکر میں تو فوائد اور فیوض، انوار و اسرار اس سے بھی بہت زیادہ ہیں اور بہت بڑھ کر ہیں۔

مواخات

اللہ جل جلالہٗ نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنایا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے: فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا (آلِ عمران ۳:۱۰۳) اور تم سب خدا کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ تم لوگ تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے جس سے خدا نے تمھیں نجات اور خلاصی عنایت کی۔

۱-اس اخوت کا اثر یہ تھا کہ ایک مسلمان کسی مخالف قوم سے معاہدہ کر لیتا تھا اور کل قوم اس معاہدہ کی پابندی کامل طور پر کرتی تھی۔ ایک مسلمان اگر کسی دُور دست ملک میں چلا جاتا تھا تو تمام قوم اس کی خیر و عافیت کے لیے بے تاب رہتی تھی اور اگر وہ کسی ظالم کے ظلم کا شکار ہو جاتا، تو تمام قوم اس کے انتقام اور خون بہا لینے کو اپنا اعلیٰ فرض جانتی تھی۔ قوم کے ہر ایک یتیم، ہر ایک بیوہ، ہر ایک طالب علم کی ضروریات کا پورا کرنا ہر مسلمان اپنے لیے ایسا ہی فرض سمجھتا تھا جیسا اپنی اولاد اور ماں جائے بھائی کی اولاد و بیوہ کے لیے سمجھتا تھا۔

۲-اس اخوت سے بڑھ کر ایک اور اخوت تھی، جسے نبی ﷺ ایک ایک شخص کے ساتھ قائم فرمایا کرتے۔ ایسی اخوت مکہ میں (الف) اہل مکہ کے درمیان اور (ب) مدینہ میں مہاجرین و

انصار کے درمیان نیز باہمی اہل مدینہ کے درمیان بھی قائم فرمائی گئی تھی۔ جو مواخات مہاجرین وانصار کے درمیان قائم ہوئی وہ زیادہ تر مشہور ہے۔

اس مواخاۃ کے بعد باہمی تعلقات کا اثر یہاں تک ہوا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کی وراثت میں سے حصہ لیتا تھا اور بھائی بننے سے پہلے گھنٹہ کے بعد امیر بھائی غریب بھائی کو اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ جائداد کا نصف تقسیم کر دیتا تھا۔ مؤرخین نے ان بزرگوں کے نام بھی درج کیے ہیں جن میں یہ سلسلہ مواخات مستحکم کیا گیا تھا۔ ہم تبرکاً چند اسما مبارکہ درج کرتے ہیں:

(الف)۱- محمد رسول اللہؐ علی مرتضیٰؓ

(ب)۲-ابو بکر صدیقؓ خارجہ بن زید عقبی بدریؓ

۳- عمر فاروقؓ عتبان بن مالکؓ بدری

۴- عثمان ذوالنورینؓ اوس بن ثابتؓ عقبی بدری

۵- جعفرؓ بن ابی طالب ہاشمی معاذؓ بن جبل عقبی بدری

۶-ابو عبیدہؓ بن جراح قرشی الفہری سعدؓ بن معاذ بدری اہتزلہ عرش الرحمن

۷- عبدالرحمنؓ بن عوف قرشی الزہری سعدؓ بن ربیع عقبی بدری

۸- زبیرؓ بن العوام قرشی الاسدی سلمہؓ بن سلامۃ عقبی

۹- طلحہؓ بن عبداللہ قرشی التمیمی کعبؓ بن مالک عقبی

۱۰- سعیدؓ بن زیدؓ قرشی العدوی ابی بن کعبؓ عقبی بدری

۱۱- مصعبؓ بن عمیر قرشی العدوی ابوایوبؓ عقبی بدری

۱۲-ابو حذیفہؓ بن عتبہ عبادؓ بن بشیر

۱۳- عمارؓ بن یاسرؓ حذیفہؓ بن الیمان

(ج)۱۴- سلمان فارسیؓ ابوالدرداءؓ حکیم الامّت

۱۵-منذرؓ بن عمر ابوذرؓ غفاری

رضی اللہ عنہم اجمعین ۲؎

۱- تقسیم وراثت کا دستور اس وقت تک رہا جب تک قوم میں رفاہت اور آسودگی عام نہ ہوئی اس کے بعد وراثت ورثا کی طرف منتقل کر دی گئی۔ ۲-تاریخ ابن خلدون۔ امام ابن تیمیہؒ وابن القیمؒ کا مختار یہ تھا کہ مواخات میں ایک مہاجر اور ایک انصاری کو شامل کیا گیا تھا اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے علی مرتضیٰؓ کو مواخات میں اپنے ساتھ شامل کیا ہو۔ کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ بھی مہاجر ہیں۔ دیگر علما نے اس رائے کو قبول نہیں کیا اور انھوں نے اور بھی چند ایسی نظیریں بیان کی ہیں جن میں فریقین مہاجر تھے اور یہی قوی مذہب ہے۔ سلسلہ مواخات میں نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا؛ اول تو اس لیے کہ وہ رشتہ میں آنحضرت ﷺ کے بھائی لگتے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ اگر کسی ایسے مسلمان کو بھائی بناتے جو رشتہ میں نہ ہوتا تو آئندہ طرح طرح کی مشکلات جدیدہ پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

دنیا میں اخوت کا ایسا اعلیٰ نمونہ اسلام کے سوا کسی اور جگہ نظر نہیں آتا۔

اذان کا اجرا

(۲ھ) میں اذان کا طریقہ جاری ہوا۔ اذان کی ضرورت اوّل اس لیے محسوس ہوئی کہ سب لوگ مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ مشورہ طلب امر یہ تھا کہ لوگوں کے جمع کرنے کے واسطے کون سا طریق اختیار کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ بلند مقام پر آگ روشن کر دی جایا کرے (جیسا کہ مجوس میں دستور ہے)۔ کسی نے مشورہ دیا کہ سینگ (بگل) بجایا جایا کرے (جیسا کہ یہود کا معمول تھا)۔ کسی نے مشورہ دیا کہ گھنٹے بجائے جایا کریں (جیسا کہ نصاریٰ کیا کرتے تھے) آنحضرت ﷺ نے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا۔ دوسرے دن عبداللہ بن زید انصاریؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے یکے بعد دیگرے نبی ﷺ سے آکر عرض کیا کہ انھوں نے خواب میں ان الفاظ کو سنا ہے جو اب اذان میں کہے جاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے انھی الفاظ کے بآواز بلند پکارنے کو شروع فرما دیا۔ یہ الفاظ نبی ﷺ کے اس منشا عالی کو پورا کرتے ہیں، جو تشریع احکام میں ہمیشہ منظور نظر اقدس رہا ہے۔

اذان اطلاع دہی کا وہ سادہ اور آسان طریق ہے کہ عالم گیر مذہب کے لیے ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ اذان در حقیقت اصولِ اسلام کی اشاعت اور اعلان ہے۔ مسلمان اسی کے ذریعے سے ہر آبادی کے قریب جملہ باشندوں کے کانوں تک اپنے اصول پہنچا دیتے اور راہِ نجات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رسالوں (ٹریکٹوں) کی تقسیم اور نگر کیرتن کے شبد بھی اس خوبی کو نہیں پا سکتے۔ اذان ثابت کرتی ہے کہ اسلام نے گھونگوں اور دھاتوں کو انسانی آواز پر ترجیح نہیں دی اور یہ بھی

ایک طریق بت پرستی کے انسداد اور توحید کی تائید کا ہے۔

سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا

۲ھ میں سلمانؓ فارسی مسلمان ہوئے۔ یہ اصفہان کے باشندے تھے۔ ان کے مذہب قدیم میں ابلق گھوڑے کی پرستش کی جاتی تھی۔ دین حق کی تلاش میں گھر سے نکلے اور عرب تک آئے۔ کسی نے ان کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچ دیا تھا۔ دس سے زیادہ مذاہب کے بعد یہ یہودی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔ جس یہودی کے پاس رہا کرتے تھے وہ اکثر ایک پیدا ہونے والے نبی کے اوصاف بیان کیا کرتا تھا۔ حضرت سلمانؓ نے مدینہ میں نبی ﷺ کو دیکھا تو اُن علامات و آثار و اخبار سے جو اپنے آقا سے سنے تھے، آنحضرت ﷺ کو پہچان لیا اور مسلمان ہو گئے اور ملک فارس کا پہلا پھل کہلائے۔

تحویل قبلہ

(۲ھ) نبی ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جس بارے میں کوئی حکم الٰہی موجود نہ ہوتا، اس میں اہل کتاب سے موافقت فرمایا کرتے۔[۱] نماز آغاز نبوت ہی میں فرض ہو چکی تھی، مگر قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ اس لیے مکہ کی تیرہ سالہ اقامت کے عرصہ میں نبی ﷺ نے بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رکھا۔ مدینہ پہنچ کر بھی یہی عمل رہا مگر ہجرت کے دوسرے سال (یا ۱۷ ماہ کے بعد[۲]) خدا نے اس بارے میں حکم نازل فرمایا۔ یہ حکم نبی ﷺ کے دلی منشا کے موافق تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ وہ مسجد بنائی جائے جس کے بانی حضرت ابراہیمؑ تھے جسے مکعب شکل کی عمارت ہونے کی وجہ سے کعبہ اور صرف عبادتِ الٰہی کے لیے بنائے جانے کی وجہ سے بیت اللہ اور عظمت و حرمت کی وجہ سے مسجد الحرام کہا جاتا تھا۔ اس حکم میں جو اللہ پاک نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے:

۱- یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ پاک جملہ جہات سے یکساں نسبت رکھتا ہے: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔ (البقرہ ۲:۱۱۵) [ترجمہ: مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ جس طرف بھی تم رُخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رُخ ہے]۔

۱- عن ابن عباس، تیسیر الوصول، جلد ۱، باب السلم والفرق۔ ۲- ابن خلدون، جلد ۲، ص ۱۹۔

۲-اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عبادت کے لیے کسی نہ کسی طرف کا مقرر کر لینا طبقاتِ مردم میں شائع رہا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (البقرہ ۲:۱۴۸) [ہر ایک کے لیے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے۔ پس تم بھلائی کی طرف سبقت کرو۔]

۳-اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی طرف منہ کرنا اصل عبادت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (البقرۃ ۲:۱۷۷) [نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف]۔

۴-اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تعیین کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ متبعین رسول کے لیے ایک ممیز علامت قرار دی جائے۔

لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ (البقرہ ۲:۱۴۳) [(اس کو تو ہم نے) صرف یہ دیکھنے کے لیے (قبلہ مقرر کیا تھا) کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے]۔

یہی وجہ تھی کہ جب تک نبی ﷺ مکہ میں رہے اس وقت تک بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے اور کعبہ تو انھوں نے خود ہی اپنا بڑا معبد بنا رکھا تھا۔ اس لیے شرک چھوڑ دینے اور اسلام قبول کرنے کی بین علامت مکہ میں یہی رہی کہ مسلمان ہونے والا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرے۔

جب نبی ﷺ مدینہ پہنچے۔ وہاں زیادہ تر یہودی یا عیسائی ہی آباد تھے۔ وہ مکہ کی مسجد الحرام کی عظمت کے قائل نہ تھے اور بیت المقدس کو تو وہ بیت ایل یا ہیکل تسلیم کرتے ہی تھے۔ اس لیے مدینہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑ دینے کی علامت یہ ٹھہرائی گئی کہ مکہ کی مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جایا کرے۔ حکم الٰہی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا قبلہ قرار دی گئی۔

خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کی وجہ

اس مسجد کو قبلہ قرار دینے کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دی ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آلِ عمران ۳:۹۶) یہ مسجد دنیا کی سب سے پہلی مبارک عمارت ہے جو عبادت الٰہی کی غرض سے مکہ میں بنائی گئی اور تمام عالموں کے لیے ہدایت ہے۔

پس چونکہ اسے تقدیم زمانی اور عظمت تاریخی حاصل ہے اس لیے اس کو قبلہ بنایا جانا مناسب ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (البقرۃ۲:۱۲۷) اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی اور اسماعیلؑ بھی۔

دوم یہ کہ مسجد کے بانی حضرت ابراہیمؑ ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ہی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جدّ اعلیٰ ہیں، اس لیے ان شان دار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا گویا اقوام ثلٰثہ کو اتحاد نسبی و جسمانی کی یاد دلا کر اتحاد روحانی کے لیے دعوت دینا اور متحد بن جانے کا پیغام اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً سنا دینا تھا۔

تقدم و عظمتِ کعبہ کا ثبوت، کتب سابقہ سے

میں یقین کرتا ہوں کہ کعبہ کے تقدیم زمانی اور عظمتِ تاریخی کا انکار کوئی مذہب بھی نہیں کر سکتا۔ یہودی اور عیسائی متفق ہیں کہ یروشلم کی بنیاد حضرت داؤدؑ نے قائم کی اور حضرت سلیمانؑ نے اس کی تعمیر فرمائی اس لیے کعبہ کی تعمیر یروشلم کی تعمیر سے تقریباً ۹۲۱ سال اور حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار نو سو اکیس سال پیشتر کی ہے۔ مسٹر آر سی دت نے اپنی تاریخ ''سویلیزیشن آف انیشینٹ انڈیا'' میں متعدد عالموں کی شہادات کو جمع کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کی تہذیب کا پہلا دور جو وید کا زمانہ ہے، مسیح سے چودہ سو سے دو ہزار سال پیشتر کا تھا۔ نیز لکھا ہے کہ اس دور میں کوئی مندر نہ تھا۔ مجموعہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ جو مسجد آخر میں قبلہ قرار دی جائے وہ درجہ میں پہلے قبلہ سے برتر ہو گی۔

نمونہ کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے۔

اوّل: یسعیاہ نبی کی کتاب کا ۶۰ باب ملاحظہ کیجیے۔ اس میں تمام عبارت مکہ کی تعریف میں ہے خصوصاً ۵ درس سے دیکھو:

''سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہو گی''۔ [یسعیاہ ۶۰:۵]

''اونٹنیاں کثرت سے تجھے آ کے چھپا لیں گی۔ مدیان اور عیفہ کے اُونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں، آویں گے۔ وہ سونا اور لوبان لادیں گے اور خداوند کی بشارت سنا دیں گے''۔ [۶۰:۶]

''قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں

۱- مترجمہ اے ڈی، احمد صاحب جے پوری، ص ۷-۸۔

حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا"۔[۶۰:۷]

واضح ہو کہ شوکت کا گھر ٹھیک لفظی ترجمہ بیت الحرام کا ہے اور خانہ کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے جس سے پہلے نوشتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس گھر کو بزرگی دینے سے مطلب اسے قبلہ قرار دینا ہے۔

یہ بات کہ اس مقام پر شوکت کے گھر سے مراد کعبہ ہے' نہ کوئی اور مقام' اس دلیل سے صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ درس ۶' ۷ میں مدیان' عیفا' سبا' قیدار اور نبیط کے لوگوں کا جمع ہونا' قربانیاں کرنا بتایا گیا ہے۔ یہ پانچوں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے یا پوتے ہیں جو عرب میں آباد ہوئے اور جن کی نسل کے قبیلے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے دین میں داخل ہوئے۔ نہ عیسائی تھے نہ یہودی تھے اور ان سب نے مل کر صرف ایک مذبح مٹی ہی پر قربانیاں پیش کی تھیں۔ قوموں کے نام' مٹی کا پتہ' عرب کا قاطبۃً مسلمان ہو جانا' حجۃ الوداع میں سب کا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا ایسے تاریخی واقعات ہیں جو مندرجہ بالا آیت کے معنی کو بالکل یقینی بنا دیتے ہیں۔

دوم: حجی نبی (ق م ۵۲۰ سال) کی کتاب میں ہے: "اُس پچھلے گھر کا جلال پہلے گھر سے زیادہ ہوگا۔ ربّ الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان کو سلام[1] (سلامتی یا اسلام) بخشوں گا۔ ربّ الافواج فرماتا ہے۔" (باب ۲' درس ۶)

سوم: مکاشفات یوحنا باب ۳' درس ۱۲ میں ہے: "میں اُسے جو غالب ہوتا ہے اپنے خدا کی ہیکل کا ستون بناؤں گا اور اپنے خدا کے شہر یعنی نئے یروشلم کا نام جو میرے خدا کے حضور سے آسمان سے اُترتی ہے اور اپنا نیا نام اس پر لکھوں گا جس کا کان ہے سنے کہ رُوح کلیساؤں سے کیا کہتی ہے"۔

۱- عربی بائبل مطبوعہ ۱۸۷۱ء مقام آکسفورڈ' ص ۱۳۳۹ پر اس آیت میں لفظ اسلام اور اُردو بائبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء میں لفظ سلامتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا حق ہے کہ اس کا ترجمہ سلام کریں۔ کیونکہ ہر نماز کے بعد مسلمان اسی لفظ سلام کا استعمال اس دعا میں بھی کرتے ہیں: اللّٰھم انت السلام ومنك السلام وارزقنا السلام تبارکت ربنا وتعالیت یا ذا الجلال والاکرام۔

یوحنا نے نئے یروشلم اور نئے نام کا ذکر کیا ہے۔ نیا یروشلم کعبہ ہے اور خدا کا نیا نام جس سے اہل عرب بھی باوجود اہل زبان ہونے کے ناواقف تھے' اسم پاک رحمن ا ہے جسے اسلام ہی نے ظاہر کیا ہے۔ نئے یروشلم کا آسمان سے اُترنا یہ معنی رکھتا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کا حکم آسمان سے نازل ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی اسی طرف اشارہ ہے:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا۔ (البقرہ ۲:۱۴۴) ہم نے دیکھا کہ تم آسمان کی طرف اپنا چہرہ کر کے دیکھ رہے ہو۔ اس لیے حکم ہے کہ جو قبلہ تمھیں پسند ہے' اسی کی طرف پھر جاؤ۔

چہارم: زبور، باب ۸۴ [درس ۴،۵،۶] میں ہے:

عربی

۴- طُوْبٰی لِلسَّاكِنِيْنَ فِي بَيْتِكَ اَبَدًا يُسَبِّحُوْنَكَ (سلاہ)

۵- طُوْبٰی لِاُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ طُرُقُ بَيْتِكَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

۶- عَابِرِيْنَ فِيْ وَادِي الْبَكَآءِ يُصَيِّرُوْنَهٗ يَنْبُوْعًا۔۔۔ بِبَرَكَاتٍ يُغَطُّوْنَ مَوْرَةً۔ ۲؎

اُردو

۴- مبارک وے ہیں جو تیرے گھر میں بستے ہیں وے سدا تیری ستایش کریں گے۔ (سلاہ)

۵- مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔

۶- وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہیں' اُسے ایک کنواں بناتے۔ یہی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی۔ ۳؎

ا- اہل عرب اس اسم سے یعنی رحمن سے جس کا نزول قرآن میں ہوا' بہت ناراض ہوتے تھے۔ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن (سورۂ فرقان ۲۵:۶۰) جب انھیں کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہوتا ہے: وھم بذکر الرحمن ھم کافرون (سورۂ انبیاء ۲۱:۳۶) رحمن کا ذکر آجانے پر وہ بہت انکار کرتے ہیں' سہیل نے انعقاد صلح حدیبیہ کے وقت کہا تھا: ''خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ رحمن کیا ہے؟''

۲- الکتاب المقدس' طبع بنفقة الجمعية البريطانية والاجنبية لاجل انتشار الكتاب المقدس فى مطبعة المدرسة من المدينة اوكسفورد فى ۱۸۷۱ مسيحية۔

۳- کتاب مقدس' مطبوعہ آرفن اسکول' مرزاپور' ۱۸۷۰ء

انگریزی میں ہے

Pleased are they that dwell in thy house; they will be still Praising (4) .thee

Blessed is the man whose strength is in thee; in whose heart are (5) .the ways of them

Who passing through the valley of Beca; make it a well: the rain (6) .also filleth the Pools

ان ہر سہ زبان کی عبارات سے جو ایک ہی مشن سوسائٹی کی شائع کردہ ہیں، متفق طور پر مندرجہ ذیل باتیں حاصل ہوتی ہیں:

۱-درس چہارم کی رُو سے یہ کہ خدا کا ایک گھر ہے اور وہاں کے باشندوں کو مبارک بتایا گیا ہے اور ان کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح وستایش کرتے ہوں گے۔

۲-درس پنجم کی رُو سے یہ کہ ان لوگوں کی عزت و قوت کا باعث اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور اسباب دنیوی ان کی عزت و قوت کا باعث نہ ہوں گے۔

۳-درس ششم کی رُو سے لفظ بکا عربی، اردو، انگریزی تینوں زبانوں میں موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ بکا وہ اسم معرفہ (پراپر ناؤن) ہے جو کسی زبان میں بھی نہیں بدلا گیا اور انگریزی تحریر میں اسمائے معرفہ کا پہلا حرف بڑے حرف سے لکھے جانے کا جو قاعدہ ہے اسی کے مطابق انگریزی کی بائبل میں لفظ بکا کا پہلا حرف [b] بھی بڑی 'بی' [B] کے ساتھ لکھا ہے۔

۴-لفظ وادی عربی واُردو میں اور لفظ ویلی (Valley) جو بمعنی وادی ہے، انگریزی میں لفظ بکا سے پہلے موجود ہے۔

۵-ہر سہ زبان کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ وہاں بسنے والے وادیٔ بکا میں ایک کنواں بھی بنائیں گے۔

۱-ابن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ کی سیرت کے صفحہ ۳۹ پر ہے: انّ بكّة اسم لبطن مكة لانهم يتباكون فيها۔ دوسرا قول وجہ تسمیہ کی بابت یہ ہے: انها ما سميت ببكة الا انها كانت تبك اعناق الجبابرة اذا حدثوا فيها شيئا (ابن ہشام، ص ۳۹)

اب ہم ان سب کا ثبوت دیتے ہیں:

(الف) ساکنین بیت جس کا ذکر درس ۴ میں ہے وہ اسماعیل اور ان کی اولاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا قرآن مجید میں ہے: رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ (ابراہیم ۱۴:۳۷) اے خدا میں نے اپنی ذریت کو اس وادی میں جس میں روئیدگی نہیں ہوتی، تیرے عزت والے گھر کے پاس آباد کیا ہے۔

(ب) یہ وادی جس کی صفت آیت بالا میں غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ ہے اسی کا نام قرآن مجید کی دوسری آیت میں بکہ ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ (آلِ عمران ۳:۹۶) پہلا گھر جو لوگوں کی عبات کے لیے بنایا گیا ہے وہ ہے جو بکہ میں ہے۔

اب قرآن اور زبور کا اتفاق ہو گیا کہ مکہ کا نام خدا کے ہاں بکہ ہے۔

(ج) ایک کنواں بنانے کا ثبوت باقی رہا جو وادی بکہ میں ہو۔ بخاری کی حدیث (کتاب الانبیاء، ص ۳) عن ابن عباس میں اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کے یہاں آنے [اور] آباد ہونے کی بابت ایک طویل و مسلسل حدیث ہے۔ اس کے فقرہ نمبر ۲۰ میں یہ عبارت ہے:

فَلَمَّا بَلَغَتِ الۡوَادِیَ سَعَتۡ۔ جب ہاجرہ اس وادی میں پہنچی تو وہاں (پانی کے لیے) دوڑی۔

پھر فقرہ نمبر ۲۹ میں ہے:

وغمز عقبیہ علی الارض قال فانبثق الماء فدھشت امّ اسمٰعیل فجعلت تحفر (اسماعیلؑ) نے ایڑی زمین پر ماری، پانی اُبل پڑا۔ اسماعیل کی ماں حیران ہو گئی۔ پھر اُسے کھود کر کنواں بنانے لگی۔

قارئین! آپ نے پڑھا کہ زبور کے اس مقام میں بکہ کا نام بھی نکل آیا۔ وہاں کی مسجد کا نام بیت اللہ بھی ثابت ہو گیا۔ وہاں ایک کنواں کا ہونا بھی تحقیق ہو گیا اور وہاں کے رہنے والوں کا مبارک ہونا، ہمیشہ یادِ خدا میں رہنا بھی ثابت ہو گیا۔ ہمارے مضمون تحویل قبلہ کی مناسبت سے یہ کافی دلیل ہمارے مدعا کی ہے۔

اس کے بعد اس قدر اور بھی گزارش کر دینا چاہتا ہوں کہ درس ۵ میں عربی عبارت کا مفہوم اُردو اور انگریزی زبور کی عبارت اور مفہوم سے زیادہ صاف ہے۔ عربی میں ہے: طرق بیتک فی قلو بھم۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''ان کے دلوں میں تیرے گھر کی راہیں ہیں'' لیکن اُردو زبور میں ہے۔ ''ان کے دل میں تیری راہیں ہیں'' اور انگریزی میں ہے:

"...In whose heart are the ways of them"

اُردو اور انگریزی نے لفظ بیت (گھر) کا ترجمہ اُڑا دیا ہے۔ اُردو میں ''تیری راہیں'' اور انگریزی میں them 'ان کی راہیں' لکھا۔ قرآن پاک اس بارے میں صاف ہے: رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۔(ابراہیم ۱۴:۳۷) ''اے میرے خدا! میں نے اپنی اولاد کو اس وادی میں جہاں روئیدگی نہیں، تیرے شوکت والے گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے خدا! یہ اس لیے کیا کہ یہ سب (بسنے والے) نمازوں کو قیام دیں۔ اب تُو لوگوں کے دلوں میں ان بسنے والوں کی محبت ڈال دے اور ان کو ہر طرح کے میووں کی روزی دیا کر کہ یہ شکر گزار رہیں''۔

دوسری عرض یہ ہے کہ درس ۵ کا پہلا جزو عربی میں یہ ہے: طوبیٰ لاناس عزّھم بك۔ اس میں لفظ اناس بصیغہ جمع ہے اور عزّہم میں ہم بھی ضمیر جمع ہے لیکن اُردو میں یہ الفاظ ہیں: ''مبارک وہ انسان جس میں قوت تجھ سے ہے۔''

اور انگریزی میں یہ الفاظ ہیں:

."Blessed is the man whose strength is in thee"

اُردو میں لفظ 'انسان' اور 'جس' اور انگریزی میں لفظ 'مین' اور 'ہوز' واحد کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ عربی ترجمہ کی صحت اور اُردو انگریزی ترجمہ کی غلطی اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اسی درس کے دوسرے جزو میں اُردو میں ''ان کے'' اور انگریزی میں them جمع کے لیے موجود تھے۔

عربی توراۃ کا فقرہ طوبیٰ لاناسٍ عزّھم بك دراصل فقرہ نمبر ۴ طُوۡبٰی لِلسَّاکِنِیۡنَ فِیۡ بَیۡتِکَ ہی کی صفت ہے۔ الغرض توراۃ کے اس مقام سے بکہ بیت اللہ، زمزم، اولاد اسماعیل صاف طور پر ثابت ہیں۔ وللہ الحمد۔

فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے گھر کو جو وادی بکا میں ہے ہمارا قبلہ بنایا، نہ کہ یروشلم کو۔ کیونکہ ایک ایسے دین (اسلام) کے لیے جس کی بابت لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ [الصف ۶۱:۹]

(وہ سب دینوں پر اپنا غلبہ کرے) فرمایا گیا ہے۔ اسی گھر کا قبلہ ہونا مناسب تھا' نہ کہ اس کا جسے ہر ایک کافر فاتح نے توڑا اور ویران کیا اور بالآخر 'سنڈاس' کی جگہ بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی کئی دفعہ غلام بننا' قیدی ہونا اور جلاوطن ہونا پڑا۔

خدا نے زبور کی مندرجہ بالا آیات ۴' ۵ میں جو وادیٔ بکّا کے بیت اللہ کے پاس رہنے والوں کو مبارک باد دی ہے۔ اس کا ہزاروں برس سے یہ بھی اثر رہا ہے کہ اس قوم پر اور اس گھر (کعبہ) پر کسی غیر قوم کا قبضہ نہیں ہوا۔

فرضیت زکوٰۃ

زکوٰۃ اور تمدنِ انسانی:- 'علم الاقتصاد' یا 'تمدن' یا 'پولٹیکل اکانومی' کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افرادِ قوم میں سے بلحاظ فقر و دولت کیونکر ایک تناسب قائم کیا جائے۔ حکیم سولون کے عہد سے لے کر آج تک کوئی انسانی دماغ اس عقدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا۔

یورپ میں نہلسٹ (جن کا مقصد یہ ہے) کہ جملہ املاک و امتیازات پر افرادِ قوم کا مساوی حق تصرف اور یکساں حق مالکیت ہو۔

سوشیالسٹ (جن کا مقصد یہ ہے) کہ اسبابِ معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملک میں کر دیا جائے۔

نیشنلسٹ (جن کا مقصد یہ ہے) کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔

یہ فرقے اسی لیے پیدا ہو گئے ہیں کہ اس مسئلہ کا حل کر سکیں۔

املاک پر سے حق ملکیت مالکان کا اٹھا دیا جانا اس قدر عملاً محال ہے کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہو گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس بارے میں پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ (النحل ۱۶:۷۱) رزق میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر برتری دی ہے اور جن کو یہ برتری ملی ہے وہ اپنا حصہ ان لوگوں کو' جن کے وہ مالک ہو چکے ہیں (اس لیے) واپس نہ کریں گے کہ سب آپس میں برابر ہو جائیں۔

اسلام نے ‘جو مسلمانوں کو دنیا کی برتر و متمدن قوم بنانا چاہتا ہے ‘اس مسئلہ پر توجہ کی اور اسے ہمیشہ کے لیے طے کر دیا اور اسی کا نام فرضیتِ زکوٰۃ ہے۔

۲-زکوٰۃ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی ﷺ کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی مسکینوں کا ہمدرد ‘غریبوں پر رحم کرنے والا ‘ دردمندوں کا غم گسار تھا اور اسلام میں شروع ہی سے مساکین اور غربا کی دستگیری پر مسلمانوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی۔اُن کی ہمدردی کو غربا کا رفیق بنایا جاتا ہے اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غربا و مساکین کے لیے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے۔تاہم کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر بطور آئین وضابطہ کے عمل کیا جاتا ہو۔اس لیے دولت مند جو کچھ بھی کرتے تھے ‘اپنی فیاضی و نیک دلی سے کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا تیسرا رکن (کلمہ شہادت اور نماز کے بعد) قرار دیا۔زکوٰۃ درحقیقت اُس صفتِ ہمدردی و رحم کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ قدرتاً و فطرتاً موجود ہے۔زکوٰۃ ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاقِ انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل و امساک کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے۔اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غربا و مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے اور اس لیے بے حد دولت کا جمع ہو جانا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غربا کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک انس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے۔کیونکہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں۔گویا دولت مند مسلمان کی دولت ایک ایسی کمپنی کی دولت کی مثال پیدا کر لیتی ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ حصے کے حصہ دار شامل ہوتے ہیں۔قوم کو یہ فائدہ ہے کہ بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔

اسلام نے مساکین کا حق امرا کی دولت میں بنام نہاد زکوٰۃ اموالِ نامیہ یعنی ترقی کرنے والوں

میں مقرر کیا ہے جن میں سے ادا کرنا بھی ناگوار نہیں گزرتا۔ اموالِ نامیہ میں تجارت، زراعت اور مواشی (بھیڑ، بکری، اُونٹ، گائے) نقدیت، معاون اور دفائن شمار ہوتے ہیں۔[1]

اب یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو نقد و جنس زکوٰۃ سے حاصل ہو، اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (التوبۃ ۹:۶۰) زکوٰۃ و صدقات کا مال: ۱- فقیروں اور ۲- مسکینوں کے لیے ہے (فقیر و مسکین کا فرق کتب فقہ میں دیکھو)۔ ۳- اور تحصیل دارانِ زکوٰۃ کے لیے (جن کی تنخواہیں ادا ہوں گی) ۴- اور اُن لوگوں کے لیے جن کی دل افزائی اسلام میں منظور ہو یعنی نو مسلم لوگ۔ ۵- اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے۔ ۶- اور ایسے قرض داروں کا قرضہ چکانے کے لیے جو قرض نہ اُتار سکتے ہوں۔ ۷- اور اللہ کے رستہ میں (یعنی دیگر کاموں کے لیے[2]) ۸- اور مسافروں کے لیے۔

جن آٹھ مدات پر زکوٰۃ کی تقسیم کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات کو کیسی خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے۔ اس تقسیم کے نمبر ۵ پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام اسلامی سلطنت کی کل آمدنی کو ۸ مدات پر تقسیم کر کے پانچویں مدّ آزادی غلامان قرار دیتا ہے۔ جو لوگ تاریخ پر عبور رکھتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ غلامی دنیا کے تمام متمدن ممالک چین، ہندوستان، مصر، روما، ایران میں ہزاروں سال سے رائج تھی۔ رحم دل مسیحؑ نے غلامی کے خلاف ایک حرف بھی بیان نہیں کیا مگر پولوس نے غلامی کو تقویت دینے کے لیے ضرور زور دیا ہے۔

پولوس کہتے ہیں: اے غلامو! تم اُن کی جو جسم کی نسبت تمھارے خاوند ہیں، اپنے دلوں کی صفائی سے

۱- جنس اور مقدار زکوٰۃ کی شرح کتب فقہ میں درج ہے۔ وہاں دیکھنی چاہیے اس کا موضوع اس کتاب سے زائد ہے۔ ۲- اس کی تفصیل بھی کتب فقہ میں دیکھیے۔

ڈرتے اور تھر تھراتے ہوئے ایسے فرمانبردار بنو جیسے مسیحؑ کے"۔(افسیون، باب۶، درس۵)

علیٰ ہذا القیاس دیکھو: تمطاؤس، باب۶، درس۱-۲۔ طیطاؤس۹:۱ نیز ۱پطرس۱۸:۲۔

پس یہ اسلام ہی ہے جس نے دنیا میں سب سے پہلے غلاموں کی تائید میں وعظ شروع کیا اور اس بارے میں مختلف مدارج مقرر کیے۔

احکامِ اسلام برائے آزادیِ غلاماں

اوّل: آزادیِ غلاماں کو نیکی کا اصول بتایا: وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (البقرہ۱۷۷:۲)[(اور مالِ زکوٰۃ دیا کرو) مانگنے والوں کو اور (غلاموں کی) گردنیں آزاد کرنے میں]۔

دوم: آزادیِ غلاماں کو حصولِ نجات کا ذریعہ بنایا: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۱۱) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (۱۲) فَكُّ رَقَبَةٍ (۱۳) (البلد۹۰: ۱۱-۱۳)[(ہم نے انسان کو دونوں نمایاں راستے دکھا دیے) مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا۔۔۔]۔

سوم: آزادیٔ غلاماں کو بعض تقصیرات میں بطور تعزیر و کفارہ کے مقرر فرمایا ہے۔ مثلاً قتلِ خطا (جسے حالیہ قانون، قتل مستلزمِ سزا کہتا ہے) کی تین حالتوں میں:

(الف) مقتول مسلمان ہو ایک غلام آزاد کرنا چاہیے۔ (النساء۴:۹۲)

(ب) مقتول مسلمان مگر دشمن قبیلہ کا فرد ہو ایضاً

(ج) مقتول (غیر مسلم اور) زیرِ معاہدہ قوم میں سے ہو ایضاً

(د) نقضِ یمین کا کفارہ ایضاً (المائدۃ۸۹:۵)

(ہ) ظہار کا کفارہ ایضاً (المجادلۃ۳:۵۸)

(و) رمضان کا ایک روزہ توڑنے کا کفارہ ایضاً (حدیث شریف)

(ز) آقا غلام کو سخت مارے اُس کا کفارہ ایضاً (حدیث شریف)

بالآخر ان سب کے بعد اسلامی سلطنت کی آمدنی کا آٹھواں حصہ ہمیشہ کے لیے اسی کام کے لیے خاص کر دیا ہے۔ انیسویں صدی میں انگلستان نے آزادیِ غلاماں پر لاکھوں روپے صرف کیے تھے۔ یہ ایسا فخر ہے کہ یورپ کی کوئی سلطنت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ لیکن اسلام کے الٰہی حکم کو دیکھو کہ تیرہ سو برس پہلے سے اس کام کے لیے کل آمدنی کا ایک آٹھواں مقرر کر دیا گیا ہے۔ کیا کوئی اہل دل اب بھی ایسا ہے جو اسلام کی اس فضیلت سے انکار کرے گا۔

بینک اور افلاس

تقسیمِ زکوٰۃ کے نمبر ۶ پر بھی غور کرنا چاہیے۔ حالیہ زمانہ نے قرض داروں کی سہولت

کے لیے بینک قائم کیے ہیں۔ لیکن بینکوں کے قیام کا نتیجہ یہ ہے کہ سینکڑوں املاک غریب لوگوں کے قبضہ سے نکل کر بینک کے پاس چلی گئی ہیں اور خاص خاص لوگوں کے سوا عوام میں افلاس و تنگ دستی کی ترقی ہو گئی ہے۔ قرض کا بلا سود کے ملنا محال ہو گیا ہے اور انھی مشکلات کی وجہ سے بعض طبائع نے جوازِ سود کی صورتوں کے نکالنے میں موشگافیاں کی ہیں۔ لیکن دیکھو اسلام کا احسان کہ اس نے قرض سے برباد ہونے والوں کے بچاؤ کا کیسا عجیب انتظام کیا ہے۔ بے شک سود کی حرمت کا حکم سنانا بھی اسلام ہی کا حق ہے جس نے قرض داروں کی گلو خلاصی کے لیے ایسے عجیب انتظامات بھی کیے ہیں۔

اب زکوٰۃ کے متعلق یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے:

ان ھذہ الصدقات من اَوساخ الناس وانھا لا تحلّ لمحمد ولا لآل محمد۔[1] یہ صدقہ کا مال لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے۔ محمدؐ اور محمدؐ کے کنبہ والوں کے لیے یہ حلال نہیں۔

اس حرمت کے حکم میں نبی ﷺ کے ساتھ حضور ﷺ کا کنبہ ' چچے ' پھوپھیاں ' چچیرے بھائی اور ان کی سب اولاد اور اُن سب کے لونڈی غلام بھی داخل ہیں تاکہ کسی شخص کو نبی ﷺ کی ذات عالی پر کسی قسم کے وہم کا شائبہ بھی نہ گزر سکے۔

روزے کی فرضیت اور اس کے فوائد

(رمضان ۲ھ) رمضان کے روزے بھی ہجرت کے دوسرے ہی سال فرض ہوئے اور سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن قرار پایا۔

۱- روزے صحت کو بڑھاتے ہیں۔

۲- امراو غربا کی حالت سے عملی طریق پر باخبر کرتے ہیں۔

۳- شکم سیروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دینے سے قوم میں مساوات کے اصول کو تقویت دیتے ہیں۔

۴- قوتِ ملکیہ کو قوی اور قوتِ حیوانیہ کو کمزور بناتے ہیں۔

۵- قرآن مجید نے خاص طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ روزے خدا ترسی کی طاقت

۱- [کتاب الزکوٰۃ، باب ۵۱، حدیث ۱۶۷]۔

انسان کے اندر محکم کر دیتے ہیں: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم تقویٰ والے بن جاؤ۔

تقویٰ کی مثالوں پر غور کرو:

گرمی کا موسم ہے، روزہ دار کو سخت پیاس لگی ہوئی ہے، تنہا مکان میں ٹھنڈا پانی اس کے سامنے موجود ہے مگر وہ پانی نہیں پیتا۔ روزہ دار کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ بھوک کی وجہ سے جسم میں ضعف بھی محسوس کرتا ہے۔ کھانا میسر ہے کوئی شخص اسے دیکھ بھی نہیں رہا مگر وہ کھانا نہیں کھاتا۔

پیاری دل پسند بیوی پاس موجود ہے، محبت کے جذبات اس کی خوبصورتی سے تمتع لینے کی تحریک کرتے ہیں، الفت نے دونوں کو ایک دوسرے کا شیدا بنا رکھا ہے لیکن روزہ دار اس سے پہلو تہی اختیار کرتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ خدا کے حکم کی عزت اور عظمت اس کے دل میں اس قدر جاگزیں ہو گئی ہے کہ کوئی جذبہ بھی اس پر غالب نہیں آسکتا اور روزہ ہی اس عظمت اور جلالِ الٰہی کے دل میں قائم ہونے کا باعث ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب ایک ایمان دار خدا کے حکم کی وجہ سے جائز، حلال، پاکیزہ خواہشات کے چھوڑ دینے کی عادت کر لیتا ہے تو وہ بالضرور خدا کے حکم کی وجہ سے حرام، ناجائز اور گندی عادات و خواہشات کو چھوڑ دے گا اور اُن کے ارتکاب کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔ یہی وہ اخلاقی برتری ہے جس کا روزہ دار کے اندر پیدا کر دینا اور مستحکم کر دینا شرع کا مقصود ہے۔ اسی لیے حدیث صحیح میں ہے:

من لم یدع قولَ الزُّور والعمل بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِی اَنْ یَدَع طعامَه وشَرَابَه۔[1] جو روزہ دار جھوٹ کہنا، لغو بکنا اور لغو و فضول کاموں کا کرنا چھوڑ نہیں دیتا تو خدا کو کچھ پروا نہیں اگر وہ کھانا، پینا چھوڑ دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد فلیقل انّی امرئٌ صائمٌ۔[2] جب کوئی شخص کسی دن روزہ رکھے تو نہ کوئی بیہودہ لفظ زبان سے نکالے نہ بکواس اور شور کرے اور اگر کوئی اور شخص اسے گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تب کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (گالی کا جواب دینا، جھگڑا مجھے شایاں نہیں)۔

۱- [بخاری، کتاب الصوم، باب۸، حدیث ۱۸۰۴]۔ ۲- [بخاری، کتاب الصوم، باب۹، حدیث ۱۸۰۵]۔

روزہ اور چاند کی تاریخیں

(الف) رمضان کا مہینہ قمری حساب پر رکھا گیا ہے کیونکہ جب نصف دنیا پر سردی کا موسم ہوتا ہے تو دوسرے نصف حصہ پر گرمی کا موسم ہوتا ہے۔ قمری مہینہ اَدل بدل کر آنے سے کل دنیا کے مسلمانوں کے لیے مساوات قائم کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شمسی مہینہ مقرر کر دیا جاتا تو نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ سرما کی سہولت میں اور نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ گرما کی سختی اور تکلیف میں رہا کرتے اور یہ امر عالمگیر مذہب کے اصول کے خلاف ہوتا۔

(ب) روزہ رکھنا دشوار نہیں مگر جس شخص کے شہوانی خیالات ہوں یا جو جسمانی ناز و تنعم ہی کو زندگی کا شیریں مقصد سمجھتا ہو اس کے لیے روزہ رکھنا بے شک سخت گراں ہے۔[1]

[روزۂ] رمضان کا اسلام میں فرض ہونا بلکہ رُکن اسلام ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ اسلام کس قدر ایمانی اور ملکوتی طاقتوں کو بڑھانے والا اور کس قدر جسمانی و شہوانی خیالات کو ملیامیٹ کرنے والا ہے۔[2]

۳ھ کے رمضان میں حضرت امام حسنؓ پیدا ہوئے جو علی مرتضیٰؓ کے پہلوٹھے فرزند ہیں۔

اُمّ الخبائث (شراب) کی حرمت

۴ ہجری کی برکات میں سے بڑی برکت یہ ہے کہ شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگ ابو طلحہؓ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ میں انھیں شراب پلا رہا تھا۔ اتنے میں منادی ہونے لگی کہ شراب حرام ہو گئی۔ ابو طلحہؓ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ جتنی شراب باقی ہے، اسے باہر پھینک دو۔ اس روز مدینہ کے گلی کوچوں میں شراب بہہ نکلی تھی۔ آج دنیا کے مختلف ملکوں میں مختلف اقوام ٹمپرنس سوسائٹیوں کے ذریعے سے انسداد شراب کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یہ جملہ اقوام اسلام کی اس تعلیم کے زیر بارِ احسان ہیں۔ کیونکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے شراب کی قلیل و کثیر مقدار کو حرامِ مطلق

۱- [بخاری، کتاب الصوم، باب ۹، حدیث ۱۸۰۵]۔ ۲- مسیح نے فرمایا: جب تو روزہ رکھے، اپنے سر پر چکنائی لگا اور منہ دھو، تاکہ آدمی پر نہیں، بلکہ تیرے باپ پر، جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، روزہ دار ظاہر ہو، اور تیرا باپ، جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، آشکارا ہو تجھے بدلا دے۔ (انجیل متی ۶:۱۷-۱۸)

قرار دیا ہے۔

اسلام نے شراب کا نام 'امّ الخبائث' (برائیوں اور پلیدیوں کی ماں) رکھا ہے۔ انسان کے جسم پر، رویہ پر، اخلاق پر، ملک کے امن وانتظام پر، قبائل کے عادات پر، فوج کی اطاعت اور قوت پر، جو اثر شراب کا، تجربہ اور مشاہدہ میں آرہا ہے، اس سے واضح ہے کہ شراب کے لیے 'اُمّ الخبائث' کیسا موزوں اور زیبا نام ہے۔

بعض لوگ اسلام کی صداقت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے ہیں کہ اسلام نے شہوانی خیالات کو تحریک دے کر لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی تحریص دلائی ہے۔ ان پر ذرا غور کرنا چاہیے کہ شراب کو حرام ٹھہرانے والا کس قدر شہوانی خیالات کا دشمن ہوگا اور جس مذہب میں شراب ہی حرام ہو اس میں داخل ہونے سے عیاش طبیعتوں کو کتنی جھجک ہوگی۔

ولادت۔۔۔ حضرت امام حسینؓ

اسی سال یعنی ۴ھ کے شعبان میں امام حسینؓ پیدا ہوئے جو عشرہ محرم ۶۱ ہجری میں میدانِ کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان ومال و حرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسینؓ نے اس جنگ میں صبر واستقلال، رضا وتوکل، احقاق حق واتباع صداقت کے ایسے نمونے دکھائے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبی ﷺ کے فیضان وتربیت کا اثر ونتیجہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر اتباعہ اجمعین۔

سردارِ نجد کا اسلام

(۵ھ) نبی ﷺ نے کچھ سوار نجد کی جانب روانہ فرمائے تھے جو واپس ہوتے ہوئے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر لائے تھے۔ فوج والوں نے انھیں مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ لا باندھا تھا۔ نبی ﷺ نے وہاں تشریف لا کر دریافت کیا کہ ''ثمامہ کیا حال ہے؟''

ثمامہ نے کہا: محمدؐ! میرا حال اچھا ہے۔ اگر آپ قتل کیے جانے کا حکم دیں گے تو یہ حکم ایک خونی کے حق میں ہوگا اور اگر آپ انعام فرمائیں گے تو ایک شکر گزار پر رحمت کریں گے اور اگر مال کی ضرورت ہے تو جس قدر چاہیے، بتا دیجیے۔

دوسرے روز نبی ﷺ نے ثمامہ سے پھر وہی سوال کیا۔ ثمامہ نے کہا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گزار شخص پر فرمائیں گے۔ تیسرے روز نبی ﷺ نے پھر ثمامہ سے وہی سوال کیا۔ اُس نے کہا کہ میں اپنا جواب دے چکا ہوں۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ ثمامہ رہائی پا کر ایک کھجور کے باغ میں گیا جو مسجد نبویؐ کے قریب ہی تھا۔ وہاں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد نبویؐ میں لوٹ کر آ گیا اور آتے ہی کلمہ پڑھ لیا۔

ثمامہ نے کہا: یارسولؐ اللہ! قسم ہے خدا کی کہ سارے عالم میں آپ سے زیادہ اور کسی شخص سے مجھے نفرت نہ تھی، لیکن اب تو آپ ہی مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ بخدا، آپ کے شہر سے مجھے نہایت نفرت تھی مگر آج تو مجھے وہ سب مقامات سے پسندیدہ تر نظر آتا ہے۔ بخدا، آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی اور دین سے بغض نہ تھا۔ لیکن آج تو آپ ہی کا دین مجھے محبوب تر ہو گیا ہے۔

ثمامہؓ نے یہ بھی عرض کیا کہ میں اپنے وطن سے مکہ کو عمرہ کے لیے جا رہا تھا۔ راستہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اب عمرہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ نبی ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی بشارت دی اور عمرہ کے ادا کرنے کی اجازت فرمائی۔

ثمامہؓ مکہ پہنچا تو وہاں کے ایک شخص نے پوچھا: کہو، تم صابی بن گئے؟ ثمامہ نے کہا: نہیں، میں محمد رسولؐ اللہ پر ایمان لایا ہوں اور اسلام قبول کیا ہے اور اب یہ یاد رکھنا کہ ملک یمامہ سے تمھارے پاس ایک دانہ گندم بھی نہ آئے گا جب تک کہ نبی ﷺ کی اجازت نہ ہو گی۔[1]

ثمامہؓ نے اپنے ملک میں پہنچتے ہی مکہ کی طرف آنے والا اناج بند کر دیا۔ غلہ کی آمد کے رُک جانے سے اہل مکہ بلبلا اُٹھے اور آخر نبی ﷺ ہی سے انھیں التجا کرنا پڑی۔ نبی ﷺ نے ثمامہؓ کو لکھ دیا کہ غلہ بدستور جانے دے۔ (ان دنوں اہل مکہ نبی ﷺ کے جانی دشمن تھے)۔ اس قصہ سے نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے کیوں کر ایک شخص کی جان بخشی فرمائی

۱- صحیح بخاری عن ابی ہریرہ، کتاب المغازی۔ [باب وفد بنی حنیفہ ۶۶، حدیث ۴۱۱۴]

جو خود بھی اپنے آپ کو واجب القتل سمجھتا تھا۔[1] اور نہ صرف یہی ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کے پاکیزہ حالات اور اخلاق کا کیسا گہرا اثر لوگوں پر پڑتا تھا کہ ثمامہ جیسا شخص جو اسلام اور مدینہ اور آنحضرت ﷺ سے سخت نفرت و عداوت رکھتا تھا، تین روز کے بعد بخوشی خود مسلمان ہو گیا تھا۔ بلکہ نبی ﷺ کی نیکی اور طینت کی پاکی و رحم دلی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مکہ کے جن کافروں نے آنحضرت ﷺ کو مکہ سے نکالا تھا اور بدر، احد اور خندق میں اب تک نبی ﷺ اور مسلمانوں کے تباہ و برباد کرنے کے لیے ساری طاقت صرف کر چکے تھے، ان کے لیے رحمۃ للعالمین یہ پسند نہیں فرماتے کہ ان کا غلہ روک دیا جائے اور ان کو تنگ و ذلیل کر کے اپنا فرمانبردار بنایا جائے۔

صلح حدیبیہ

(۶ھ) اس سال نبی ﷺ نے اپنا ایک خواب مسلمانوں کو سنایا۔ فرمایا: ''میں نے دیکھا، گویا میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں''۔ اس خواب کے سننے سے غریب الوطن مسلمانوں کو اس شوق نے جو بیت اللہ کے طواف کا ان کے دل میں تھا، بے چین کر دیا اور انھوں نے اسی سال نبی ﷺ کو سفر مکہ کے لیے آمادہ کر لیا۔ مدینہ سے مسلمانوں نے سامان جنگ ساتھ نہیں لیا بلکہ قربانی کے اُونٹ ساتھ لیے اور سفر بھی ذیقعد کے مہینہ میں کیا جس میں عرب قدیم رواج کی پابندی سے جنگ ہر گز نہ کیا کرتے تھے اور جس میں ہر ایک دشمن کو بھی بلا روک ٹوک مکہ میں آنے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ جب مکہ ۱۹ میل رہ گیا تو نبی ﷺ نے مقام حدیبیہ سے قریش

۱- ثمامہ سید ملک نجد کے گرفتار کیے جانے کی وجہ ہر چند کہ اس روایت میں بیان نہیں ہوئی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ گرفتاری بالضرور کسی جرم کے بعد ہوئی تھی۔ غور کیجیے ثمامہ کے الفاظ پر کہ وہ خود اپنے آپ کو واجب القتل تسلیم کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے جب اسے بلا کسی شرط کے، بلا کسی معاوضہ کے اور بلا تکلیفِ تبدیلِ مذہب کے آزاد فرما دیا، تو اس کے دل پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق و احسان نے وہ کام کیا کہ اس کی ہدایت کا سامان ہو گیا۔

کے پاس اپنے آنے کی اطلاع بھیج دی اور آگے بڑھنے کی اجازت بھی ان سے چاہی۔

عثمان بن عفّانؓ جن کا اسلامی تاریخ میں ذوالنورین لقب ہے' سفیر بنا کر بھیجے گئے۔ان کے جانے کے بعد لشکر اسلامی میں یہ خبر پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل یا قید کر دیا ہے۔اس لیے نبی ﷺ نے اس بے سر و سامان جمعیت سے جان نثاری کی بیعت لی کہ اگر لڑنا بھی پڑا تو ثابت قدم ۲ رہیں گے۔بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو ۳ تھی۔قرآن مجید میں ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح ۴۸:۱۸) [ترجمہ: اللہ مؤمنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔] اس بیعت میں نبی ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور ان کی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی۔اس بیعت کا حال سن کر قریش ڈر گئے اور ان کے سردار یکے بعد دیگرے حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔عروہ ۴ بن مسعود جو قریش کی جانب سے آیا تھا' اس نے قریش کو واپس جا کر کہا:

اے قوم! مجھے بارہا نجاشی (بادشاہ حبش) قیصر (بادشاہ قسطنطنیہ) کسریٰ (بادشاہ ایران) کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے مگر مجھے کوئی بھی ایسا بادشاہ نظر نہ آیا' جس کی عظمت اس کے دربار والوں کے دل میں ایسی ہو جیسے اصحاب محمدؐ کے دل میں محمدؐ کی ہے۔محمدؐ تھوکتا ہے تو اس کا آب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا' کسی نہ کسی کے ہاتھ ہی پر گرتا ہے اور وہ شخص اس آبِ دہن کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے۔جب محمدؐ کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے سب مبادرت کرتے ہیں۔جب وہ وضو کرتا ہے تو آبِ مستعمل وضو کے لیے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ان کے دل میں محمدؐ کا اتنا ادب ہے کہ وہ اس کے سامنے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔میری رائے ہے کہ ان سے

۱- بخاری عن عبداللہ بن زید و سلمہ۔ [کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ حدیث ۳۹۱۹] ۲- بخاری عن ابن عمر۔ [محولہ بالا] ۳- صحیح بخاری عن براء و جابر۔ [محولہ بالا، حضرت قتادہؓ اور جابرؓ کی روایتوں میں یہ تعداد پندرہ سو مذکور ہے]۔ ۴- یہ عروہ جو آج قریش کا سفیر بن کر آیا تھا' چند سال کے بعد خود بخود مسلمان ہو گیا تھا اور اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کے لیے سفیر بن کر گیا تھا۔

صلح کرلو، جس طرح بھی بنے۔[1]

[صلح کی شرائط]

سوچ سمجھ کر قریش صلح کرنے پر آمادہ ہوئے۔ صلح کے لیے مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

۱-دس سال تک باہمی صلح رہے گی۔ جانبین کی آمد و رفت میں کسی کو روک ٹوک نہ ہو گی۔

۲-جو قبائل چاہیں، قریش سے مل جائیں اور جو قبائل چاہیں، وہ مسلمانوں کی جانب شامل ہو جائیں۔ دوست دار قبائل کے حقوق بھی یہی ہوں گے۔

۳-اگلے سال مسلمانوں کو طوافِ کعبہ کی اجازت ہو گی۔ اس وقت ہتھیار ان کے جسم پر نہ ہوں، گو سفر میں ساتھ ہوں۔

۴-اگر قریش میں سے کوئی شخص نبی ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر چلا جائے، تو نبی ﷺ اس شخص کو قریش کے طلب کرنے پر واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش سے جا ملے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

آخری شرط سن کر تمام مسلمان بجز ابو بکر صدیقؓ گھبرا اُٹھے۔ عمر فاروقؓ اس بارے میں زیادہ پرجوش تھے، لیکن نبی ﷺ نے ہنس کر اس شرط کو بھی منظور فرما لیا۔ معاہدہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے لکھا تھا۔ انھوں نے شروع میں لکھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

سہیل جو قریش کی طرف سے مختار معاہدہ تھا، بولا: بخدا ہم نہیں جانتے کہ رحمن کسے کہتے ہیں۔ باسمک اللّٰھم لکھو۔ نبی ﷺ نے وہی لکھ دینے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے پھر لکھا۔ یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریش کے درمیان قرار پایا ہے۔ سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا اور نبی ﷺ نے اس کی درخواست پر محمدؐ بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔[2]

عہد نامہ کب واجب العمل ہوتا ہے

۱- صحیح بخاری عن مسور بن مخرمه باب الشروط فی الجهاد، ص ۷۹۔ [کتاب الشروط، باب ۱۴، حدیث ۲۵۸۱] ۲- بخاری عن مسور بن مخرمه باب الشروط فی الجهاد۔ [محوله بالا] یہی سہیل جو آج اسم مبارک محمد ﷺ کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کرتا ہے، چند سال کے بعد دلی شوق اور اُمنگ سے مسلمان ہو گیا تھا۔ انتقال نبویؐ کے بعد مکہ

معظمہ میں اس نے اسلام کی حقانیت پر ایسی زبردست تقریر کی تھی جو ہزاروں مسلمانوں کے لیے استحکام وتازگی ایمان کا باعث ٹھہری تھی۔ بے شک یہ اسلام کا عجیب اثر ہے کہ وہ جانی اور دلی دشمنوں کو دم بھر میں اپنا فدائی بنالیتا ہے۔

معاہدہ کی آخری شرط کی نسبت قریش کا خیال تھا کہ اس شرط سے ڈر کر کوئی شخص آیندہ مسلمان نہ ہو گا لیکن یہ شرط ابھی طے ہی ہوئی تھی اور عہد نامہ لکھا ہی جا رہا تھا۔ دونوں طرف سے معاہدہ پر دستخط بھی نہ ہوئے تھے کہ سہیل بن عمرو (جو اہل مکہ کی طرف سے معاہدہ پر دستخط کرنے کا اختیار رکھتا تھا) کے سامنے ابو جندلؓ اسی جلسہ میں پہنچ گیا۔ ابو جندلؓ مکہ میں مسلمان ہو گیا تھا۔ قریش نے اسے قید کر رکھا تھا اور اب وہ موقع پا کر زنجیروں سمیت ہی بھاگ کر لشکر اسلامی میں پہنچا تھا۔ سہیل نے کہا کہ اسے ہمارے حوالہ کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عہد نامے کے مکمل ہو جانے پر اس کے خلاف نہ ہو گا۔ یعنی جب تک عہد نامہ مکمل نہ ہو جائے' اس کی شرائط پر عمل نہیں ہو سکتا۔ سہیل نے بگڑ کر کہا: تب ہم صلح ہی نہیں کرتے۔ نبی ﷺ نے حکم دیا اور ابو جندلؓ قریش کے سپرد کر دیا گیا۔

قریش نے مسلمانوں کے کیمپ میں اس کی مشکیں باندھیں' پاؤں میں زنجیر ڈالی اور کشاں کشاں لے گئے۔ نبی ﷺ نے جاتے وقت اس قدر فرما دیا تھا کہ ابو جندلؓ! خدا تیری کشایش کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا۔ ابو جندلؓ کی ذلت اور قریش کا ظلم دیکھ کر مسلمانوں کے اندر جوش اور طیش تو پیدا ہوا مگر نبی ﷺ کا حکم سمجھ کر ضبط و صبر کیے رہے۔

حملہ آور اعدا کو معافی

نبی ﷺ حدیبیہ ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اسّی آدمی کوہ تنعیم سے صبح کے وقت جب مسلمان نماز میں مصروف تھے' اس ارادے سے اترے کہ مسلمانوں کو نماز کے اندر قتل کر دیں۔ یہ سب لوگ گرفتار کر لیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے انھیں ازراہِ رحم دلی و عفو چھوڑ دیا۔ اسی واقعہ پر قرآن مجید میں اس آیت کا نزول ہوا: وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ (الفتح ۴۸:۲۴) خدا وہ ہے جس نے وادی مکہ میں تمھارے دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمھارے ہاتھ بھی (ان پر قابو پانے کے بعد) ان سے روک دیے۔

۱- صحیح بخاری باب الشروط فی الجهاد' ص ۸۰۔ [کتاب الشروط، باب ۱۴، حدیث ۲۵۸۱]

برکاتِ معاہدہ

الغرض، یہ سفر بہت خیر و برکت کا موجب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے معاندین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، حزم، دُور بینی اور حملہ آور دشمنوں کی معافی میں عفو اور رحمۃ للعالمینی کے انوار کا ظہور دکھایا۔ حدیبیہ ہی سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اسی معاہدہ کے بعد سورۃ الفتح کا نزول حدیبیہ میں ہوا تھا۔ عمر فاروقؓ نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! کیا یہ معاہدہ ہمارے لیے فتح ہے؟ فرمایا: ہاں۔[1]

ابو جندلؓ نے زندانِ مکہ میں پہنچ کر دینِ حق کی تبلیغ شروع کر دی۔ جو کوئی اس کی نگرانی پر مامور ہوتا، وہ اسے توحید کی خوبیاں سناتا، اللہ کی عظمت و جلال بیان کر کے ایمان کی ہدایت کرتا۔ خدا کی قدرت کہ ابو جندلؓ اپنے سچے ارادے اور سعی میں کامیاب ہو جاتا، اور وہ شخص مسلمان ہو جاتا۔ قریش اس دوسرے ایمان لانے والے کو بھی قید کر دیتے۔ اب یہ دونوں مل کر تبلیغ کا کام اسی قید خانہ میں کرتے۔ الغرض اس طرح ایک ابو جندل کے قید ہو کر مکہ پہنچ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال کے اندر قریباً تین سو اشخاص ایمان لے آئے۔

اب قریش پچھتائے کہ ہم نے کیوں عہد نامے میں ان ایمان والوں کو واپس لینے کی شرط درج کرائی۔ پھر انھوں نے مکہ کے چند منتخب شخصوں کو نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ عہد نامہ کی اس شرط سے دست بردار ہوتے ہیں۔ ان نو مسلموں کو اپنے پاس بلا لیجیے۔ نبی ﷺ نے معاہدہ سے خلاف کرنا پسند نہ فرمایا۔[2] اس وقت عام

۱- بخاری عن ابی وائل۔ [یہ روایت بخاری میں نہیں ملی، البتہ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب ۱۵۵، حدیث ۲۷۳۶، اور امام حاکم کی المستدرک علی الصحیحین، کتاب قسم الفیء حدیث ۲۵۹۳، میں موجود ہے۔ (مدوّن)] ۲- ابو جندلؓ کی طرح ایک شخص ابو بصیرؓ تھا۔ وہ مسلمان ہو کر مدینہ پہنچا۔ قریش نے اسے واپس لانے کے لیے دو شخص نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ آنحضرت ﷺ نے ابو بصیرؓ کو ان کے سپرد کر دیا۔ راستہ میں ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک کو دھوکا دے کر مار دیا۔ دوسرا نبی ﷺ کی خدمت میں اطلاع کے لیے گیا۔ اس کے پیچھے ہی ابو بصیرؓ بھی پہنچا۔ نبی ﷺ نے اسے فساد انگیز فرمایا۔ اس عتاب سے خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھی بھاگا۔ قریش نے ابو جندلؓ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو مکہ سے نکال دیا۔ ابو جندلؓ کو چونکہ مدینہ آنے کی اجازت نہ تھی اس لیے اس نے مکہ سے شام کے راستہ پر ایک پہاڑی پر قبضہ کر لیا۔ جو قافلہ قریش کا آتا جاتا اسے لوٹ لیتا (کیونکہ قریش فریق جنگ تھے) ابو بصیرؓ بھی اسی سے جا ملا۔ [بخاری کی روایت کے مطابق ابو بصیرؓ پہلے سے سیف البحر نامی جگہ میں تھے اور ابو جندلؓ ان سے جا ملے۔ (مدوّن)] ایک دفعہ ابو العاصؓ بن ربیع کا قافلہ بھی شام سے آیا۔ ابو جندلؓ و غیرہ ابو العاصؓ سے واقف تھے۔ سیدہ زینب بنت رسولؐ کا اس سے نکاح ہوا تھا۔ (گو ابو العاصؓ کے مشرک رہنے سے افتراق ہو چکا تھا) ابو جندلؓ نے قافلہ کو لوٹ لیا مگر کسی جان کا نقصان نہ ہوا۔ اس لیے کہ ابو العاص ان میں تھا۔ ابو العاصؓ وہاں سے سیدھا مدینہ آیا اور حضرت زینبؓ کی وساطت سے ماجرا کی اطلاع نبی ﷺ تک پہنچائی۔ نبی ﷺ نے معاملہ صحابہ کے مشورہ پر چھوڑ دیا۔ صحابہ نے ابو العاصؓ کی تائید میں فیصلہ کیا۔ جب ابو جندلؓ کو اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے سارا اسباب رسی اور مہار شتر تک ابو العاصؓ کو واپس کر دیا۔ ابو العاصؓ مکہ پہنچا۔ سب لوگوں کا روپیہ پیسہ اسباب لوٹایا۔ پھر منادی کرائی کہ اگر کسی کا کوئی حق مجھ پر رہ گیا ہو تو بتا دے۔ سب نے کہا: تو بڑا امین ہے۔ ابو العاصؓ نے کہا: اب میں جاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر اس سے پہلے مسلمان ہو جاتا تو لوگ الزام لگاتے کہ ہمارا مال مار کر مسلمان ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ابو جندلؓ اور اس کے ساتھیوں کو بھی قریش کی استدعا پر اب مدینہ بلا لیا تاکہ وہ قریش کو نہ لوٹ سکیں۔

مسلمان بھی سمجھ گئے کہ معاہدہ کی وہ شرط جو ظاہراً ہم کو گوارانہ تھی، اس کا منظور کر لینا کس قدر مفید ثابت ہوا۔

ابو جندلؓ کے حال سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے؟

ابو جندلؓ کے قصہ سے ہر شخص جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم کا مادہ رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی صداقت کیسی الٰہی طاقت کے ساتھ پھیل رہی تھی اور کس طرح طالبان حق کے دل پر قبضہ کر رہی تھی کہ وطن کی دُوری، اقارب کی جدائی، قید، ذلت، بھوک، پیاس، خوف و طمع، تلوار، پھانسی، غرض دنیا کی کوئی چیز اور کوئی جذبہ ان کو اسلام سے نہ روک سکتا تھا۔

صلح کا حقیقی فائدہ

امام زہریؒ نے معاہدہ کی دفعہ اوّل کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ جانبین سے آمد و رفت کی روک ٹوک کے اُٹھ جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ لوگ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور اس طرح ان کو اسلام کی حقیّت اور حقیقت معلوم کرنے کے مواقع ملے اور اسی وجہ سے اس سال اتنے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ اس سے پیشتر کسی سال اتنے مسلمان نہ ہوئے تھے۔

۷ھ میں مسلمانوں کا عمرہ اور اس کے نتائج

معاہدہ حدیبیہ کی شرطِ دوم سے مسلمان اس سال مکہ پہنچ کر عمرہ کرنے کا حق رکھتے تھے۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ دو ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچے۔ مکہ والوں نے نبی ﷺ کو مکہ میں آنے سے تو نہ روکا لیکن خود گھروں کو قفل لگا کر کوہ بوقبیس کی چوٹی پر، جس کے نیچے مکہ آباد ہے، چلے گئے۔ پہاڑ پر سے مسلمانوں کے کام دیکھتے رہے۔

خدا کے نبی ﷺ تین دن تک عمرہ کے لیے مکہ میں رہے اور پھر ساری جمعیت کے ساتھ مدینہ کو واپس چلے گئے۔ ان منکروں پر مسلمانوں کے سچے جوش، سادہ اور موثر طریق عبادت کا اور ان کی اعلیٰ دیانت وامانت کا (کہ خالی شدہ شہر میں کسی کا ایک پائی کا بھی نقصان نہ ہوا تھا) عجیب اثر ہوا جس نے سینکڑوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔

غزوۂ خیبر

(یہود کی چوتھی سازش، مدینہ پر حملہ کی تیاری، لشکر اسلام کا آگے بڑھ کر انھیں لینا، یا جنگ خیبر، محرم ۷ھ)

خیبر مدینہ سے شام کی جانب تین منزل پر ایک مقام کا نام ہے۔ یہ یہودیوں کی خالص آبادی کا قصبہ تھا۔ آبادی کے گرداگرد مستحکم قلعے بنائے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کو سفر حدیبیہ سے پہنچے ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن (ایک ماہ سے کم) ہوئے کہ سننے میں آیا، خیبر کے یہودی پھر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں[1] اور جنگ احزاب کی ناکامی کا بدلہ لینے اور اپنی کھوئی ہوئی جنگی عزت و قوت کو ملک بھر میں بحال کرنے کے لیے ایک خونخوار جنگ کی تیاری کر چکے ہیں۔

۱۔ طبقات کبیر ابن سعد، ص ۷۔

انھوں نے قبیلہ بنو غطفان کے چار ہزار جنگجو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو پیداوارِ خیبر کا نصف حصہ ہمیشہ بنو غطفان کو دیتے رہیں گے۔

مسلمان محاصرہ کی سختی کو جو پچھلے ہی سال جنگِ احزاب میں انھیں اٹھانی پڑی تھی، ہنوز نہیں بھولے تھے۔ اس لیے سب مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ اس حملہ آور دشمن کو آگے بڑھ کر لینا چاہیے۔ نبی ﷺ نے اس غزوہ میں صرف انھی صحابہ کو ہمرکاب چلنے کی اجازت دی تھی جو: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ[1] کی بشارت سے ممتاز تھے اور جن کو وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا[2] کا مژدہ مل چکا تھا۔ ان کی تعداد چودہ سو تھی، جن میں سے دو سو اسپ سوار تھے۔

مقدمہ لشکر کے سردار عکاشہ[3] بن محصنؓ اور میمنہ لشکر کے سردار عمر بن الخطابؓ تھے۔[4] سردار میسرہ کوئی اور صحابی تھے۔ بیس صحابیہ عورتیں بھی شاملِ لشکر تھیں جو بیماروں اور زخمیوں کی خبر گیری اور تیمارداری کے لیے ساتھ ہو لی تھیں۔ لشکر اسلام آبادیٔ خیبر کے متصل رات کے وقت پہنچ گیا تھا لیکن نبی ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہ کرتے تھے[5] اور نہ کبھی شب خون ڈالا کرتے۔ اس لیے لشکر اسلام نے میدان میں ڈیرے ڈال دیے۔ معرکہ کے لیے اس مقام کا انتخاب مردِ جنگ آزما حباب بن المنذرؓ نے کیا تھا۔ یہ میدان اہل خیبر

۱-(الفتح ۴۸:۱۸) خدا تعالیٰ ان مومنوں سے خوش ہوا جو درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ خدا نے ان کے دلوں کے اندر کا حال جان لیا۔ ۲-(الفتح ۴۸:۲۰) خدا نے تم سے بڑی بڑی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جو تم حاصل کرو گے۔ ۳- عکاشہ بن محصنؓ فضلا صحابہ میں سے تھے۔ نبی ﷺ نے بشارت دی تھی کہ یہ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بدر، اُحد، خندق اور دیگر مشاہد میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں بعمر ۴۵ سال شہید ہوئے۔ ۶- مدارج النبوۃ، ص ۲۹۰۔ ۵- بخاری عن انسؓ۔ [کتاب الجہاد، باب ۱۰۱، حدیث ۲۷۵۴]

اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا۔[1] اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوا کہ جب بنو غطفان یہودیانِ خیبر کی مدد کے لیے نکلے تو انھوں نے لشکر اسلام کو سدِّراہ پایا اور اس لیے چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کا بڑا کیمپ اسی جگہ رہے گا اور حملہ آور فوج کے دستے کیمپ سے جایا کریں گے۔ لشکر کے اندر فوراً مسجد تیار کر لی گئی تھی[2] اور جنگ کے دوش بدوش تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی جاری فرما دیا گیا تھا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ اس کیمپ کے ذمہ دار افسر تھے۔ قصبۂ خیبر کے قلعے جو آبادی کے دائیں بائیں واقع تھے، شمار میں دس تھے، جن کے اندر دس ہزار جنگی مرد رہتے تھے۔[3] ہم ان کو تین حصوں پر تقسیم کر سکتے ہیں:[4]

۱- قلعہ ناعم

۲- قلعہ نطاۃ

۳- حصن صعب بن معاذ

۴- حصن قُلّۃ الزبیر (یہ چاروں حصون نطاۃ کے نام سے نامزد تھے۔)

۵- حصن شنّ

۶- حصن البر

۷- حصن ابیّ (یہ تینوں حصون شنّ کے نام سے نامزد تھے۔)

۸- حصن قموص طبری

۹- حصن وطیح

۱۰- حصن سلالم جسے حصن بنی الحقیق بھی کہتے ہیں۔ (یہ تینوں حصون کتیبہ کے نام سے نامزد تھے۔)

محمود بن مسلمہؓ کو حملہ آور فوج کا سردار بنایا گیا اور انھوں نے قلعہ نطاۃ

۱- تاریخ طبری، ص ۹۲، مطبوعہ مطبع حسینیہ مصریہ۔ [ج ۲، ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۷ھ] ۲- صحیح بخاری عن سوید بن النعمان۔ [حضرت سویدؓ کی روایت سے بخاری میں ۸ مقامات پر غزوۂ خیبر کا واقعہ مذکور ہے، مگر اس میں ستّو کھا کر نیا وضو

کیے بغیر نمازِ عصر یا مغرب پڑھنے کا ذکر تو ملتا ہے، مسجد تیار کرنے کا نہیں۔ اور یہی حال دیگر کتب حدیث میں حضرت سوید بن النعمان کی روایت کردہ احادیث کا ہے۔ البتہ البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، ص ۱۸۱ میں تعمیر مسجد کا ذکر موجود ہے۔ (مدوّن)] ۳۔ فتح الباری۔ بعض کتابوں میں قلعوں کی تعداد ۶، ۷ بھی درج ہے۔ ۴۔ سیرت محمدیہ مولوی کرامت علی۔

پر جنگ کا آغاز کر دیا۔ نبی ﷺ خود بھی حملہ آور فوج میں شامل ہوئے تھے۔ باقی ماندہ فوجی کیمپ زیر نگرانی حضرت عثمانؓ بن عفان تھا۔ محمود بن مسلمہؓ پانچ روز تک برابر حملہ کرتے رہے لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ پانچویں یا چھٹے روز کا ذکر ہے کہ محمودؓ میدانِ جنگ کی گرمی سے ذرا ستانے کے لیے پائین قلعہ دیوار کے سایہ میں لیٹ گئے۔ کنانہ بن [ابی] الحُقیق یہودی نے انھیں غافل دیکھ کر ایک پتھر ان کے سر پر دے مارا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ فوج کی کمان محمد بن مسلمہؓ، ان کے بھائی نے سنبھال لی اور شام تک کمال شجاعت و دلاوری سے لڑتے رہے۔ محمد بن مسلمہؓ کی رائے ہوئی کہ یہودیوں کے نخلستان کو کاٹا جائے کیونکہ ان لوگوں کو ایک ایک درخت ایک ایک بچہ کے برابر پیارا ہے۔ اس تدبیر سے اہل قلعہ پر اثر ڈالا جا سکے گا۔ اس تدبیر پر عمل شروع ہو گیا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہو کر التماس کیا کہ یہ علاقہ یقینا مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہونے والا ہے، پھر ہم اسے اپنے ہاتھوں کیوں خراب کریں؟ نبی ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ابن مسلمہؓ کے پاس نخلستان کے کاٹنے کے بارے میں امتناعی حکم بھیج دیا۔

شام کو محمد بن مسلمہؓ نے اپنے بھائی کی مظلومانہ شہادت کا قصہ خود ہی نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لاعطین (اولیاتین) الرایۃ غداً رجلا یحبہ اللہ اور سولہ یفتح اللہ علیہ[1] کل فوج کا نشان اس شخص کو دیا جائے گا (یا وہ شخص نشان ہاتھ میں لے گا) جس سے خدا تعالیٰ اور رسولؐ اللہ محبت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا۔

یہ ایسی تعریف تھی جسے سن کر فوج کے بڑے بڑے بہادر اگلے دن کی کمان ملنے کے آرزومند ہو گئے تھے۔ اس رات پاسبانیٔ لشکر کی خدمت حضرت عمر بن الخطابؓ کے سپرد تھی۔ انھوں نے گرداوری کرتے ہوئے ایک یہودی کو گرفتار کیا اور اسی وقت نبی ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نماز تہجد میں تھے۔ جب فارغ ہوئے تو یہودی

۱- [بخاری، کتاب الجهاد، باب ۱۱۸، حدیث ۲۸۱۲]۔

سے گفتگو فرمائی۔ یہودی نے کہا کہ اگر اسے اور اس کے زن و بچہ کو جو قلعہ کے اندر ہیں' امان عطا ہو تو وہ بہت سے جنگی راز بتا سکتا ہے۔ یہ وعدہ اس سے کر لیا گیا۔ یہودی نے بتایا کہ نطاۃ کے یہودی آج کی رات اپنے زن و بچہ کو قلعہ شن میں بھیج رہے ہیں اور نقد و جنس کو قلعہ نطاۃ کے اندر دفن کر رہے ہیں۔ مجھے وہ مقام معلوم ہے جب مسلمان قلعہ نطاۃ لے لیں گے تو وہ جگہ بتادوں گا۔ بتایا کہ قلعہ شن کے تہ خانوں میں قلعہ شکنی کے بہت سے آلات منجنیق وغیرہ موجود ہیں۔ جب مسلمان قلعہ شن فتح کر لیں گے تو میں وہ تہ خانے بھی بتادوں گا۔

صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو یاد فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ انھیں آشوب چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہوتا رہا ہے۔ حضرت علیؓ آگئے تو نبی ﷺ نے لب مبارک جناب مرتضیٰ کی آنکھوں کو لگادیا۔ اسی وقت آنکھیں کھل گئیں۔ نہ آشوب کی سرخی باقی تھی اور نہ درد کی تکلیف۔ پھر فرمایا: ''علی جاؤ! راہِ خدا میں جہاد کرو۔ پہلے اسلام کی دعوت [پیش] کرو' بعد میں جنگ۔ علیؓ! اگر تمھارے ہاتھ پر ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ کام بھاری غنیمتوں کے حاصل ہو جانے سے بہتر ہو گا''۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے قلعہ ناعم پر جنگ کی طرح ڈالی۔ مقابلہ کے لیے قلعہ کا مشہور سردار مرحّب میدان میں نکلا۔ یہ اپنے آپ کو ہزار بہادروں کے برابر کہا کرتا تھا۔ اس نے آتے ہی یہ رجز پڑھنا شروع کر دیا:

قد علمت خیبر انی مرحّب شاکی السّلاح بطل مجرّب

اذ القلوب اقبلت تلھب

خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار سجانے والا بہادر تجربہ کار مرحب ہوں۔ جب لوگوں کے ہوش مارے جاتے ہیں تو میں بہادری دکھایا کرتا ہوں۔

اس کے مقابلے کے لیے عامر بن الاکوعؓ نکلے۔ وہ بھی اپنا رجز پڑھتے جاتے تھے:

قد علمت خیبر انی عامرٌ شاکی السّلاح بطل مقاتر

خیبر جانتا ہے کہ میں ہتھیار چلانے میں استاد' نبرد آزما تلخ ہوں' میرا نام عامر ہے۔

مرحب نے ان پر تلوار سے وار کیا۔ عامرؓ نے اسے ڈھال پر روکا اور مرحّب کے حصہ زیریں پر وار چلایا۔ مگر ان کی تلوار جو لمبائی میں چھوٹی تھی ان ہی کے

گھٹنے پر لگی جس کے صدمہ سے یہ بالآخر شہید ہو گئے۔ پھر حضرت علی مرتضیٰؓ نکلے۔ رجز حیدریؓ سے میدان گونج اُٹھا۔ آپ فرماتے تھے:

انا الذی سمّتنی امی حیدرہ میں ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر غضبناک رکھا ہے۔

اکیلکم بالسیف کیل السندرہ میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمھیں بڑے بڑے پیمانے عطا کروں گا۔

کلیث غابات شدید قسورہ[1] میں شیر ببر سخت حملہ آور، ہژبرِ میدان ہوں [یعنی ببر شیر، یا بہادر آدمی]۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایک ہی ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ مرحب کے خودِ آہنی کو کاٹتا، عمامہ کو قطع کرتا، سر کے دو ٹکڑے بناتا ہوا گردن تک جا پہنچا۔ مرحّب کا بھائی یاسر نکلا، اسے زبیر بن العوامؓ نے خاک میں سلا دیا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کے عام حملہ سے قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔ اسی روز قلعہ صعب کو حضرت حباب[2] بن المنذرؓ نے محاصرہ سے تیسرے دن بعد فتح کر لیا۔ قلعہ صعب سے مسلمانوں کو جو، کھجور، چھوہارے، مکھن، روغن زیتون، چربی اور پارچہ جات کی مقدار کثیر ملی۔ فوج میں قلت رسد سے جو تکلیف ہو رہی تھی، وہ رفع ہو گئی۔ اسی قلعہ سے آلات قلعہ شکن بھی برآمد ہوئے۔ جس کی خبر یہودی جاسوس دے چکا تھا۔ اس سے اگلے روز قلعہ نطاۃ فتح ہو گیا۔ اب قلعہ [قلة] الزبیر پر جو ایک پہاڑی ٹیلہ پر واقع تھا اور اپنے بانی زبیر کے نام سے موسوم تھا، حملہ کیا گیا۔ دو روز کے بعد ایک یہودی لشکرِ اسلام میں آیا۔ اس نے کہا: یہ قلعہ تو مہینہ بھر تک بھی تم فتح نہیں کر سکو گے۔ میں ایک راز بتاتا ہوں۔ اس قلعہ کے اندر پانی ایک زیر زمین نالہ کی راہ سے جاتا ہے۔ اگر پانی کا راستہ بند کر دیا جائے تو فتح ممکن ہے۔ مسلمانوں نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ اب اہل قلعہ، قلعہ سے باہر نکل کر کھلے میدان

۱- طبری ج۳، ص ۹۴۔ ۲- حباب بن المنذر انصاری اسلمی ابو عمرو کنیت اور ذوالرائے لقب تھا۔ غزوۂ بدر میں ۳۳ سال کے تھے۔ میدان جنگ بدر کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔

میں آکر لڑے اور مسلمانوں نے انھیں شکست دے کر قلعہ کو فتح کر لیا۔ پھر حصن اُبّی پر حملہ شروع ہوا۔ اس قلعہ والوں نے سخت مدافعت کی۔ ان میں سے ایک شخص جس کا نام غزوان تھا' مبارزت کے لیے باہر نکلا۔ حبابؓ مقابلہ کو گئے۔ اس کا بازو راست [دایاں بازو] کٹ گیا۔ وہ قلعہ کو بھاگا۔ حبابؓ نے تعاقب کیا اور اس کی رگ پاشنہ [ایڑی] کو بھی کاٹ ڈالا۔ وہ گر پڑا اور پھر قتل کر دیا گیا۔

قلعہ سے ایک اور مبارز نکلا جس کا مقابلہ ایک مسلمان نے کیا مگر مسلمان اس کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ اب ابو دجانہؓ نکلے۔ انھوں نے جاتے ہی اس کے پاؤں کاٹ دیے اور پھر قتل کر ڈالا۔ یہود پر رعب طاری ہو گیا اور باہر نکلنے سے رُک گئے۔ ابو دجانہؓ آگے بڑھے۔ مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ تکبیر کہتے ہوئے قلعہ کی دیوار پر جا چڑھے۔ قلعہ فتح کر لیا۔ اہل قلعہ بھاگ گئے اس قلعہ سے بکریاں اور کپڑے اور اسباب بہت سا ملا۔

اب مسلمانوں نے حصن البر پر حملہ کر دیا یہاں کے قلعہ نشینوں نے مسلمانوں پر اتنے تیر برسائے اور اتنے پتھر گرائے کہ مسلمانوں کو بھی مقابلہ میں منجنیق کا استعمال کرنا پڑا۔ منجنیق وہی تھے جو حصن صعب سے غنیمت میں ملے تھے۔ منجنیقوں سے قلعہ کی دیواریں گرائی گئیں اور قلعہ فتح ہو گیا۔

خالدؓ بن ولید اسلام کی آغوش میں

(۸ھ) انھی ایمان لانے والوں میں خالد بن ولیدؓ تھے جو جنگ اُحد میں کافروں کے رسالہ کے افسر تھے اور مسلمانوں کو انھوں نے سخت نقصان پہنچایا تھا۔ یہ وہی خالدؓ ہیں جنھوں نے اسلامی جنرل ہونے کی حیثیت میں مسیلمہ کذاب کو شکست دی۔ تمام عراق اور نصف شام کا ملک فتح کیا تھا۔ مسلمانوں کے ایسے جانی دشمن اور ایسے جانباز اعلیٰ سپاہی کا خود بخود مسلمان ہو جانا اسلام کی سچائی کا معجزہ ہے۔

عمروؓ بن عاص کا قبولِ اسلام

(۸ھ) انھی ایمان لانے والوں میں عمرو بن العاصؓ تھے۔ قریش نے ان ہی کو مسلمانوں سے عداوت اور بیرونی معاملات میں اعلیٰ قابلیت

رکھنے کی وجہ سے اس ڈیپوٹیشن (وفد) کا سردار بنایا تھا جو شاہ حبش کے پاس گیا تھا۔ تاکہ وہ حبش میں گئے ہوئے مسلمانوں کو قریش کے حوالے کر دے۔ انھیں عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ملکِ مصر کو فتح کیا تھا۔ ایسے مدبر و ماہر سیاست اور فاتح ممالک کا مسلمان ہو جانا بھی اسلام کا اعجاز ہے۔ انھی اسلام لانے والوں میں عثمان بن طلحہؓ تھے جو کعبہ کے اعلیٰ متہم و کلید بردار تھے۔ جب یہ نامی سردار (جن کی شرافتِ حسب و نسب سارے عرب میں مسلّمہ تھی) نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ جا پہنچے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہم کو دے ڈالے۔

عدی بن حاتم طائی کا ایمان لانا

(۹ھ) اس مشہور سردار کے ایمان لانے کی تقریب یہ ہوئی کہ ۹ھ میں یمن کے قبیلہ بنی طے نے بغاوت کی تھی۔ اس وقت اس علاقہ کے حاکم اعلیٰ علی مرتضیٰؓ تھے۔ انھوں نے فسادیوں کو پکڑ کر مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ ان میں حاتم طائی مشہور سخی کی بیٹی تھی۔ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں یوں عرض کیا: ''میں سردار قوم کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا' غریبوں پر رحم کیا کرتا۔ وہ مر گیا۔ بھائی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اب آپ مجھ پر رحم کریں''۔

نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں''۔ اس کے بعد اسے مع اس کے متعلقین کے چھوڑ دیا اور زادِ راہ اور لباس بھی عنایت فرمایا۔

عدی بن حاتم کا قصّہ

عدی بن حاتم کا اپنا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ (ﷺ) کے نام سے سخت نفرت تھی۔ کیونکہ میں عیسائی المذہب تھا۔ اپنی قوم کا سردار تھا۔ میری قوم غنیمت کا ایک چہارم حصہ مجھے ادا کیا کرتی تھی۔ میں اپنے دل میں کہا کرتا تھا کہ میں سچے دین پر بھی ہوں اور اپنے علاقہ کا بادشاہ بھی ہوں۔ اس لیے مسلمان ہونے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنے شتر خانہ کے داروغہ کو کہہ رکھا تھا کہ دو عمدہ اُونٹ جو تیز رفتار ہوں' ہر وقت میرے مکان پر موجود رکھا کرے اور جب اسے اس علاقہ میں مسلمانوں کے آنے کی خبر ملے' مجھے فوراً بتائے۔ ایک روز داروغہ آیا۔

کہا: صاحب! محمدؐ فوج آجانے پر جو کچھ کرنے کا ارادہ ہو، وہ کر گزریے۔ کیونکہ مجھے دُور سے کچھ جھنڈے نظر آتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اُونٹ منگائے۔ بیوی، بچہ اور زر و مال کو لادا اور شام کو چل دیا۔ میری بہن آنحضرت ﷺ سے رہائی حاصل کرنے کے بعد میرے پاس شام ہی میں پہنچی۔ اس نے اپنی رہائی کی تمام کیفیت سنائی۔ میری بہن نہایت دانا اور عقیل تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس شخص (رسولؐ اللہ) کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تو جلد اس کے پاس چلا جا۔ کیونکہ اگر وہ نبی ہے، تب تو سابقین کی فضیلت کو کیوں ضائع کیا جائے اور اگر وہ بادشاہ ہے، تب بھی اس کے پاس جانے سے ذلیل نہ ہوگا۔ کیونکہ تو تو ہی ہے... (تو خود ہی اپنی قابلیتوں میں بے نظیر ہے۔) بہن کے مشورہ پر میں مدینہ آیا۔ اس وقت نبی اللہ مسجد میں تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ فرمایا: کون؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم۔ نبی ﷺ مجھے ساتھ لے کر اپنے گھر چلے۔ راستہ میں ایک کھوسٹ بڑھیا [بہت بوڑھی عورت] ملی۔ اس نے نبی ﷺ کو ٹھہرالیا۔ آپؐ دیر تک اس کے پاس کھڑے رہے اور وہ اپنی لمبی داستان سناتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ شخص بادشاہ تو ہر گز نہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ گھر میں پہنچے۔ ایک چمڑے کا گدّا جس میں کھجور کے پٹھے بھرے ہوئے تھے، نبی ﷺ نے میرے سامنے پھینک دیا۔ فرمایا: اس پر بیٹھو۔ میں نے کہا: نہیں حضور بیٹھیں۔ فرمایا: نہیں! تم ہی بیٹھ جاؤ۔ میں گدّے پر بیٹھ گیا اور آنحضرت ﷺ زمین پر بیٹھ گئے۔ اب پھر میرے دل نے گواہی دی کہ یہ بادشاہ ہر گز نہیں۔

اب نبی ﷺ نے فرمایا: تم تور کوسی[1] ہو۔ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو اپنی قوم سے غنیمت اور پیداوار کے چہارم لیا کرتے ہو۔ میں نے کہا: ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا تو تیرے دین میں جائز نہیں۔ میں نے کہا: سچ ہے اور میں نے دل میں کہا کہ یہ ضرور نبی ہے، سب کچھ جانتا ہے، اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

نبی ﷺ نے پھر فرمایا: عدی! اس دین کو داخل ہونے سے تم کو یہ امر مانع ہے کہ سب لوگ غریب ہیں۔ بخدا! ان میں اس قدر مال ہونے والا ہے کہ کوئی شخص مال لینے والا باقی

---

[1] ا-ر-ک-و-س-ی (رکوسی) عیسائیوں کے ایک قدیم فرقہ کا نام ہے۔

نہ رہے گا۔ عدی! اس دین میں داخل ہونے سے تم کو شاید یہ امر بھی مانع ہے کہ ہم لوگ تعداد میں تھوڑے ہیں اور ہمارے دشمن بہت ہیں۔ بخدا وہ وقت قریب آرہا ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا ڈر خوف نہ ہو گا۔

عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ حکومت اور سلطنت آج کل دوسری قوموں میں ہے۔ واللہ! وہ وقت قریب آرہا ہے جب تو سن لے گا کہ ارض بابل کا سفید محل (نوشیرواں کا درباری دیوان خانہ) مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہو گا۔

عدی! بتاؤ کہ لا الہ الا اللہ کے کہنے میں تجھے کیا تامل ہے' کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہو سکتا ہے؟ عدی! بتاؤ کہ اللہ اکبر کے کہنے میں تجھے کیا عذر ہے' کیا اللہ سے بھی کوئی بڑا ہے؟''

عدی کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ میرے اسلام لانے سے نبی ﷺ کے چہرہ پر بشاشت اور فرحت نمایاں تھی۔ عدی کہتا ہے کہ اس ارشاد نبویؐ کے بعد دو سال پورے ہو چکے تھے اور تیسرا سال جارہا تھا کہ میں نے ارض بابل کے محلات کو بھی فتح شدہ دیکھ لیا اور ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے اکیلی آتے بھی دیکھ لیا اور مجھے اُمید ہے کہ تیسری بات بھی ہو کر رہے گی۔[1]

اسلام کا پانچواں رکن حج

اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام وہ پیغام محبت ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا' بیگانوں کو یگانہ اور آشناؤں کو صدیق بنا دیتا ہے۔ احکام اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ افرادِ مختلفہ کو ملت واحدہ بنا کر کلمہ واحد پر جمع کر دیا جائے۔

(الف) اہل محلہ میں محبت و اتحاد پیدا کرنے [اور] قائم رکھنے کے لیے پنج گانہ نمازوں کے

۱- تاریخ طبری' عدی بن حاتم نے ۶۷ھ میں بعمر ۱۲۰ سال کوفہ میں وفات پائی۔

وقت اہل محلہ پر محلہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کیا گیا ہے۔

(ب) اہل شہر میں محبت و تعلقات بڑھانے کے لیے ہفتہ میں ایک بار ان کا مسجد جامع میں اکٹھا ہونا [اور] مل کر نماز جمعہ ادا کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

(ج) اہل شہر اور دیہاتِ قرب وجوار کے رہنے والوں میں تعارف و تعلق محبت و شناسائی قائم کرنے اور مستحکم کرنے کے لیے سال میں دو بار عیدین کی نماز کو سنن ہدیٰ میں قرار دیا گیا ہے۔ ہر دو موقعوں پر دیہات والے شہر کی طرف آتے ہیں اور شہر والے شہر سے نکل کر ان کے ملاقی ہوتے اور مل جل کر عبادت الٰہی کرتے ہیں۔

حج کے فوائد عظیمہ

۱-اسلامی عالم میں رابطۂ دین کے مضبوط کرنے، مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص کو دین واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے حج عمر بھر میں ایک دفعہ ان سب اشخاص پر، جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں، فرض کیا گیا ہے۔

۲- حج میں سب کے لیے وہ سادہ بن سلا لباس، جو نسلِ انسانی کے پدر اعظم آدمؑ کا تھا، تجویز کیا گیا ہے، تاکہ ایک ہی رسول ﷺ، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے، ایک ہی صورت، ایک ہی لباس، ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور چشم ظاہر بین کو بھی اتحاد معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی اختلافِ ظاہری محسوس نہ ہو سکے۔

۳- حج کے لیے قرار دیا گیا مقام وہ ہے جہاں صابی، یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے جدّ اعظم حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی تھی۔ چونکہ اقوامِ بالا کا مجموعہ دنیا کی دیگر اقوام سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس مقام کے اختیار کرنے کی تائید کثرتِ رائے اور قدامت زمانہ دونوں طرح ہوتی ہے۔

۴- حج سے مقصود شوکت اسلام کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو سفر بحر و بر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں:

بادشاہ کا جو مقصود شاندار درباروں (مثل کارونیشن) کے انعقاد سے،

ایک مارشل کا جو مقصود عظیم فوجی ریویو سے، کانفرنس کا جو مقصود، سالانہ جلسوں کے انعقاد اور ڈیلی گیٹوں کے اجتماع سے۔۔۔ایوانِ تجارت کا جو مقصود عالم گیر نمایشوں کے قیام سے ہے وہ سب حج کے اندر مرکوز و ملحوظ ہیں۔

آثارِ قدیمہ کے جویا، صنادیدِ عالم کے متلاشی، عالمانِ طبقاتُ الارض، واقفانِ علم الاَلسِنہ اور محققانِ تاریخِ اقوام و ماہرینِ جغرافیۂ عالم کو جن باتوں کی تلاش و طلب ہوتی ہے وہ سب امور حج سے پورے ہو جاتے ہیں۔اسلام میں حج ۹ھ میں فرض ہوا۔اسی سال نبی ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو امیر الحاج بنایا اور تین سو صحابہؓ کو ان کے ہمراہ کیا تاکہ سب کو حج کرائیں۔

ان کے بعد علی مرتضیٰؓ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کریں۔ابو بکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور علی مرتضیٰؓ نے سورۂ برأت کی پہلی چالیس آیتوں کو مع ان احکام کے پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا۔۱اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔۲

حج نبویؐ

(۱۰ ہجری): اس سال نبی ﷺ نے حج کا ارادہ کیا اور جملہ اطراف میں اطلاع بھیج دی گئی کہ نبی ﷺ حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں۔اس اطلاع کے بعد انبوہ در انبوہ خلقت مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئی۔اس انبوہ میں ہر درجہ و ہر طبقہ کے شخص تھے۔ذی الحلیفہ میں نبی ﷺ نے احرام باندھا اور یہیں سے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ۔ کا ترانہ بلند کیا اور مکہ معظمہ کو احرام کے ساتھ روانہ ہو گئے۔اس مقدس کاروان کے ساتھ راستہ میں ہر ہر جگہ سے فوج در فوج لوگ شامل ہوتے

۱-دیکھو یسعیاہ ۳۵ باب ۸ درس۔وہ جو ناپاک ہے اس پر سے گزر نہ کرے۔وہ انھیں کے لیے ہے۔۲- صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ الثالثۃ لا یطوف بالبیت عریان۔[کتاب المغازی، باب ۶۳، ح ۴۱۰۵]

جاتے تھے۔۱ نبی کریم ﷺ کا راہ میں جب کسی ٹیلہ یا کریوہ۲ سے گزر ہوتا تھا، تین تین بار تکبیر بآواز بلند فرماتے تھے۔۳

جب مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ۴ میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے اور پھر بالائے مکہ سے ان سب قوموں اور انبوہ کو لے کر مکہ میں داخل ہوئے اور روزِ روشن میں کعبۃ اللہ کا طواف کر کے اللہ تعالیٰ کے جلال کو آشکارا فرمایا۵۔ زیارت کعبۃ اللہ سے فارغ ہو کر صفا اور مروہ کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے۔ ان کی چوٹیوں پر چڑھ کر اور کعبہ کی جانب رخ کر کے کلماتِ توحید و تکبیر پڑھے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

۱- **حجة الله البالغه**، ص ۲۵۳۔ ۲۔ [کریوہ، کے معنی بھی ٹیلہ ہی کے ہیں]۔ ۳- عن جابر بن عبداللہ، صحیح بخاری، کتاب الشہادۃ [کتاب الجہاد، باب ۱۳۱، حدیث ۲۸۳۳،] اب دیکھو یسعیاہ باب ۴۲، درس ۱۱۔ بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ ۴-اس وقت **انك بالواد المقدس طوٰى** کی شان اس قافلہ سالار پر نمودار تھی۔ ۵-اس موقع کے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب [باب ۶۰] میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ ۱-"اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا، ۲-دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر، لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ ۳-اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ ۴-اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر، وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں، وہ تجھ پاس آتے ہیں، تیرے بیٹے دُور سے آویں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جاویں گی۔ ۵-تب تو دیکھے گی اور روشن ہو گی، ہاں تیرا دل اُچھلے گا اور کشادہ ہوگا۔ کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہو گی۔ اُونٹ کثرت سے آ کے تجھے چھپا لیں گے۔ مدیان اور عیفہ کے جوان اُونٹ وہ سب جو سبا کے ہیں، وہ سونا اور لبان لادیں گے اور خداوند کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے"۔ [یسعیاہ ۱: ۶۰-۶] نبی ﷺ کا مکہ سے ہجرت فرما جانا، مکہ کے لیے داغ اور کعبہ کے لیے موجب حسرت تھا لیکن اب پورے جاہ و جلال کے ساتھ توحید خالص کا اظہار و استحکام اور اشاعت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہونا اور کعبہ کا طواف کرنا بے شک بیت اللہ کے لیے دوچند مسرت کا باعث ہے۔ اول تو بچھڑے ہوئے فرزندانِ دین کا ملنا، دوم دین حق کا باشوکت ہونا۔ واضح ہو کہ مدیان حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کا نام تھا جو قنورہ بی بی کے بطن سے تھے، اور عیفہ مدیان کے فرزند کا نام ہے۔ سبا بن یقسان بھی حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں (کتاب پیدایش، ۲۵ باب، ۱تا۴ درس)۔ یہ سب عرب میں آباد ہوئے اور اس حج میں وہ قبائل بھی حاضر ہوئے جن کے مورث اعلیٰ مدیان، عیفہ [اور] سبا ہیں۔ اس لیے پیش گوئی (جس میں صراحت سے پتہ و نشان دیا گیا تھا) بالکل پوری ہوئی۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ کے ترانے گائے۔۱

آٹھویں ذی الحجہ کو قیام گاہ مکہ سے روانہ ہو کر منیٰ ٹھہرے۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، صبح کی نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں۔ نویں ذی الحجہ کو آنحضرت ﷺ طلوع آفتاب کے بعد وادی نمرہ میں آ کر اترے۔ اس وادی کے ایک جانب عرفات اور دوسری جانب مزدلفہ ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں تشریف لائے۔ تمام میدان سرتاسر لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر ایک شخص تکبیر و تہلیل، تمجید و تقدیس میں مصروف تھا۔۲ اس وقت ایک لاکھ چوالیس ہزار (یا چوبیس ہزار) کا مجموع احکام الٰہی کی تعمیل کے لیے ہمہ تن حاضر تھا۔ نبی ﷺ نے پہاڑی پر چڑھ کر اور قصواپر سوار ہو کر خطبہ۳ ارشاد فرمایا۔

۱- حجۃ اللہ، ص ۲۵۵۔ [نیز مسلم، **کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، حدیث ۱۲۱۸] عربی کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور ستایش بھی اسی کے لیے شایاں ہے۔ وہ سب چیزوں کی قدرت رکھتا ہے۔ خدا جس کے سوا عبادت کا کوئی بھی شایاں نہیں، ایک ہے۔ اسی نے اپنے وعدہ کو پورا کیا، اسی نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی۔ اسی نے خود تمام فوجوں کو شکست دی۔'' ناظرین ان کلماتِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بھی ہے اور مادّہ پرست لوگوں کو نصرت الٰہی بھی بہ شکل مصور دکھائی گئی ہے۔ چند سال ہوئے یہی محمد ﷺ اسی مکہ میں اکیلا تھا۔ پھر اس کی دعوت پر ایک ایک، دو دو آدمی اس کے ساتھ ملتے گئے۔ وہ سب اسی کوہ صفا کے دامن اور ارقم صحابی کے گھر میں تختے بند کر کے جمع ہوا کرتے تھے۔ پھر کچھ اور زیادہ ہو گئے تو ملک نے ان کی مخالفت کی۔ کچھ حبش کو چلے گئے، کچھ رہ گئے، تو زندان خانوں میں ڈالے گئے۔ محمد ﷺ بھی تین سال تک محصور رہے۔ آخر مکہ مسلمانوں کے لیے ناقابل سکونت ثابت ہوا اور سب لوگ مکہ سے مدینہ چلے گئے۔ محمد ﷺ کا جانا رات کی تاریکی میں تھا۔ ایک رفیق کے سوا اس وقت کوئی بشر ساتھ نہ تھا۔ دشمنوں کو ان کے بچ جانے کا رنج ہوا۔ ان کے مامن اور قیام گاہ پر نو برس تک برابر حملے کرتے رہے۔ آخر سب تھک تھکا کر بیٹھ رہے۔ اب وہی محمد ﷺ ہے، وہی مکہ ہے، وہی عرب ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے توحید کے نعرے لگائے جاتے اور فتح و نصرت ربانی کے ترانے سنائے جاتے ہیں۔ شخص واحد کا ایسی عداوتوں، مخاصمتوں، جنگوں اور تزویروں کے بعد ایسی لاثانی کامیابی حاصل کرنا انجز وعدہٗ و نصر عبدہٗ ہی سے تفسیر ہو سکتا ہے۔ یسعیاہ میں ہے: سلع (مدینہ) کے بسنے والے لوگ ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے (۱۱:۴۲)۔ ۲- تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستایش کرو (یسعیاہ ۱:۴۲)۔ ۳- دیکھو مکاشفات یوحنا ۱۴:۱ ''مکاشفات کے متعلق یہ درس یاد رکھنا چاہیے، یسوع مسیح کا مکاشفہ

بقیہ حاشیہ جو خدا نے اسے دیا' تاکہ اپنے بندوں کو دے باتیں جن کا جلد ہونا ضرور ہے' دکھاوے۔''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکاشافات جو مسیح کے اس دنیا سے جانے کے بعد ہوئے' زمانہ مابعد مسیحؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

۱۴ باب

(الف) پھر جو میں نے نگاہ کی اور دیکھا کہ برہ سیہون پہاڑ پر کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار۔

شرح باب ہذا

(الف) برہ سے اصطلاح مکاشفات میں وہ گراں مایہ وجود مراد ہے جو بعد از رب سب سے برتر ہو۔ یہاں رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ سیہون سے مقدس پہاڑ مراد ہوتی ہے۔ یہاں پہاڑی سے عرفات کی پہاڑی مراد ہے۔ ایک لاکھ چوالیس ہزار کی تعداد صحابہ جو حج میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ احادیث میں مذکور ہے۔

(ب) جن کے ماتھوں پر اس کے باپ کا نام لکھا تھا۔

(ب) یہ درس ترجمہ ہے: سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا۔ [الفتح ۴۸:۲۹]

(ج) پھر میں نے آسمان سے ایک آواز سنی' جو بہت پانیوں کے شور اور بڑے گرجنے کی آواز کی مانند تھی اور میں نے بربط نوازوں کی آواز جو اپنی بربط بجاتے تھے' سنی۔

(ج) اس میں عام آوازہ تسبیح و تحمید کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ بنی اسرائیل بربط اور باجہ کے ساتھ اپنی دعائیں پڑھا کرتے تھے۔

(د) اور وہ تخت کے سامنے اور ان چاروں جان داروں اور بزرگوں کے آگے گویا نیا گیت گا رہے تھے۔

(د) نیا گیت سے زبان عربی مراد ہے جو اہل کتاب کے لیے نئی تھی۔ گویا گانے سے ظاہر ہے کہ گانا نہ ہوگا بلکہ تغنی و ترنم ہوگا۔

(ہ'و) اور کوئی ایک لاکھ چوالیس ہزار کے سوا جو زمین سے خریدے گئے تھے' اس گیت کو سیکھ نہ سکا۔

(ہ) رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس خطبہ کے سننے کا شرف ایک لاکھ ۴۴ ہزار ہی کو ملا تھا۔

(و) خریدے جانے کا ذکر قرآن مجید میں ہے: ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم [التوبۃ ۹:۱۱۱]

(ز) یہ وہ لوگ ہیں جو عورتوں کے ساتھ گندگی میں نہ پڑے کہ کنوارے ہیں

(ز) مومنین کی یہ صفت قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے: والذین ھم لفروجھم حافظون [المؤمنون ۲۳:۵]

(ح) یہ وہ ہیں جو برّے کے پیچھے جاتے ہیں یہاں کہیں وہ جاتا ہے۔

(ح) صحابہ کی یہ صفت قرآن مجید میں بایں الفاظ ہے: والذین معہ [الفتح ۴۸:۲۹]، نیز بالفاظ یتبعون النبی الامی [الاعراف ۷:۱۵۷]

(ط) یہ خدا اور برّے کے لیے پہلے پھل ہو کے آدمیوں سے مول لیے گئے ہیں۔

(ط) یہ صفت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار [التوبۃ ۹:۱۰۰] نیز بالفاظ حدیث اختارھم اللہ لرسولہ [مسند احمد ۳/۱۳۴]

(ی) اور ان کے منہ میں مکر پایا نہ گیا کیونکہ وہ خدا کے تخت کے آگے بے عیب ہیں۔

(ی) یہ صفت قرآن مجید میں بایں الفاظ بیان ہوئی: ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہِ اولئك الذین امتحن اللّٰہُ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم [الحجرات ۴۹:۳]

باب ششم

خطبہ حجۃ الوداع

۱- یاایھاالناس انّی لاارانی وایّاکم نجتمع فی ھذہ المجلس ابدًا۔[۱] لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

۲- ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرامٌ علیکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا۔ فی شھرکم ھٰذا۔ وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم۔ الا فلاترجعوا بعدی ضلالاً یضرب بعضکم رقاب بعض۔[۲] لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی اس شہر کی، اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

۳- الا کل شیئٍ من امر الجاھلیۃ تحت قدمیّ موضوعٌ ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وانّ اوّل دمٍ اضع من دمائنا دمُ ابن ربیعۃ بن الحارث کان مسترضعًا فی بنی سعد فقتلہ ھذیلٌ۔ ور باالجاھلیۃ موضوعۃ واوّل ربا اَضَعُ ربانا باعباس بن عبدالمطلب فانہٗ موضوعٌ کُلّہٗ۔ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا، میں چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

۱- معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۱۷ عن وابصہ رواہ ابن عساکر۔ ۲- عن ابی بکرۃ صحیح بخاری، باب حجۃ الوداع۔ [کتاب المغازی، باب ۷۳، حدیث ۴۱۴۴]

۴-فاتقوا اللہ فی النّسآء فانّکم لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے

اخذتموھن بامان اللہ واستحللتم رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان

فروجھن بکلمۃ اللہ ولکم علیھن کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے

الا یوطئن فرشکم احداً تکرھونہٗ ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔

فان فعلن ذٰلک فاضربوھن ضرباً تمھارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمھارے

غیر مبرّحٍ بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے)

نہ آنے دیں لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو

ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

ولھنّ علیکم رزقھنّ وکسوتھنّ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی

بالمعروف۔ طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

۵-وقد ترکت فیکم مالن تضلوا لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں

بعدہٗ ان اعتصمتم بہٖ کتاب اللہ۔ کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ

نہ ہوگے۔ وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

۶-ایھاالناس انہ لانبی بعدی ولاأُمۃ بعدکم الا فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شہرکم وادّوا زکاۃ اموالکم طیبۃ بھا انفسکم وتحجون بیت ربکم واطیعوا وُلاتِ امرکم تدخلوا جنّۃ ربکم۔۱ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوٰۃ نہایت دلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیائے امور واحکام کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہوگے۔

۷-وانتم تسئلون عنّی۔ فما انتم قائلون؟ قالوا نشھد انک، قد بلغت، وادّیت، ونصحت، فقال باصبعہ السبابۃ یرفعھا الی السماء وینکتھا الی الناس، اللّٰھمّ اشھد، اللّٰھمّ اشھد، اللّٰھمّ اشھد ثلاث مرّاتٍ۔۲ لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دوگے؟ سب نے کہا: ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ: آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیے۔ آپ نے رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا۔ (اس وقت) نبی ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو اُٹھایا۔ آسمان کی طرف اُنگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے۔ (فرماتے تھے) اے خدا سن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے خدا گواہ رہنا (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں) اے خدا شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کر رہے ہیں۔)

۱- معدن الاعمال حدیث نمبر ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، عن ابی امامہ، راوی ابن جریر وابن عساکر۔ ۲- عن امام جعفر صادق، عن امام محمد باقر بروایت جابر بن عبداللہ الثالثۃ۔ صحیح مسلم باب حجۃ النبی ﷺ۔ [کتاب الحج، باب ۱۹، حدیث ۱۲۱۸]

۸- الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعلّ بعض من یبلغہ ان یکون اوعٰی لہ من بعض من سمعہٗ۔[1] دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو، جو موجود نہیں ہیں اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

ناظرین! اس خطبۂ نبویؐ کو پڑھیں، غور سے پڑھیں۔ ذرا تفکر و تدبر سے پڑھیں کہ

۱- آنحضرت ﷺ نے کیوں کر اپنے الوداعی خطبہ میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور کیوں کر قرآن مجید پر عمل کرنے والے کے لیے یہ حتمی وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔

۲- کیوں کر مسلمانوں کے باہمی حقوق جان و مال و عزت کو محفوظ فرمایا ہے۔

۳- کیوں کر بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔

۴- کیوں کر اپنی ذات مبارکہ کے متعلق اپنے عمر بھر کے کارناموں کے متعلق ہمارے باپ داداؤں سے گویا مہریں کرالی ہیں۔

۵- کیوں کر ہر ایک مسلمان کو تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا ذمہ دار و جواب دہ قرار دیا ہے۔

یہی وہ اصول و احکام ہیں جن پر عمل کرنا مسلمانوں کو دنیا اور دین میں سربلند کر سکتا ہے اور جن کا ترکِ عمل انھیں خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتا ہے۔

۱- عن ابی بکرۃ صحیح بخاری، باب حجۃ الوداع۔[کتاب المغازی، باب ۷۳، حدیث ۴۱۴۴]

نبی کریم ﷺ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ اس آیت کا نزول ہوا:۱

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [المائدہ ۵:۳] آج ۲ میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمھارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے۔

۱- صحیح بخاری عن عمر بن الخطابؓ [کتاب الایمان، باب ۳۲، حدیث ۴۵] اب پڑھو'

مکاشفات ۱۴ باب' جس کے ایک سے پانچ درس تک پچھلے صفحات پر درج ہیں۔ چھٹا درس اب درج کیا جاتا ہے۔ ۶- ''اور میں نے ایک اور فرشتہ کو انجیل ابدی لیے ہوئے دیکھا کہ آسمان کے بیچوں بیچ اڑ رہا تھا تا کہ زمین کے رہنے والوں اور سب قوموں اور فرقوں اور اہل زبان اور لوگوں کو خوشخبری سنائے''۔ پادری ڈبلیو ہوپر صاحب ایم اے نے جنھوں نے طالبان علم الٰہیات وافادہ عامہ کلیسا کے لیے تفسیر مکاشفات لکھی ہے اور کرسچن نالج سوسائٹی پنجاب نے ۱۸۸۵ء میں اسے چھپوایا ہے اس درس کے تحت میں صفحہ ۱۴۰ پر لکھا ہے: عیسائیوں کا ایک فرقہ جو فرنسسکی کے نام سے موسوم ہے' اس درس سے ایک ابدی انجیل کی پیش گوئی نکالتا تھا۔ (وہ فرقہ کہتا ہے) کہ یہ انجیل جواب ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس ابدی انجیل کے سامنے عہدِ عتیق کی طرح منسوخ ہو جائے گی اور اس انجیل سے بہتر ایک انجیل نکلے گی جس کا نام ابدی انجیل ہو گا۔ وہ لوگ لفظ ابدی پر زیادہ زور دیتے تھے ان کا معلم نیو یا قیم تھا۔ ہوپر صاحب کی رائے کے اندراج کا صرف یہ مطلب ہے کہ عیسائیوں نے انجیل ابدی کے لفظ سے کسی دوسری کتاب کا نازل ہونا سمجھا ہے۔ الحمدللہ! وہ قرآن مجید ہے اور چونکہ آیت اکملت یوم الحجہ کو نازل ہوئی تھی اس لیے یوحنا حواری نے میدان حج کے مکاشفہ ہی کے وقت اس ابدی انجیل کو دیکھا۔

آسمانوں کے بیچوں بیچ فرشتہ کے اڑنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم ان تمام ملکوں میں جو منطقۃ البروج کے سیدھے خطوط کے تحت میں واقع ہوں گے یعنی دنیا کے آباد اور متمدن ملک ان میں قرآن مجید کی منادی جلد پہنچ جائے گی اور جو ممالک قطبین کے قریب ہیں' ان میں منادی دیر میں پہنچے گی۔ ۲- لفظ 'آج' نبی ﷺ کے زمانۂ نبوت کی جانب ہی اشارہ نہیں کر رہا بلکہ اس کا اشارہ ہزاروں سال پیشتر کے زمانہ کی جانب ہے۔ اس آج کا مطلب سمجھنے کے لیے عہدِ عتیق و عہدِ جدید کی کتابوں کو ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت موسیٰؑ کی پانچویں کتاب استثنا ہے' آخری اس کا باب تینتیسواں ہے۔ وہ اس طرح شروع ہوتا ہے: ۱- ''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ ۲- ''اور اس نے کہا کہ خداوند سیناسے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ پر ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' عیسائی علما کا بھی اتفاق ہے کہ یہ آیندہ کے لیے پیش گوئی ہے اور مسلمان بھی یہی تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ موسیٰؑ اپنے بعد کے آنے والوں کو منتظر و شائق بنا کر دنیا سے سدھار جاتے ہیں۔ عہد عتیق کی آخری کتاب ملاکی نبی کی کتاب ہے جو حضرت موسیٰؑ سے ۱۰۵۴ سال بعد ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ ۲۷۵)اس کتاب کے آخری باب کا شروع اس طرح ہوتا ہے: ''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا۔ہاں، عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا۔دیکھو وہ یقیناً آوے گا۔رب الافواج فرماتا ہے۔۔۔۔(ملاکی باب ۳)اس سے معلوم ہوا کہ عہدِ عتیق کی آخری کتاب بھی ہم کو منتظر بنا کر ختم ہو جاتی ہے۔اب عہد نامہ جدید شروع ہوتا ہے جسے انجیل بھی کہتے ہیں۔انجیل کو دیکھو، حضرت مسیحؑ نے اپنے سب سے آخری وعظ میں (جس کے بعد اپنی اُمت کو انھوں نے کوئی وعظ نہیں سنایا) یہ الفاظ بیان کیے تھے: ۱۲-''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے''۔ ۱۳-لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ وہ سنے گا، سو کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبریں دے گا۔۱۴-وہ میری بزرگی کرے گا۔(دیکھو انجیل یوحنا ۱۶ باب)ان حوالہ جات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ تورات و انجیل ہم کو کل دنیا سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتی ہیں اور صرف قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو اس انتظار کا خاتمہ کر دیتا اور آخری شاہی فرمان ''الیوم اکملت لکم'' کا اعلان کرتا ہے، آج کا لفظ ہزاروں سال کے منتظرین کو بشارت سناتا اور تکمیل کی خوشخبری سے مسرور بناتا ہے۔عالمانِ طبقات الارض و فاضلانِ سائنس جب آفرینش عالم کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ موجودہ عالم، موجودہ حالت پر ہزاروں تغیرات کے بعد اور ہزاروں سال کے بعد پہنچا ہے۔گویا عالم کی جو موجودہ حالت ایسی مکمل معلوم ہوتی ہے کہ اس سے برتر و بہتر کا کوئی نقشہ بھی ہمارے وہم و خیال، تصور و گمان میں نہیں آ سکتا، یہ ہزاروں سال کی [ترتیب] و تہذیب کا نتیجہ ہے۔پس اسی طرح ہم نہایت وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا لفظ 'الیوم' (آج) بھی یہی بتا رہا ہے کہ انسانی نسل کے لیے پسندیدہ ترین مذہب کی یہ مکمل صورت بھی سینکڑوں مختص المقام اور مختص الاقوام شریفوں اور مختص الاحوال حکموں کے بعد ہزاروں سال گزر جانے پر جلوہ آرا ہوئی ہے اور اب اس کا حق ہے کہ وہ سب جگہ اور ہر ایک قوم ہر ایک نسل، ہر ایک ملک میں، ہر ایک شخص کو ابدی بشارت پہنچائے۔ارحم الراحمین کے رحم اور رحمانیت اور غفور الودود کی غفران و محبت کی خوشخبری ہر ایک شکستہ دل، گنہگار اور عاصی تباہ کار کو سنائے۔سب کے لیے سلامتی اور برکت کے دروازے کھول دے۔سب کے لیے ابدی سرور، رضوانِ ربانی کا نزول مہیا کرے اور ان اسباب کے فراہم ہو جانے پر اعلان کر دے کہ آج مذہب کی تکمیل ہو گئی۔آج نعمت الٰہی کے بھرپور خزانے فرزندانِ آدم کے حوالے کر دیے گئے۔ناظرین! میں حضرت مسیحؑ کی مندرجہ بالا پیش گوئی [کذا] کے متعلق بھی اس جگہ کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔اس پیش گوئی کی بابت میں نے کئی فاضل پادری صاحبان سے گفتگو کی۔ان میں سے جو صاحب

علی مرتضیٰؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ذبح کیے۔ یہ قربانی منٰی پر کی گئی تھی

(بقیہ حاشیہ ۲۷۶)اس پیش گوئی کو ہمارے نبی ﷺ کی بابت تسلیم نہیں کرتے' وہ کہتے ہیں کہ اس پیش گوئی کا ظہور مسیح کے ۱۲حواریوں پر پینتی کست کے دن جس کا ذکر اعمال کے دوسرے باب میں ہے' ہوا تھا۔اس روز روح القدس حواریوں پر اُتری تھی وہ مختلف بولیاں بولنے لگ گئے تھے۔ ہر ایک کے سر پر آگ کے زبانے چمکتے ہوئے سب کو نظر آتے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ پینتی کست کے دن جو کچھ ہوا' اسے سینٹ پطرس ہم تم سے پہلے بیان کر چکا ہے۔ ٹھیک اسی وقت جب روح القدس سب حواریوں پر اور پطرس پر موجود تھی' اعمال کے ۲ باب ۱۴'۱۵'۱۶ درس پڑھو: ۱۴-تب پطرس نے ان گیارہوں کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی آواز بلند کی اور ان سے کہا: اے یہودی مردو! اور یروشلم کے سب رہنے والو! یہ جانو اور کان سے میری باتیں سنو۔ ۱۵-کہ یہ جیسا کہ تم سمجھتے ہو' نشے میں نہیں کیونکہ ابھی پہرون آیا ہے۔ ۱۶-بلکہ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا''۔ پس جب سینٹ پطرس روح القدس کی مدد سے بتا چکا کہ پینتی کست کا تعلق یوایل (یونہ بونس نبی کی پیش گوئی) سے ہے اور مسیحؑ کی پیش گوئی سے نہیں تو اب کسی پادری کا حق نہیں رہا کہ اسے مسیحؑ کی پیش گوئی سے متعلق بنائے۔ یہ دلیل تو زبردست بیرونی شہادت تھی۔ اب اندرونی شہادت بھی جو خود مسیح کے الفاظ سے ملتی ہے' پیش کی جاتی ہے۔ ۱-انجیل یوحنا ۱۶ باب کے ۱۳ درس کا مطلب یہ ہے کہ جو باتیں مسیحؑ نے نہیں بتائی تھیں آنے والا روحِ حق وہ باتیں بتائے گا مگر پینتی کست کے دن حواریوں پر کوئی نئی تعلیم ظاہر نہیں ہوئی۔ ۲-درس ۱۳ میں ہے کہ روحِ حق آئندہ کی خبریں دے گا مگر پینتی کست کے دن حواریوں پر کوئی نئی تعلیم ظاہر نہیں ہوئی۔ ۳-درس ۱۳ میں ہے کہ روحِ حق آئندہ کی خبریں دے گا مگر پینتی کست کے دن نہ روح القدس اور نہ حواری نے کوئی پیش گوئی کی۔ ۴-درس ۱۴ میں ہے کہ روحِ حق مسیحؑ کی بزرگی کرے گا پینتی کست کے دن روح نے مسیحؑ کی بابت ایک حرف بھی نہیں کہا۔ صاف یہ ہے کہ مسیحؑ کی پیش گوئی ہمارے نبی ﷺ کے متعلق واضح اور روشن ہے اور اس کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے: اول: مسیحؑ نے [یوحنا، باب ۱۶] درس ۱۲ میں فرمایا ہے: ''میری اور باتیں ہیں کہ میں کہوں۔ پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔'' ایسی باتیں جو مسیحؑ نے بیان نہیں کیں اور نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہیں بے شمار ہیں۔ یہ باتیں زیادہ تر احسانیات کے متعلق ہیں۔ یعنی **تفکر فی ذات اللہ' تفکر فی صفات اللہ' تفکر فی افعال اللہ' تفکر فی ایام اللہ' تفکر فی الموت ومابعدہ' توحید فی العبادۃ' توحید فی الاستعانت' تنزیھہ الحق' تقدیس رب' صدیقیت محدثیت شھادت' فناعن النفس' بقابالحق وغیرہ۔ ان کے بعد احوال قبر' احوال حشر'** ابواب نجات ہیں۔ ان کے بعد ابواب مصالح اور ابواب ارتفاقات ہیں وغیرہ۔ انجیل میں ان کی بابت یا تو بیان ہی نہیں ہوا ہے یا کسی قدر بیان ہے تو تمثیل اور تشبیہ کے نقاب میں روپوش۔

جوابراہیمؑ کے وقت سے قربان گاہ چلی آتی تھی۔ قربانی سے فارغ ہو کر نبی ﷺ

(بقیہ حاشیہ ۲۷۷)دوم: مسیحؑ نے [یوحنا باب ۱۶] درس ۳ میں فرمایا ہے: ''وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گا''۔ اسی کے موافق قرآن مجید میں ہے۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ [الزمر ۳۳:۳۹] محمدؐ وہ ہے جو ساری سچائی لے کر آیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [البقرۃ ۱۲۹:۲] (محمدؐ دنیا کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے) یہ ظاہر ہے کہ جو معلم شریعت و حکمت دین اور دانش کی مکمل تعلیم دیتا ہو، ساری صداقت اور کامل سچائی اسی کے پاس ہو گی۔ مسیحؑ نے اسی درس میں فرمایا ہے: ''وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ وہ سنے گا سو کہے گا''۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں بھی نبی ﷺ کی توصیف انھی الفاظ سے فرمائی ہے: وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۳) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (۴) عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى (۵) [النجم ۵۳:۳-۵] محمدؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا جو کچھ وہ سناتا ہے، یہ تو وحی ہے جو اس کے پاس بھیجی گئی اور کامل طاقتوں والے نے اسے سکھائی۔

سوم: مسیحؑ نے [یوحنا، باب ۱۶] درس ۱۴ میں کہا ہے: ''وہ میری بزرگی کرے گا۔'' چنانچہ قرآن مجید اور احادیث پاک کی سب کتابیں ان الفاظ سے مملو ہیں جو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے مسیحؑ کی بزرگی کی بابت نکلے۔ بہت سے یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں آتے تھے جو کہتے تھے کہ ہم لوگ آپ پر ایمان لانے کو تیار ہیں مگر ہم مسیحؑ کو سچا نہیں مان سکتے۔ آنحضرت ﷺ صاف فرما دیتے تھے کہ جو کوئی مسیحؑ پر ایمان نہیں لاتا وہ مجھ پر بھی ایمان نہیں لاتا۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ہر ایک مسلمان مسیحؑ کی بزرگی اور عظمت کا دل سے قائل ہے، ان پر ایمان رکھتا ہے {ان کو پانچ اولوالعزم رسولوں میں سے ایک جانتا ہے۔ اس طرح ۶۰ کروڑ مسلمان دنیا پر مسیح کی شہادت ہر وقت ادا کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام سے پہلے عیسائیوں کے پاس ایک بھی بیرونی گواہ موجود نہ تھا اور اب بھی مسلمانوں کے سوا کوئی ان کی شہادت نہیں دیتا، جس سے مریم صدیقہ کی پاکیزگی، مسیحؑ کی ولادت فوق از عادت اور مسیحؑ کے معجزات کی تائید ہوتی ہو۔ عیسائی صاحبان غور کریں کہ ''یہ میری بزرگی کرے گا'' کا ظہور اس سے بڑھ کر اور کیا متصور ہو سکتا ہے۔ ہاں! [باب ۱۶] درس ۱۳ کا ایک فقرہ رہ گیا۔ مسیحؑ نے بتایا کہ وہ تمھیں آیندہ کی خبر دے گا۔ جن عیسائی عالموں نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ نہیں کیا وہ کہا کرتے ہیں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ نے کوئی پیش گوئی نہیں کی۔ جب میں یہ بات ان میں سے کسی کے منہ سے سنتا ہوں تو اول مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس کی معلومات ہماری کتابوں کی بابت کس قدر کم ہیں۔ دوم تعجب ہوتا ہے کہ جب انھیں خبر نہیں تو پھر ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت وہ کیوں کرتے ہیں۔ اگر میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں پر اس جگہ مفصل لکھنے لگوں تو بجائے خود ایک کتاب بن جائے۔ اس لیے میں ان شاءاللہ تعالیٰ اس کی بابت کبھی علیحدہ لکھوں گا۔ اس جگہ مختصر طور پر ذکر کرنا اس لیے ضروری ہے کہ درس ۱۳ کی تشریح اور حضرت مسیحؑ کے قول کی تصدیق ہو جائے۔

بیت اللہ میں آئے اور طوافِ افاضہ ادا کیا۔ قربانی اور طواف میں سب

(بقیہ حاشیہ ۲۷۸) پہلی پیشگوئی: اہل مکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے ملیامیٹ کرنے میں ہر ایک ممکن کوشش پورے زور سے کی تھی۔ ان کی عداوت ایسی سخت اور مسلسل تھی کہ کوئی وجہ ایسا قیاس کرنے کی نہ پائی جاتی تھی کہ یہی لوگ ایک دن اسلام کے خادم، مسلمانوں کے بھائی، نبی ﷺ کے فدائی ہو جائیں گے۔ لیکن قرآن مجید نے پہلے سے پیش گوئی کر دی تھی: وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (۸۸) [ص ۳۸:۸۸] "وہ اسلام کی صداقت کو کچھ عرصہ کے بعد جان لیں گے"۔ اس پیش گوئی کا ظہور آنحضرت ﷺ کی مبارک زندگی ہی میں ہو گیا اور سب اہل مکہ مسلمان ہو گئے تھے جن میں خالد بن ولید جیسے بھی تھے جو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوا تھا۔ اور عمرو بن العاص جیسے بھی تھے جو مسلمانوں کو قید کرانے کے لیے شاہِ حبش کے پاس گیا تھا۔ اور عثمان بن ابو طلحہ جیسے بھی جو نبی ﷺ کو عبادت کے لیے کعبہ کے اندر گھسنے نہ دیتا تھا وغیرہ۔ دوسری پیشگوئی: عرب کے تمام قبائل اور جملہ اہل مذاہب نے اسلام کو جھٹلانے پر اتفاق کر لیا تھا۔ بت پرست مجوس صابی، عیسائی، یہودی، ملحد، اگرچہ آپس میں سخت اختلاف رکھتے تھے تاہم وہ سب نبی ﷺ کے جھٹلانے، اسلام کو پامال کرنے پر متفق تھے۔ کوئی علامت ایسی نہ تھی کہ ایسے مختلف دعاوی، مختلف خواہشات والے کیونکر اسلام کی صداقت ماننے والے بن جائیں گے۔ مگر قرآن مجید نے یہ پیش گوئی کر دی تھی۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ [حم السجدۃ ۵۳:۴۱] "ہم ان کو جلدی ہی اپنے نشانات ان کے گرد و پیش اور خود ان کے اندر بھی ایسے دکھائیں گے کہ ان پر یہ بات بخوبی روشن ہو جائے گی کہ اسلام سچا ہے"۔ یہ پیش گوئی اپنی پوری طاقت سے ظہور میں آئی اور نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں عرب کے ہر ایک مذہب ہر ایک قبیلہ نے اسلام کی سچائی کو سمجھا، جانا اور اس پر ایمان لایا۔ تیسری پیشگوئی: ایرانی سلطنت، رومی سلطنت کے ساتھ جنگ کر رہی تھی، رومیوں کو شکست ہوئی۔ ایرانی آتش پرست تھے۔ رومی اہل کتاب عیسائی تھے۔ ایرانیوں سے بت پرستان مکّہ کو اور رومیوں سے مسلمانوں کو طبعاً فطرتاً ہمدردی تھی۔ جب عیسائی سلطنت کو شکست ہوئی تو مکہ کے بت پرست خوب اُچھلے کودے اور اپنے لیے بھی فال لینے لگے کہ ہم بھی مسلمانوں پر اسی طرح غالب ہو جائیں گے۔ مسلمان نہایت دل شکستہ ہوئے۔ قرآن پاک نے پیش گوئی کی: غُلِبَتِ الرُّوْمُ (۲) فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (۳) فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ہیں [الروم ۳۰:۲-۴] عیسائی اپنے ملک کی سرحد پر مغلوب ہو گئے ہیں مگر وہ چند سال کے اندر اپنے دشمنوں پر غالب آ جائیں گے"۔ جہاں تک انسانی عقل و تجربہ کا دخل تھا، جہاں تک موجودہ قرائن سے نتیجہ نکالا جا سکتا تھا۔ [اس] پیش گوئی کا کسی کو یقین نہ آتا تھا۔ کیونکہ عیسائیوں کو ایسی شکست ملی تھی کہ چند سال تک تو وہ پنپ بھی نہ سکتے

نے آنحضرت ﷺ کی اقتدا کی۔ ہزاروں اُونٹ، مینڈھے، برّے،

(بقیہ حاشیہ ۲۷۹) تھے۔ ابی بن خلف نے نہایت شوخی سے قرآن کو جھٹلانے کے لیے اشتہار دیا کہ اگر پیش گوئی سچی نکلی تو میں ۳۰۰ شتر ہار جاؤں گا۔ ابو بکر صدیقؓ نے اظہارِ صداقت دین کے لیے اس سے شرط لگائی۔ نزولِ آیت سے آٹھویں سال ٹھیک وہی ہوا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ ابو بکر صدیقؓ نے شرط جیت لی۔ یہ وہ پیش گوئی ہے جس کی تائید قسطنطنیہ اور ایران کی تاریخوں سے بھی ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ زبان عرب میں لفظ بضع اکائیوں پر بولا جاتا ہے، ایک سے نو تک شمار اس میں شامل ہوتا ہے۔ چوتھی پیش گوئی: نبوت کا ابتدائی عہد تھا۔ وحی کا آغاز ہو کر وقفہ پڑ گیا تھا۔ کافروں نے نبی ﷺ کے چڑانے کھجانے کے لیے کہنا شروع کر دیا کہ محمدؐ کا خدا روٹھ گیا۔ محمدؐ کو اس نے چھوڑ دیا۔ اس واقعہ پر خدا کا جو کلام نبیؐ کی تسکین کے لیے اُترا اس میں ایک پیش گوئی بھی کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى [الضحیٰ ۹۳:۴] ''آپ کا پچھلا زمانہ پہلے سے بہتر و اعلیٰ ہوگا۔'' وحی کے متعلق اس پیش گوئی کا ظہور دیکھو۔ وہ مدنی سورتیں ہیں جن میں البقرہ، آل عمران، مائدہ، انعام بھی ہیں جو بلحاظ احکام و اسرار و افضال و تفضیل ان سورتوں پر فوقیت رکھتی ہیں جو مکی ہیں، جن میں صرف عقائد یا اجمالی احکام ہیں۔ آیت کا مقتضیٰ ہے کہ آنحضرت ﷺ دم بدم ترقی کرتے رہیں گے اور آپ کی کامیابی کا ظہور (مسلسل) ہوتا رہے گا۔ چنانچہ آں حضرت ﷺ کی تمام زندگی اس پیش گوئی کی مصداق اور مصدق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی زندگی کی بابت ایسی صریح پیش گوئی دشمنوں کے سامنے معارضہ و مقابلہ کے وقت نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ موید من اللہ نہ ہو۔ چونکہ لفظ آخرت اس آیندہ زندگی کی نسبت بھی بولا جاتا ہے جس کا آغاز یوم الحساب سے ہوگا، اس لیے مسلمانوں کا ایمان اس پیش گوئی کی نسبت اسی آیت کے تمسک سے یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی افضلیت و شرف کا پورا ظہور اُس عالم میں جملہ اہل عالم پر ہوگا۔ اور چونکہ دنیاوی زندگی میں اس پیش گوئی کی صداقت کا ظہور لحظہ بہ لحظہ ہوتا رہا ہے، اس لیے مسلمانوں کا مندرجہ بالا اعتقاد ایک صحیح و مضبوط بنیاد پر ہے۔ پانچویں پیش گوئی: آنحضرت ﷺ کے فرزند کا انتقال ہو گیا تھا۔ دشمن خوشیاں منانے لگے کہ اب محمد ﷺ کا نام لیوا بھی نہ رہا۔ قرآن مجید نے اس بارے میں پیش گوئی فرمائی: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ [الکوثر ۱۰۸:۱] نیز فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ [الکوثر ۱۰۸:۳] کوثر لفظ کثرت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس میں وہ جملہ عطیات و انعامات ظاہری و باطنی بھی شامل ہیں جو نبی ﷺ کو ملے تھے یا جنت میں ملیں گے (جن میں ایک حوضِ کوثر بھی ہے)۔ نیز اُمت محمدیہؐ کی وہ عظیم الشان تعداد بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے جو دن میں بیسیوں بار نبی ﷺ کے نام پر برکت بھیجتی، آپ کی صداقت کی شہادت دیتی، حضور ﷺ کے نام نامی و اسم گرامی کی دنیا میں اشاعت کرتی ہے اور دنیا کا کوئی براعظم، کوئی ملک کوئی صوبہ مسلمانوں سے خالی نہیں۔ اس کے بالمقابل ان دشمنانِ خدا

(بقیہ حاشیہ ۲۸۰)کا نام ایسا ملیامیٹ ہوا کہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ پیش گوئی آج بھی پوری صداقت کے ساتھ دنیا کے سامنے اپنا نور پھیلا رہی ہے۔ چھٹی پیش گوئی: مسلمان مکہ سے باہر نکالے جاتے تھے۔ وہ بے خانماں و بے ساز و سامان تھے۔ تمام ملک دشمن تھا اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ لوگ جلد دنیا سے فنا ہو جائیں گے۔ اس وقت قرآن مجید نے بطور پیش گوئی اعلان کیا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔[النور ۵۵:۴۷] ''خدا تم میں سے ایمان والوں' نیک عمل والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ انھیں الارض کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ خدا نے تم سے پہلے لوگوں کو وہاں کا خلیفہ بنایا۔'' مسلمانوں سے پہلے [جو] قوم خدا کی برگزیدہ قوم کہلاتی تھی' وہ بنی اسرائیل ہیں' الارض وہ وعدہ کی زمین ہے جس کی بابت ابراہیمؑ' اسحاقؑ' یعقوبؑ' موسیٰؑ و داؤدؑ ○ کے ساتھ خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ابد تک فرزندانِ ابراہیمؑ کو دی گئی ہے (کتاب پیدایش ۱۷:۲۴)۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد اس وعدہ کا ظہور بنی اسرائیل کے ساتھ ہوتا رہا۔ ہزاروں سال تک وہی اس زمین کے مالک و حاکم رہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں بتایا کہ اب وہ وعدہ ابراہیمؑ کی دوسری شاخ یعنی مسلمانوں کے ساتھ پورا کیا جائے گا۔ اس پیش گوئی نے ہزاروں سال کی ہسٹری کو بدل دیا اور شام کا ملک ابو بکرؓ و عمرؓ کی خلافت میں (جن کی خلافت کا اس آیت میں ذکر و وعدہ ہوا ہے) مسلمانوں کو مل گیا۔ آج تیرہ سو برس کی تاریخ اس پیش گوئی کی صداقت کو تسلیم کر رہی ہے اور ہر ایک انکار کرنے والے کے لیے ایک بین و روشن علامت موجود ہے کہ شام کا ملک کس کے پاس ہے اور خدائے زمین و زمان اپنا ابدی و حتمی وعدہ اب کس قوم کے ساتھ پورا کر رہا ہے۔ ساتویں پیش گوئی: مخالفین مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں سے جن قبائل کے معاہدے تھے وہ مخالفین کی تعداد و طاقت کثرت و شوکت دیکھ کر مسلمانوں کی مدد کرنے سے ہٹ بیٹھے تھے۔ رب کریم نے نصرتِ غیبی سے مسلمانوں کو دشمنوں کے حملہ سے بچایا۔ تب معاہد قومیں نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں اور تقصیر خدمات کی معافی کی درخواست پیش کی۔ ان کے لیے قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا: سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ''[الفتح ۴۸:۱۶] ''اچھا تمھیں آیندہ ایک اور زیادہ طاقتور قوم کے مقابلہ کے وقت بلایا جائے گا۔ ان سے جنگ ہو گی یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔'' اگر تم اس وقت مدد دو گے تو یہ قصور معاف ہو جائے گا)۔ نبی ﷺ کی مبارک زندگی کے بعد سلطنت ایران' جنوبی عرب پر' اور سلطنت قسطنطنیہ شمالی عرب پر اپنی سابقہ حکومت کو بحال کرنے کی تدابیر اختیار کرنے لگی تھیں۔ خلیفہ رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیقؓ نے اپنی قیام و حفاظت کے لیے ان طاقتوں کو کمزور کر دینا ضروری سمجھا۔ اس لیے پہلے سلطنت قسطنطنیہ کے ساتھ عراق و شام میں اور پھر سلطنت ایران کے ساتھ فارس و خراسان میں نبرد آزمائی و جنگ جوئی کی نوبت آئی۔ ان لڑائیوں میں عرب کی وہ سب قومیں جو پہلے مخالفین کا نام پا چکی تھیں اور جن کی تقصیر خدمت کی معافی کو قرآن نے آیندہ امداد پر موقوف رکھا تھا' شامل ہوئی تھیں۔ اس آیت کے ساتھ اب یہ آیت بھی پڑھ لینی چاہیے

(بقیہ حاشیہ ۲۸۱): وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۲۰) وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔[الفتح ۴۸:۲۰-۲۱] خدا نے تم مسلمانوں کے ساتھ بڑی بڑی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے' ان میں سے یہ تو پہلی غنیمت ہے جو جلدی سے مل گئی ہے۔(پھر فرمایا:) اس کے سوا اور غنیمتیں ہیں جن کے حاصل کرنے کی تم میں قدرت نہیں۔ مگر خدا نے ان پر احاطہ کر لیا ہے''۔ ممالک بالا میں مسلمانوں کو فتوحاتِ عظیمہ حاصل ہوئیں۔ قرآن کی پیش گوئی بچند وجوہ پوری ہوئی۔(۱) مقصرین خدمت کو فی الواقع آزمایش کا دوسرا موقع ملا۔(۲) مسلمانوں کا جن سلطنتوں سے پالا پڑا فی الحقیقت وہ بڑی مہیب وزبردست تھیں۔(۳) اس مقابلہ کا انجام وہی نکلا جو قرآن مجید نے بتایا تھا۔ جو سامنے لڑے وہ تباہ ہوئے اور مسلمانوں کو فتوحاتِ عظیمہ ومغانم کثیرہ ملے۔ جو محبت سے ملے وہ تحقیق سے مسلمان ہو گئے۔ اس پیش گوئی کی صداقت کو عرب' شام' ایران' خراسان کی تاریخیں پیش کر رہی ہیں۔ اگر کوئی چاہے تو ممالک مصر' افریقہ' نوبہ' اندلس کو بھی اسی ذیل میں شامل کر لے۔ اب بطور نمونہ کتب احادیث کی پیش گوئیوں میں سے بھی ایک پیش گوئی کا اندراج کرتا ہوں۔ ناظرین کو یہ یاد رہے کہ ہمارے عیسائی بھائی احادیث کے حوالے منظور نہیں کیا کرتے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ کتابیں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ کاش! وہ مسلمانوں ہی کے طرزِ عمل سے سبق سیکھیں کہ ہم کیوں کر اناجیل اربعہ کے حوالہ جات کو سنتے' مانتے اور خود استعمال کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ عیسائی ان کو معتبر سمجھتے ہیں ورنہ عیسائی کتابوں میں بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ سب کتابیں مسیح u سے بہت عرصہ بعد مکمل کی گئی ہیں اور عیسائی علما کے نزدیک ان کے مصنفین' زمانہ تصنیف اور بعض عبارتوں کے متعلق بہت کچھ اختلاف وشک' نیز قابل رفع تناقض موجود ہے۔ خیر میں اب حدیث درج کرتا ہوں: عن المستورد القرشی انہ قال عند عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: تقوم الساعۃ والرّوم اکثر النّاس فقال لہٗ عمرو ابصر ما تقول۔ قال: اقول ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال: لئن قلت ذٰلک انّ فیھم لخصالًا اربعًا انھم لاحلم الناس عند فتنۃ واسرعھم افاقۃ بعد مصیبۃٍ واوشکھم کرۃ بعد فرقۃٍ وخیرھم لمسکین ویتیم وضعیف وخامسۃ حسنۃ جمیلۃ وامنعھم من ظلم الملوک۔[مسلم، کتاب الفتن، باب ۱۰، حدیث ۲۸۹۸] ''مستورد قریشی نے عمرو بن العاص (المتوفی ۴۳ھ) کے روبرو کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی غالب ہوں گے۔ عمرو نے کہا: دیکھا کیا کہتا ہے! کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔ عمرو نے کہا: تب تو ٹھیک ہے۔ بے شک ان میں چار خصلتیں ہیں: (۱) وہ مصیبت کے وقت نہایت بردبار ہیں (۲) مصیبت کے بعد بہت جلد ہوشیار ہو جاتے ہیں (۳) بھاگنے کے بعد سب سے پہلے پھر حملہ کرتے ہیں۔ (۴) مسکین ویتیم وضعیف کے لیے سب لوگوں سے بہتر ہیں۔ ایک پانچویں صفت اور ہے جو عمدہ ہے۔ وہ بادشاہوں کے ظلم کو سب لوگوں سے بڑھ کر روکتے ہیں''۔

بھیڑیں قربانی کی گئیں۔!

(بقیہ حاشیہ ۲۸۲)واضح ہو کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔امام مسلم کا رجب ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔اس لیے ہر ایک مخالف کو اس قدر تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ پیش گوئی مسلمانوں میں تیسری صدی کے اندر پھیل چکی تھی۔یہ وہ زمانہ تھا جب کل دنیا پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔علم و حکمت، زور و طاقت، تمدن و سیاست میں مسلمان سب سے فائق تر تھے، اس وقت یہ کہنا کہ یہ تمام برتری و بزرگی خاک میں مل جائے گی اور دنیا میں یورپین عیسائی قوموں کی حکومت ہو جائے گی، بالکل عقل و فکر سے باہر تھا اور مسلمانوں کے لیے فال بد بھی تھا۔مگر امام مسلم نے اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔کیونکہ ان کو صحیح طور پر معلوم ہو گیا کہ ضرور یہ ارشاد نبی پاک ﷺ کا ہے۔بالآخر اب صدیوں کے بعد اس کا ظہور ہو رہا ہے۔آج کوئی بتائے کہ کون سا ملک ہے جو عیسائی سلطنتوں کی حکومت یا ڈپلومیسی کے اثر سے باہر ہے۔ اس لیے پیش گوئی کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں اور جب یہ پیش گوئی صحیح ہے تو مسیحؑ نے ۱۳ درس ۱۶ باب یوحنا میں ہمارے نبی ﷺ کی جو علامت بتائی تھی وہ بھی بالکل پوری ہو گئی۔اس قدر لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی بھائی حضرت مسیحؑ کے ارشاد پر عمل کریں اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کریں جن کی خبر نہایت روشن علامات کے ساتھ انجیل میں دی گئی ہے۔!-پڑھو یسعیاہ، باب ۶۰ [درس ۷] قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا"۔ناظرین، نبیط [نبایوت] و قیدار حضرت اسماعیل کے بیٹوں کا نام ہے۔(دیکھو کتاب پیدایش ۲۵:۱۳) قبائل قریش قیدار کی اولاد ہیں اور دیگر اکثر قبائل نبیت (نبیط، نبایوت۔یہ سب ایک ہی نام کے ججے ہیں) کی اولاد ہیں۔اس فقرہ میں اللہ پاک نے بتایا ہے کہ عرب کے تمام قبائل اس وقت قربانی کریں گے۔اس درس میں قربان گاہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مذبح بتایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ قربان گاہ ہے جہاں کی قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اسی جگہ کو قدیم سے قربان گاہ مقبولہ الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس کے بعد فقرہ یہ ہے کہ میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔واضح ہو کہ شوکت کا گھر ترجمہ لفظ "بیت الحرام" کا ہے اور اللہ پاک نے بھی کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں بتایا ہے۔جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیامًا للناس۔[المائدۃ ۵:۹۷] (ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو شوکت کا گھر بنایا ہے تاکہ مخلوق آ کر وہاں قیام کرے"۔قبائل عرب کے نام، منیٰ کا پتہ، منیٰ اور بیت اللہ کا ساتھ ساتھ ذکر، یہ ایسی باتیں ہیں جو پیش گوئی کو نبی ﷺ کے حج کے ساتھ خاص کرتی ہیں۔یسعیاہ کے [باب] ۶۰ کی درس اسے ۶ ہم اسی مضمون کے شروع میں درج کر آئے ہیں۔اب شروع باب کو ملا کر پڑھو۔درس ۵ میں مدیان، عیفہ و سبا کے نام بھی ہیں اور یہ سب قبائل حج میں موجود تھے۔درس ۵ میں سبا کے سونا اور لوبان لانے کا ذکر ہے۔ سبا ملک یمن ہی کا نام ہے۔کیونکہ سبا ہی نے اسے آباد کیا تھا۔جس سال آنحضرت ﷺ نے حج فرمایا ہے، علی مرتضیٰؓ اس سال یمن کے حاکم و مبلّغ تھے۔وہ حج کے لیے یمن سے سیدھے مکّہ کو آئے تھے اور ملک سبا (یمن) کا زر محصول انھوں نے اسی جگہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔یہ ایسی صاف پیش گوئی ہے کہ ہمارے ہٹیلے عیسائی دوست کوئی صحیح تاویل اس کی نہیں کر سکتے۔

حج سے نبی ﷺ کا مقصود شعائر اللہ کی تعظیم، حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے سنن ہدیٰ کا احیاو کفار کے مشرکانہ رسوم کا ابطال، توحید خالص کا اعلان، تعلیم اسلام کی اشاعت عامہ تھا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اُمت کو اس حج میں آخری تبلیغ فرمائی تھی اس لیے اس حج کا نام حجۃ البلاغ بھی ہے اور چونکہ اس حج میں آنحضرت ﷺ نے اُمت سے کلمات تودیع فرمائے تھے اس لیے اس کا نام حجۃ الوداع بھی ہے۔ غرض نبی ﷺ اس عظیم الشان کامیابی کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم و عمل اور البلاغ والوداع کے بعد مسرور و مبیج مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ راہ میں بریدہ اسلمیؓ نے علی مرتضیٰؓ کی نسبت کچھ شکایات نبی ﷺ کے سمع مبارک تک پہنچائیں۔ شکایات کا تعلق حضرت علی مرتضیٰؓ کے چند افعال سے تھا، جو حکومت یمن میں جناب مرتضویؓ سے تقسیم غنیمت وغیرہ کے متعلق صادر ہوئے تھے۔

خطبۂ غدیر

درحقیقت شکایت کی بنیاد بریدہ کا قصور فہم تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خم غدیر پر ایک فصیح خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں اہل بیت رضوان اللہ اجمعین کی شان و منزلت کا اظہار فرمایا اور علی مرتضیٰؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جس کا میں مولا ہوں، علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔ اس خطبہ کے بعد عمر فاروقؓ نے علی مرتضیٰؓ کو اس شرف کی مبارکباد دی اور بریدہؓ نے بقیۃ العمر علی مرتضیٰؓ کی محبت و متابعت کو پورا کیا۔ بالآخر یہ بزرگوار جنگ جُمل میں شہید ہوئے تھے۔

باب ہفتم

وصال نبویؐ

۱۱ ہجری

یہ وہ سال ہے جس میں اللہ کے رسولؐ نے حق رسالت ادا کرنے کے بعد اپنے بھیجنے والے کی جانب رحلت فرمائی۔ رحلت سے ۶ ماہ پہلے اس سورۃ کا نزول ہوا تھا: اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ (۱) وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا (۲) فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۳) [النصر: ۱۱۰-۳] جب اللہ کی مدد اور فتح پہنچ گئی اور تو نے لوگوں کو فوج در فوج دین الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو اب اللہ کی تحمید و تسبیح کیجیے۔ وہی ہے جو رجوع کرنے والا ہے۔

نبی ﷺ سمجھ گئے کہ اس سال میں کوچ کی اطلاع دی گئی ہے۔[۱]

آخری رمضان ۱۰ھ میں نبی ﷺ نے ۲۰ یوم کا اعتکاف فرمایا۔ حالانکہ ہر سال دس یوم کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔[۲] اپنی پیاری بیٹی فاطمہ بتولؓ کو اس کی وجہ یہی بتائی تھی کہ مجھے اپنی موت قریب معلوم ہوتی ہے۔[۳] حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں حضور ﷺ نے اُمت سے فرمادیا تھا کہ میں عنقریب دنیا چھوڑنے والا ہوں۔[۴]

شروع ماہ صفر ۱۱ھ میں سرور کائنات ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری بھی شروع کر دی۔ ایک روز حضور ﷺ اُحد تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد کے گنج شہیداں پر نماز پڑھی۔ وہاں سے واپس ہو کر سر منبر فرمایا: لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تمھاری شہادت دینے والا ہوں۔ واللہ! میں اپنے حوض کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ممالک کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے مگر ڈر ہے کہ منافست نہ کرنے لگو۔[۵]

پھر گورستانِ بقیع میں آدھی رات کو قدم رنجہ فرمایا اور آسودگانِ بقیع کے لیے دعا[۶] فرمائی۔ ہر دو جگہ اِنَّا بِكُمۡ لَاحِقُوۡنَ کا جملہ پڑھا۔ گویا ان کو مژدۂ تشریف آوری سنایا۔ پھر ایک روز مسلمانوں کو جمع فرمایا اور ارشاد کیا:

”مرحبا! مسلمانو! اللہ تم کو اپنی رحمت میں رکھے۔ تمھاری شکستہ دلی کو دُور فرمائے۔

_____ ۱- طبرانی عن جابرؓ [المعجم الکبیر، باب الحاء، حدیث ۲۶۷۶، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، ۱۹۸۳ء]۲- صحیح بخاری عن ابی هریرة الثالثة [کتاب الاعتکاف، باب۱۷، حدیث۱۹۳۹]۳- بخاری عن عائشه ؓ عن فاطمة الثالثة [کتاب المناقب، باب ۲۲، حدیث۳۶۲۶]۴- صحیحین عن جابرؓ [بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع، حدیث ۴۱۴۴، مسلم، کتاب القسامۃ، باب۹حدیث۱۶۷۹، صحیحین میں دنیا چھوڑنے کا صراحتاً ذکر نہیں البتہ اس کی طرف بعض اشارات موجود ہیں۔(مدوّن)]۵- صحیح بخاری، عن عقبه بن عامر کتاب المغازی [باب غزوة احد۱۴، حدیث ۳۸۱۶] منافست ایک دوسرے سے بڑھ نکلنے کی کوشش کو کہتے ہیں۔۶- صحیح بخاری و دارمی عن ابی مویهبه الثالثة مولیٰ آنحضرتﷺ [دارمی، مقدمه، باب وفات النبی صلی الله علیه وسلم، ج۱، ص۵۰، حدیث۷۸، یہ حدیث بخاری میں نہیں ملی، البتہ مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاہلہا، ح۱۶۱۸ میں موجود ہے۔]

تم کو رزق دے۔ تمھاری مدد کرے۔ تم کو رفعت دے۔ تمھیں با من وامان رکھے۔ میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ ہی کو تمھارا خلیفہ بناتا ہوں اور تم کو اسی سے ڈراتا ہوں۔ کیونکہ میں نذیر مبین ہوں۔ دیکھنا' اللہ کی بستیوں میں اور اس کے بندوں میں تکبر اور برتری کو اختیار نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمھیں فرمایا ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۸۳) [القصص ۲۸:۸۳] یہ آخرت کا گھر ہے۔ ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور بہترین انجام تو پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (۶۰) [الزمر ۳۹:۶۰] کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں۔[1]

آخر میں فرمایا: ''سلام تم سب پر اور ان سب پر جو بذریعہ اسلام میری بیعت میں داخل ہوں گے''۔

آغازِ مرض

۲۹ صفر روز دوشنبہ تھا۔ نبی ﷺ ایک جنازہ سے واپس آرہے تھے۔ راہ ہی میں دردِ سر شروع ہو گیا۔ پھر تپ شدید لاحق ہوئی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جو رومال حضور ﷺ نے سر مبارک پر باندھ رکھا تھا' میں نے اُسے ہاتھ لگایا' سینک آتا تھا۔ بدن ایسا گرم تھا کہ میرے ہاتھ کو برداشت نہ ہوئی۔ میں نے تعجب کیا۔ فرمایا انبیا سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ اسی لیے ان کا اجر سب سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ بیماری میں ۱۱ یوم تک مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے۔ بیماری کے سب دن ۱۳ یا ۱۴ تھے۔

۱- زرقانی ج ۸۔ بحوالہ واحدی بسندہٖ عن ابی مسعودؓ۔

آخری ہفتہ

آخری ہفتہ، نبی ﷺ نے طیبہ عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں پورا فرمایا تھا۔ اُم المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کبھی نبی ﷺ بیمار ہوا کرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے اور اپنے ہاتھ جسم پر پھیر لیا کرتے۔

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَائَ اِلاَّ شِفَائُ كَ شِفَائً لاَ یُغَادِرُ سَقَمًا۔[1] اے نسلِ انسانی کے پالنے والے! خطر کو دُور فرمادے اور صحت عطا کر۔ شفا دینے والا تو ہی ہے اور اسی شفا کا نام شفا ہے جو تو عنایت کرتا ہے۔ ایسی صحت دے کہ کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے۔

ان دنوں میں، میں نے یہ دعا پڑھی تھی اور نبی ﷺ کے ہاتھوں پر دم کر کے چاہا کہ جسمِ اطہر پر مبارک ہاتھوں کو پھیر دوں۔ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔[2]

پانچ یوم قبل از رحلت

چہار شنبہ تھا کہ نبی ﷺ نے مخضب میں بیٹھ کر سات کنووں کی سات مشکوں کا پانی سر پر ڈلوایا۔ اس تدبیر سے کچھ سکون ہوا۔ طبیعت ہلکی معلوم ہوئی تو نور افروزِ مسجد ہوئے۔ (فرمایا:) تم سے پہلے ایک قوم ہوئی ہے، جو انبیاو صلحا کی قبور کو سجدہ گاہ بناتی تھی، تم ایسا نہ کرنا۔[3]

(فرمایا) اُن یہودیوں، اُن نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے جنھوں نے انبیا کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔[4]

(فرمایا) میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنا دیجیو کہ اُس کی پرستش ہوا کرے۔[5]

۱- [مسند احمد، ج۶، ص۴۵، حدیث ۲۴۲۲۸] ۲- بخاری عن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ [کتاب الجنائز، باب ۶۴، حدیث ۱۶۱۹] ۳- مخضب پتھر کا تغار یا تانبے کا ٹب۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴۱۷۸] ۴- صحیحین عن عروہ عن عائشہؓ۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب ۶۰، حدیث ۱۲۶۵، مسلم کتاب المساجد، باب ۳، حدیث ۵۲۹] ۵- موطا امام مالک عن عطاء بن یسار۔ [کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، حدیث ۴۱۴]

(فرمایا)اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے قبور انبیا کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تمھیں اس سے منع کرتا رہا ہوں۔ دیکھو، میں تبلیغ کر چکا۔ الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا۔ الٰہی! تو اس کا گواہ رہنا۔ نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد منبر پر اجلاس فرمایا۔ منبر پر یہ حضور ﷺ کی آخری نشست تھی۔[1]

پھر حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''میں تم کو انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ میرے جسم کے پیرہن اور میرے زادِ راہ رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے واجبات کو پورا کر دیا ہے اور اب ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے اچھا کام کرنے والوں کی قدر کرنا اور لغزش کرنے والوں سے در گزر کرنا۔[2]

(فرمایا)ایک بندہ کے سامنے دنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا ہے مگر اُس نے آخرت ہی کو اختیار کیا۔ اس امر کو ابو بکر صدیقؓ ہی سمجھے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں، ہمارے زر و مال حضور ﷺ پر نثار ہوں۔[3]

چار یوم قبل از رحلت

پنج شنبہ کا ذکر ہے کہ شدت مرض بڑھ گئی۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا: ''لاؤ تمھیں لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو''۔ بعض نے کہا کہ نبی ﷺ پر شدت درد غالب ہے۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے اور ہم کو کافی ہے۔ اس پر آپس میں اختلاف ہوا۔ کوئی کہتا تھا، سامانِ کتابت لے آؤ کہ ایسا نوشتہ لکھا جائے۔ کوئی کچھ اور کہتا تھا۔ یہ شور و شغب

۱- زرقانی، جلد ۸۔ ۲- ایضاً۔ ۳- صحیح بخاری عن عائشۃ الثلثۃ و دارمی و مسلم عن ابی سعید خدری الثلثۃ۔ [بخاری، ابواب المساجد، باب ۴۶، حدیث ۴۵۴ عن ابی سعید الخدری الثلثۃ، مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ۱، حدیث ۲۳۸۲، دارمی، ج ۱، ص ۵۱، حدیث ۸۱ عن عائشۃ]

بڑھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ سب اُٹھ جاؤ۔۱

اس کے بعد اُسی روز (پنج شنبہ کو) نبی ﷺ نے تین وصیتیں فرمائیں:

۱-یہود کو عرب سے باہر کر دیا جائے۔

۲-وفود کی عزت و مہمانی ہمیشہ اسی طرح کی جائے جیسا کہ معمول نبوی تھا۔

۳-تیسری وصیت سلیمان الاحول کی روایت میں بیان نہیں ہوئی۔۲ مگر صحیح بخاری کی کتاب الوصایا میں عبداللہ بن ابی اوفیؓ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کے متعلق وصیت فرمائی تھی۔۳

پنج شنبہ مغرب

اس روز مغرب تک کی سب نمازیں نبی ﷺ نے خود پڑھائی تھیں۔ نماز مغرب میں سورہ والمرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اس سورت کی آخری آیت بھی قرآن پاک کی جلالت شان کو آشکارا کرتی ہے۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (المرسلات ۷۷: ۵۰) یعنی قرآن پاک کے بعد اور کس کلام پر ایمان لاؤ گے۔۴

پنج شنبہ عشا: نماز عشا کے لیے حضور ﷺ نے مسجد جانے کا تین بار عزم فرمایا۔ ہر دفعہ جب وضو کے لیے بیٹھے، بے ہوشی طاری ہوتی رہی۔ آخر فرمایا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائے۔۵ اس حکم سے ابو بکر صدیقؓ نے حیات پاک نبویؐ میں سترہ نمازوں کی امامت فرمائی۔

۱- صحیح بخاری میں اصل حدیث یہ ہے: عن عبيدالله بن عبدالله عن عتبة عن ابن عباسؓ قال: يوم [ایک نسخے میں لما ہے] حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم وفي البيت رجال، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هلموا اكتب لكم كتاباً لا تضلون بعده، فقال بعضهم: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد غلبه الوجع وعندكم القرآن ـ حسبنا كتاب الله، فاختلف اهل البيت واختصموا، فمنهم من يقول قربوا يكتب لكم كتابا لا تضلّون بعده ومنهم من يقول غير ذٰلك فلما اكثروا اللغو والاختلاف قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا۔فقط [بخاری، كتاب المغازی، باب مرض النبی صلى الله عليه وسلم، حديث ۴۴۳۱]۔۲- صحیح بخاری، سليمان عن سعيد بن جبيرؒ عن ابن عباسؓ [كتاب الجهاد والسير، حديث۲۸۸۸]۳- [بخاری، كتاب الوصايا، باب۱، حديث ۲۵۸۹۔]۴- صحیح بخاری عن ام الفضل والده ابن عباس باب مرض

النبیؐ۔ [کتاب المغازی، باب۷۸، حدیث۴۱۶۶، نیز کتاب الصلاۃ باب۱۶، حدیث۷۲۹]۵- صحیحین عن عبیداللہ بن عبداللہ۔

[بخاری، کتاب الجماعۃ، باب۱۸، حدیث ۶۴۶، عن عائشۃ، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب۲۱، حدیث ۴۱۸، عن عائشہ، صحیح بخاری کی

روایت عن ابی موسیٰ میں ہے کہ اس حکم کو حضور ﷺ نے تین بار دہرایا۔

دو یا ایک یوم قبل از رحلت

شنبہ یا یک شنبہ کا ذکر ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کی امامت میں نمازِ ظہر قائم ہو چکی تھی کہ نبی ﷺ حضرت عباسؓ و حضرت علی مرتضیٰؓ کے کندھوں پر سہارا دیے ہوئے شرف افزائے جماعت ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ پیچھے ہٹنے لگے تو نبی ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو۔ پھر ابو بکرؓ کے برابر بیٹھ کر نماز میں داخل ہو گئے۔ اب ابو بکر صدیقؓ تو آنحضرت ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور باقی سب لوگ صدیقؓ کی تکبیرات پر نماز ادا کر رہے تھے۔[1] ایک شنبہ کے دن سب غلاموں کو آزاد فرما دیا۔ ان کی تعداد بعض روایات میں چالیس بیان ہوئی ہے۔ گھر میں نقد سات دینار موجود تھے، وہ غربا کو تقسیم کر دیے اُس دن کی شام کو (آخری شب) صدیقہؓ نے چراغ کا تیل ایک پڑوسن سے عاریتاً منگوایا تھا۔ سلاحات مسلمانوں کو ہبہ[2] فرمائے۔ زرہ نبوی ایک یہودی کے پاس (۳۰) صاع جو میں رہن[3] تھی۔

آخری دن

دو شنبہ کے دن نماز صبح کے وقت نبی ﷺ نے وہ پردہ اُٹھایا، جو حجرۂ عائشہ صدیقہؓ اور مسجد طیبہ کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اس وقت نماز ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک نبی ﷺ اس نظارۂ پاک کو جو حضور ﷺ کی پاک تعلیم کا نتیجہ تھا، ملاحظہ فرماتے رہے۔ (صحیح مسلم عن انس) اس نظارہ سے رُخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس

۱- صحیحین عن عبیداللہ بن عبداللہ۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب ۷۸، حدیث ۴۱۷۸، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۱، حدیث ۴۱۸] ۲- بخاری عن عمرو بن الحارث برادر ام المومنین جویریہ الثالثۃ۔ [کتاب الوصایا، باب ۱، حدیث ۲۵۸۸] ۳- بخاری عن اسود عن عائشہ صدیقہ الثالثۃ [کتاب الجہاد والسیر، باب ۸۸، حدیث ۲۷۵۹]

وقت وجہ مبارک ورقِ قرآن معلوم ہوتا تھا۔[۱] صحابہؓ کا شوق اور اضطراب سے یہ حال ہو گیا تھا کہ رُخ پُرنور ہی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ابو بکرؓ سمجھے کہ نبی ﷺ کا ارادہ نماز میں آنے کا ہے۔ وہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا' کہ نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ سب کی تسکین کا موجب ہوا۔ پھر حضور ﷺ نے پردہ چھوڑ دیا۔ یہ نماز ابو بکر صدیقؓ ہی نے مکمل فرمائی۔[۲] اس کے بعد حضور ﷺ پر کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔

دن چڑھا تو پیاری بیٹی فاطمہ بتولؓ کو بلایا' کان میں کچھ بات کہی' وہ رو پڑیں۔ پھر کچھ اور بات کہی تو وہ ہنس پڑیں۔ بتول پاک سے روایت ہے کہ پہلی بات حضور ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ اب میں دنیا کو چھوڑ رہا ہوں اور دوسری بات یہ فرمائی تھی کہ اہل بیت میں سے تم ہی میرے پاس سب سے پہلے پہنچو گی (یعنی انتقال ہو گا)۔[۳]

اسی روز حضور ﷺ نے فاطمہ زہراؓ کو سیدۃ نساء العالمین ہونے کی بشارت ارزانی فرمائی۔[۴]

سیدۃ النساء نے حضور ﷺ کی حالت کو دیکھ کر کہا: آہ کتنا کرب ہے۔ فرمایا کہ تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی کرب نہ ہو گا۔[۵]

پھر حسنؓ و حسینؓ کو بلایا' دونوں کو چوما اور ان کے احترام کی

۱- صحیحین عن انس الثالثة [بخاری، کتاب الجماعة، باب۱۸، حدیث ۶۴۸، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۱، حدیث ۴۱۹] چہرۂ قدس کو ورقِ قرآن سے تشبیہ روایت انسؓ میں ہے۔ یہ ایک عجیب اور پاک تشبیہ ہے۔ ورقِ قرآن پر طلائی کام ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے چہرۂ تاباں پر زردئ مرض ہی چھائی ہوئی تھی لہٰذا تابانی اور رنگ مرض میں طلا سے اور تقدس میں قرآن پاک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ۲- بخاری و مسلم [کتاب صفة الصلاۃ، باب ۱۲، حدیث ۷۲۱، مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ۲۱، حدیث ۴۱۹] ۳- صحیح بخاری عن عروہؓ عن عائشہؓ [کتاب المناقب، باب ۲۲، حدیث ۳۴۲۶] ۴- بخاری عن عائشہ صدیقہ الثالثة [کتاب المناقب، حدیث ۳۴۲۶] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آخری دن کا نہیں بلکہ آخری ہفتہ کا ہے۔ ۵- بخاری عن انسؓ، باب مرض النبی ﷺ۔ [کتاب المغازی، باب ۷۸، حدیث ۴۱۹۳]

وصیت فرمائی۔۱

پھر ازواج مطہرات کو بلایا اور اُن کو نصیحتیں فرمائیں۔

پھر علی مرتضیٰؓ کو بلایا' اُن کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت تف مبارک سیدنا علیؓ کے چہرۂ پاک پر پڑ رہا تھا۔۲

اسی موقع پر فرمایا: الصَّلٰوۃَ الصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی آخری وصیت یہی تھی۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اسی ارشاد کو حضور ﷺ کئی بار دہراتے رہے۔۳

حالت نزع

اب نزع کی حالت طاری ہوئی۔ اُس وقت سرورِ کائنات کو عائشہ صدیقہؓ سہارا دیے ہوئے پس پشت بیٹھی تھیں۔ پانی کا پیالہ حضور ﷺ کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔ نبی ﷺ پیالہ میں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیرا لیتے تھے۔ چہرۂ مبارک کبھی سرخ ہوتا' کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ زبانِ مبارک سے فرماتے تھے:۴

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ۔

اتنے میں عبدالرحمن بن ابو بکر صدیقؓ آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ حضور ﷺ نے مسواک پر نظر ڈالی تو صدیقہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک کو نرم بنا دیا۔ حضور ﷺ نے مسواک کی پھر ہاتھ کو بلند فرمایا اور زبان قدسی سے فرمایا: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی!

اسی وقت ہاتھ لٹک گیا۔ پتلی اُوپر کو اُٹھ گئی۔۵

۱- مدارج النبوۃ ۲- زرقانی بحوالہ ابن سعد وفی سندہ الواقدی وحرام بن عثمان متروکان۔ [طبقات ابن سعد، ۲/۲۶۳، دار صادر، بیروت ۱۹۶۸ء۔ اس روایت میں ہے: ان بعض ریق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیصیبنی۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض تف مبارک مجھے پہنچ رہا تھا۔ اس روایت میں مذکورہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ (مدوّن)] ۳- بخاری عن انس و خصائص الکبریٰ [المستدرک ۳/۵۹، حدیث ۴۳۸۸] ۴- صحیح بخاری عن ذکوان۔ [کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴۱۸۴۔ اس روایت میں چہرے کا رنگ بدلنے کا ذکر نہیں ہے۔] یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت میں تلخی ہوا ہی کرتی ہے۔ ۵- صحیح بخاری۔ [کتاب الدعوات، باب ۲۸، حدیث ۵۹۸۸]

۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری یوم دوشنبہ[۱] وقت چاشت ۲ تھا کہ جسم اطہر سے روحِ انور نے پرواز کیا۔ اس وقت عمر مبارک ۶۳ سال قمری پر ۴ دن تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اَفَاِنْ مِتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ

سیدہ زہراؑ نے اس حادثہ پر کہا: یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جَنَّتِ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاہُ۔ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہُ۔ پیارے باپؐ نے دعوتِ حق کو قبول فرمایا اور فردوس بریں میں نزول فرمایا۔ آہ جبریلؑ کو خبرِ انتقال کون پہنچا سکتا ہے"۔[۳]

(پھر فرمایا) الٰہی! روحِ فاطمہؑ کو روحِ محمدؐ کے پاس پہنچادے۔ الٰہی! مجھے دیدار رسولؐ سے مسرور بنادے۔ الٰہی! مجھے اس مصیبت کے ثواب سے تو بے نصیب نہ رکھ اور بروز محشر شفاعتِ محمد ﷺ سے محروم نہ فرما۔ عائشہؓ طیبہ نے اس ہائلہ پر کہا:

دریغ: وہ نبی ﷺ جس نے فقر کو غنا پر اور مسکینی کو توانگری پر اختیار فرمایا۔

حیف: وہ دین پرور ﷺ، جو اُمت عاصی کے فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا۔

جس نے! ہمیشہ بڑی استقامت واستقلال سے نفس کے ساتھ محاربہ کیا۔

جس نے! منہیات کو ذرّہ بھر بھی نگاہِ التفات سے نہ دیکھا۔

جس نے! بر واحسان کے دروازے اربابِ فقر واحتیاج پر کبھی بھی بند نہ کیے۔

۱- ایضاً۔ [کتاب الجنائز، باب ۹۲، حدیث ۱۳۲۱] ۲- صخرۃ النہار تاریخ ابوالفداء۔ بعض روایات میں ہے وہی وقت جب نبوت ملی تھی۔ بعض میں ہے وہی وقت جب مدینہ (قبا) پہنچے تھے۔ ۳- [بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴۱۹۳۔]

جس کے ! ضمیر منیر کے دامن پر دشمنوں کی ایذا و اضرار کا ذرّہ بھی غبار نہ بیٹھا۔

حیف ! وہ جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے۔

جس کی ! نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا۔

آج... دنیا سے رخصت ہوا۔[1]

خبر وفات سے صحابہؓ سراسیمہ، حیراں و دیوانہ و سرگرداں تھے۔ کوئی جنگل کو نکل بھاگا۔ کوئی ششدر ہو کر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

عمر فاروقؓ کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارتحال فرمایا۔

ابو بکر صدیقؓ گھر میں گئے۔ جسم اطہر دیکھا، منہ سے منہ لگایا، پیشانی کو چوما، آنسو بہائے۔ پھر زبان سے کہا:

''میرے پدر و مادر حضورؐ پر نثار۔ واللہ ! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں وارد نہ کرے گا یہی ایک موت تھی، جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔[2]

پھر مسجد میں آئے، وفات پر آیات کے اعلان کا خطبہ پڑھا، حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا:

اَمَّا بَعْدُ! فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ قَالَ اللّٰهُ: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا ۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۔[3] [آلِ عمران ۳:۱۴۴]

''واضح ہو ! کہ جو کوئی شخص تم میں سے محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو وہ تو رحلت کر گئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، تو بے شک اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اسے موت نہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے: محمد تو ایک رسول ہے۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے۔ کیا اگر وہ مر گیا یا شہید ہو گیا تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ ہاں ! جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

۱- مدارج النبوۃ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ ۲- صحیح بخاری عن عبداللہ بن عباسؓ۔ باب مرض النبیؐ [کتاب المغازی، حدیث ۴۱۸۷] ۳- صحیح بخاری عن ابی سلمۃ عن عائشۃؓ [کتاب المغازی، حدیث ۴۱۸۷]

غسل و تکفین

نبی کریم ﷺ کو غسل دیتے ہوئے علی مرتضیٰؓ یہ کہہ رہے تھے:

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ لَقَدْ اِنْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَآءِ وَالْاَخْبَارِ [من] السَّمَآءِ خَصَصْتَ حَتّٰى صِرْتَ مُسَلِّيًا عَمَّنْ سِوَاكَ وَعَمَمْتَ حَتّٰى صَارَ النَّاسُ فِيْكَ سَوَآئً وَلَوْلَا اَنَّكَ اَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَاَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاء الشيون ولكان الداء مماطلا، والكبد محالفًا، وقلاً لك ولكنه ما نملك ردّه ولا نستطيع دفعه بابي انت وامّي اذكرنا عند ربّك واجعلنا من بالك۔[1] میرے مادر و پدر آپ پر قربان، آپ کی موت سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی تھی یعنی نبوت اور غیب کی خبروں اور وحی آسمانی کا انقطاع ہو گیا۔ آپ کی موت خاص صدمہ عظیم ہے کہ اب سب مصیبتوں سے دل سرد ہو گیا اور ایسا عام حادثہ ہے کہ سب لوگ اس میں یکساں ہیں۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور آہ وزاری سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم آنسوؤں کو آپ پر بہا دیتے۔ پھر بھی یہ درد لاعلاج اور یہ زخم لازوال ہی ہوتا اور ہماری یہ حالت بھی اس مصیبت کے مقابلہ میں کم ہوتی۔ اس مصیبت کا تو علاج ہی نہیں اور یہ غم تو جانے والا ہی نہیں۔ میرے والدین حضور پر نثار، پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا اور ہم کو اپنے دل سے بھول نہ جانا۔

نبی ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔[2]

نماز جنازہ

نعش مبارک اسی جگہ رکھی رہی جہاں انتقال ہوا تھا۔ نماز جنازہ پہلے کنبہ والوں

۱- نہج البلاغۃ، ص ۲۰۵، چاپ دار السلطنت، تبریز، ۱۲۲۷ھ ۲- شرح مسلم للنووی و کتاب الام، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب ۱۸، حدیث ۱۲۰۵، مسلم، کتاب الجنائز، باب ۱۳، حدیث ۹۴۱]

نے پھر مہاجرین نے پھر انصار مردوں نے، [پھر] عورتوں نے [اور] پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں امام کوئی نہ تھا۔ حجرہ مبارک تنگ تھا۔ اس لیے دس دس شخص اندر جاتے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر آتے تب اور دس اندر جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ اس لیے تدفین مبارک شب ا چہار شنبہ کو یعنی رحلت سے قریباً ۳۲ گھنٹہ بعد عمل میں آئی۔ ۲ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

نبی اکرم ﷺ کے جنازہ پر یہ دعا پڑھی گئی تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اللّٰھم ربنا لبیك وسعدیك صلوٰۃ اللّٰہ البر الرحیم والملائکۃ المقربین والنبین والصدیقین والصالحین وما سبح لك من شیء یارب العالمین علی محمد بن عبداللّٰہ خاتم النبیّن وسید المرسلین وامام المتقین ورسولہ ربّ العالمین الشاھد المبشر الداعی باذنك السراج المنیر وبارك علیہ وسلم۔ ۳؎

۱- ترمذی کی روایت سے ظاہر ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کی یہ تجویز ابو بکر صدیقؓ نے بتائی تھی اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ [جنازے کے طریقے کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کی تجویز المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے۔ بدھ کی رات کو دفن اور گروہ گروہ ہو کر نماز جنازہ کا ذکر دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ (مدوّن)] ۲- الکافی شیخ یعقوب، **ملا باقر حیات القلوب**، جلد دوم، باب ۶۴ میں تحریر فرماتے ہیں: شیخ طبرسی از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ دَہ دَہ نفر داخل می شدند و چنیں بر آں حضرت نماز مے کردند۔ بے امامے در روز دو شنبہ و شب سہ شنبہ تا صبح و روز سہ شنبہ تا شام۔ تا آنکہ خرد و بزرگ و مرد و زن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ ہمہ بر آں جناب چنیں نماز کردند۔ (ص ۶۶۴، چاپ لکھنؤ) اسلامی تاریخ بعد از غروب شروع ہوتی ہے۔ میں نے اس لیے منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو شب چہار شنبہ لکھا ہے اور ملا باقر صاحب نے اسی کو تا شام سہ شنبہ تحریر فرمایا ہے۔ صحت تعین وقت کے لیے گھنٹوں کا شمار کیا گیا۔ ۳- زرقانی، جلد ۸، ص ۲۹۳، مطبعہ ازہریہ مصریہ ۱۳۲۸ھ۔

باب ہشتم

تعلیماتِ نبویؐ

فصل اول

خُلُقِ محمدیؐ

جو واقعات لکھے جا چکے ہیں ان سے مختصر طور پر اُن مشکلات کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، جن کا سامنا، نبی ﷺ کو اپنی نبوت کے اظہار، اپنی تعلیم کی اشاعت اور اس تعلیم کے قبول کرنے والوں کی حفاظت میں کرنا پڑا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں حکومت اور قانون نہ ہو، جہاں خونریزی اور قتل معمولی بات ہو، جہاں کے باشندے وحشت اور غارت گری میں درندوں کے مشابہ، جہالت اور بے عقلی میں انعام سے بدتر ہوں، ایک ایسے دعویٰ کا پیش کرنا جو تمام ملک کے نزدیک عجیب اور جملہ قبائل میں مخالفت کی فوری آگ لگا دینے والا ہو، کچھ آسان نہ تھا۔ پھر اس دعویٰ کا ایسی حالت میں سرسبز ہونا کہ کروڑوں اشخاص کی انتہائی مخالفت اس کے ملیامیٹ کرنے پر دل سے، جان سے، زر سے، مال سے سالہا سال متفق رہی ہو، بالکل تائید ربانی کا ثبوت ہے۔

گذشتہ واقعات کے ضمن میں نبی ﷺ کے اخلاق و محاسن، صفات و محامد کی چمک ایسی نمایاں ہے، جیسے ریت میں کندن۔ اور ان واقعات سے ہی یہ پتا لگتا ہے کہ مظلومی و بیچارگی اور قوت و سطوت کی متضاد حالتوں میں یکساں سادگی و غربت کے ساتھ زندگی پوری کرنے والا صرف وہی ہو سکتا ہے جس کے دل پر ناموسِ الٰہی نے قبضہ کر لیا ہو اور اُسے علائق دنیوی سے پاک کر دیا ہو۔

نبی ﷺ کی زندگی کے مبارک واقعات ہر ملک اور ہر طبقہ کے فرد اور جماعتوں کے لیے بہترین نمونہ اور مثال ہیں۔ اس باب کے تحت میں، میں مختصر طور پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کا، جو علمنی ربّی فاحسن تادیبی کے مصداق ہیں، ذکر کروں گا۔

خلق محمدی ایسا لفظ ہے کہ اب بہترین بزرگوں کے عادات واخلاق، اطوار وشمائل کے اظہار کے لیے مشبّہ بہ بن گیا ہے۔ میں اس جگہ کمالاتِ نبوت اور خصوصیات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں کروں گا۔ صرف وہ سادہ حالات لکھنے مقصود ہیں جن کو کوئی سعادت مند ازلی اپنے لیے نمونہ بنا سکتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ [الاحزاب ۲۱:۳۳] تمھارے لیے رسول اللہ کا بہترین نمونہ موجود ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اُمی تھے، لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور بعثت و نبوت کے زمانے تک کسی عالم کی صحبت بھی میسر نہ ہوئی تھی۔

تیر افگنی، شہسواری، نیزہ بازی، سجع گوئی، قصیدہ خوانی، نسب دانی اس زمانے کے ایسے فنون تھے جنھیں شریف خاندان کا ہر ایک نوجوان حصولِ شہرت وعزت کے لیے ضرور سیکھ لیا کرتا تھا اور جن کے بغیر کوئی شخص، ملک اور قوم میں عزت یا کوئی امتیاز حاصل نہ کر سکتا تھا۔ نبی ﷺ نے ان فنون میں سے کسی کو بھی (اکتساباً) حاصل نہ کیا تھا اور نہ کسی پر اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

نبی ﷺ کی نسبت فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے:

"آں حضرت خندہ رُو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکر خدا کرنے والے، لغویات سے دُور، بے ہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے"۔

انصاف کے معاملے میں قریب و بعید آں حضرت ﷺ کے نزدیک برابر ہوتا تھا، مساکین سے محبت فرمایا کرتے تھے، غربا میں رہ کر خوش ہوتے، کسی فقیر کو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے، کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے جب تک کہ وہی نہ چلا جائے۔ صحابہؓ سے کمال محبت فرمایا کرتے۔ سفید زمین پر (بلا کسی مسند و فرش کے) نشست فرمایا کرتے اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے، اِدشمن اور کافر سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔[۲]

۱- خلاصہ تاریخ العرب پروفیسر سیڈیو، ص ۴۲۔ ۲- الشفاء، قاضی عیاض، ص ۳۱۲۔

حجۃ الاسلام [امام] غزالی لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے، اُونٹ باندھتے، گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے۔ بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے، خود اُسے اُٹھا لاتے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام پہلے کر دیا کرتے۔ جو کوئی ساتھ ہو لیتا اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلا کرتے۔ غلام و آقا، حبشی و ترکی میں ذرا تفاوت نہ کرتے۔ رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کے لیے کہتا قبول فرما لیتے۔ جو کچھ کھانا سامنے رکھ دیا جاتا اُسے برغبت کھاتے۔ رات کے کھانے میں سے صبح کے لیے اور صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اُٹھا نہ رکھتے۔ نیک خو، کریم الطبع، کشادہ رُو تھے مگر ہنستے نہ تھے۔

اندوہگیں تھے، مگر ترش رُو نہ تھے۔

متواضع، جس میں دنایت نہ تھی۔

باہیبت، جس میں درشتی نہ تھی۔

سخی تھے، مگر اسراف نہ تھا۔

ہر ایک پر رحم فرمایا کرتے۔ کسی سے کچھ طمع نہ رکھتے۔ سر مبارک کو جھکائے رکھتے تھے۔[1]

حکیم الامت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

جو کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے یکبارگی آجاتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو کوئی پاس آبیٹھتا وہ فدائی بن جاتا۔[2] کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ انسؓ نے دس سال تک خدمت کی اس عرصہ میں اُنھیں کبھی اُف (ہونھ) تک نہ کہا۔ زبانِ مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آتی تھی، نہ کسی پر لعنت کیا کرتے تھے۔ دوسرے کی اذیت و آزار پر نہایت صبر

۱- کیمیائے سعادت مصنفہ امام غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) ص ۲۸۰، مطبوعہ نول کشور ۱۸۸۲ء۔ ۲- یہ فقرہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ کے کلام کا ترجمہ ہے، فرماتے ہیں: **من رآہ بدیھۃ ھابہ ومن خالطہ محبۃ عشقہ۔**

کیا کرتے۔ خلق خدا پر نہایت رحمت فرماتے۔ ہاتھ یا زبان مبارک سے کبھی کسی کو شر نہ پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر نہایت توجہ فرماتے۔ ہر شخص اور ہر چیز کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی بادشاہت کی جانب ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔[1]

صحیح بخاری میں ہے: آنحضرت ﷺ مطیع کو بشارت پہنچاتے، عاصی کو ڈر سناتے، بے خبروں کو پناہ دیتے۔ خدا کے بندہ و رسولؐ، جملہ کاروبار کو اللہ پر چھوڑ دینے والے، نہ درشت خو، نہ سخت گو۔ چیخ کر نہ بولتے، بدی کا بدلہ ویسا نہ لیتے، معافی مانگنے والے کو معاف فرمایا کرتے، گنہگار کو بخش دیتے۔ ان کا کام کجی ہائے مذاہب کو درست کر دینا ہے۔ ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں، بہروں کو کان دیتی، غافل دلوں کے پردے اُٹھا دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک خوبی سے آراستہ، جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف، سکینہ ان کا لباس، نکوئی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل اُن کی سیرت ہے۔ ان کی شریعت سراپا راستی، اُن کی ملت اسلام، ہدایت ان کی رہنما ہے۔ وہ ضلالت کو اُٹھا دینے والے، گناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو نامور کر دینے والے، قلت کو کثرت اور تنگ دستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔[2]

۱- **حجة الله البالغة**، ص۳۸۵۔۲- یسعیاہ نبی کی کتاب کا ۴۲ باب آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے۔ اس باب کے مندرجہ ذیل درس ناظرین اس جگہ ملاحظہ کریں: ''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ' میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔ ۲-وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ ۳-وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دہکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائے گا۔ ۴-اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا۔ جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ ۵- خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا، جو زمین کو اور انہیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں' سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں ' روح بخشتا، یوں فرماتا ہے: میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا۔ ۷-کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قیدخانے سے چھڑا دے''۔ تمام باب ملاحظہ طلب ہے۔ پادری ان الفاظ کو مسیح ؑکے لیے کہتے ہیں لیکن یہ الفاظ تو اس کے حق میں ہیں جسے خدا کہتا ہے ''میرا بندہ'' اور پادریوں کو انکار ہے اور اقرار نہیں کہ مسیح ؑخدا کا بندہ تھا۔[اس کے ساتھ] ۱۰ درس ۱۱ میں بیابان عرب کا ذکر ہے اور قیدار کا نام موجود ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے دادا کا نام ہے۔ نیز سلع کا ذکر ہے جو مدینہ طیبہ کا قدیم نام ہے اور مدینہ کے اندر جو پہاڑی ہے وہ اب تک اسی نام سے موسوم ہے۔ درس ۱۳ میں اسی موعود کا جنگی مرد ہونا بیان کیا گیا ہے۔ درس ۱۷ میں ذکر ہے کہ بت پرستوں کو اس سے ذلت و پشیمانی حاصل ہوگی وغیرہ یہ جملہ علامات ایسی ہیں جو مسیح پر صادق نہیں اور حضرت محمدﷺ کے لیے خصوصیت رکھتی ہیں۔ کعب ؓ احبار [یہودی النسل ومابرکتاب مقدس صحابی رسول] اس مقام کو خاص آنحضرتﷺ کے لیے ہی بتایا کرتے تھے۔

سکوت اور کلام

نبی کریم ﷺ اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ بلاضرورت کبھی گفتگو نہ فرمایا کرتے۔ آنحضرت ﷺ نہایت شیریں کلام اور کمال فصیح تھے۔ کلام میں آورد ذرا نہ تھی۔ گفتگو ایسی دلآویز ہوتی تھی کہ سننے والے کے دل و روح پر قبضہ کر لیتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ وصف ایسا مسلّمہ تھا کہ مخالف بھی اس کی شہادت دیتے تھے اور جاہل دشمن اسی کا نام سحر و جادو رکھا کرتے۔ سلسلہ سخن ایسا مرتب ہوتا تھا جس میں لفظاً و معناً کوئی خلل نہ ہوتا۔ الفاظ ایسی ترتیب سے ادا فرمایا کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو الفاظ کا شمار کر سکتا تھا۔[1]

ہنسنا رونا

نبی ﷺ کبھی کھلکھلا کر ہنسنا پسند نہ کرتے تھے اور نہ خود ہنستے تھے۔ تبسم ہی آپ کا ہنسنا تھا۔ نماز تہجد میں بسا اوقات آنحضرت ﷺ رو پڑا کرتے۔ کبھی کسی مخلص کے مرنے پر آبدیدہ ہو جاتے۔ آنحضرت ﷺ کے فرزند ابراہیم سلام اللہ علیہ دودھ پیتے میں گزر گئے تھے۔ جب انھیں قبر میں رکھا گیا، تو حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا:

تدمع العین ویحزن القلب ولا آنکھوں میں نم ہے، دل میں غم ہے، پھر بھی ہم وہی

نقول الا ما یرضی ربنا وانا علیك بات کہتے ہیں جو ہمارے پروردگار کو پسندیدہ

یاابراھیم لمحزونون۔[2] ہے۔ ابراہیم! ہم کو تیری وجہ سے رنج ہوا۔

ایک دفعہ اپنی نواسی سانس توڑتی (دختر زینب) کو گود میں اُٹھایا۔ اس وقت حضور ﷺ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ سعدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) یہ کیا؟ فرمایا: یہ رحم دلی ہے

۱- زاد المعاد، جلد ۱، ص ۴۷۔ ۲- بخاری، کتاب الجنائز، باب ۴۲، حدیث ۱۲۴۱۔ مسلم، کتاب الفضائل باب ۱۵، حدیث ۲۳۱۵۔

جو خدا اپنے بندوں کے دلوں میں بھر دیتا ہے اور اللہ بھی اپنے اُنھی بندوں پر رحم کرے گا' جو رحم دل ہیں۔۱

ایک دفعہ ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید سنا رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا [النساء۴:۴۱] تب کیسی ہو گی جب ہر ایک اُمّت پر خدا ایک ایک گواہ کھڑا کرے گا اور آپ کو ہم سب اُمتوں پر شہادت کے لیے کھڑا کریں گے۔

فرمایا: بس ٹھہرو! ابن مسعودؓ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔۲

غذا کے متعلق ہدایت

رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔۳ کھانا کھاتے ہی سو جانے سے منع فرمایا کرتے۔۴ تقلیل غذا کی رغبت دلایا کرتے۔ فرمایا کرتے کہ معدہ کا ایک تہائی حصہ کھانے' ایک تہائی پانی کے لیے' ایک تہائی حصہ خود معدہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔۵ پھلوں' ترکاریوں کا استعمال ان کی مصلح چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔۶

مرض اور مریض

متعدد امراض سے بچاؤ رکھتے اور تندرستوں کو اس سے محتاط رہنے کا حکم دیا کرتے۔۷ بیمار کو طبیب حاذق سے علاج کرانے کا حکم فرماتے۸ اور پرہیز کرنے کا حکم دیتے۔۹

۱- بخاری عن اسامة بن زید الثلثة، کتاب الایمان والنذور، [کتاب المرضی، باب عیادة الصبیان، حدیث ۵۳۳۱] ۲- بخاری، عن ابن مسعود الثلثة، [کتاب فضائل القرآن، باب ۳۳، حدیث ۴۷۶۳] ۳- زاد المعاد' جلد ۲' ص ۷۸۔ ۴- زاد المعاد' جلد ۲' ص ۸۷ بحوالہ نعیم ۵- زاد المعاد' جلد ۲' ص ۷۶- زاد المعاد' جلد ۲' ص ۳۵۷- زاد المعاد' جلد ۲' ص ۵۰... بہ تمسک حدیث صحیح مسلم عن جابر [بن] عبداللہ وصحیح بخاری تعلیقًا من حدیث ابی ہریرة الثلثة وصحیحین عن حدیث ابی ہریرہ الثلثة۔ [بخاری، کتاب الانبیاء، باب ۱۲، حدیث ۳۲۸۶، مسلم، کتاب السلام، باب ۳۲، حدیث ۲۲۱۸] واضح ہو کہ ترمذی کی حدیث "اخذ بید مجذوم" [ترمذی، ابواب الاطعمة، باب الاکل مع المجذوم، حدیث ۱۸۱۷] کی بابت ابن القیم کہتے ہیں کہ اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ ابوہریرہؓ کی حدیث "لاعدوی ولاطیرة" [بخاری، کتاب الطب، باب الجذام، حدیث ۵۳۸۰، مسلم، کتاب السلام، باب ۳۳، حدیث ۲۲۲۰] صحیح میں ہے مگر خود ابوہریرہؓ کو اس حدیث کی بابت شک سا ہو گیا ہے، اور انھوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔ (افادات ابن القیمؒ) ۸- زاد المعاد' جلد دوم' ص ۴۶۔ ۹- زاد المعاد' جلد دوم' ص ۳۵۔

نادان طبیب کو طبابت سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے۔[1] حرام اشیا کو بطور دوا استعمال کرنے سے منع فرماتے۔ ارشاد فرماتے اللہ نے حرام چیزوں میں تمھارے لیے شفا نہیں رکھی۔[2]

عیادتِ بیماراں

صحابہؓ میں جو کوئی بیمار ہو جاتا' اس کی عیادت فرمایا کرتے۔ عیادت کے وقت مریض کے قریب بیٹھ جاتے' بیمار کو تسلی دیتے' لا باس طہور (یا کفارۃ) ان شاء اللہ فرمایا کرتے۔ مریض کو پوچھ لیتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے۔ اگر وہ شے اس کو مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کر دیا کرتے۔ ایک یہودی لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس کی عیادت کو بھی تشریف لے گئے۔[3]

علاج

حالتِ مرض میں دوا کا استعمال خود فرمایا اور لوگوں کو بھی علاج کرنے کا ارشاد فرماتے:

یا عباد اللّٰہ تداووا فان اللّٰہ عزّوجلّ اے بندگانِ خدا! دوا کیا کرو کیونکہ خدا نے ہر مرض کی شفا

لم یضع دائً ا الا وضع لہ شفائً ا غیر مقرر کی ہے۔ بجز ایک مرض کے۔ لوگوں نے پوچھا

دایٍ واحدٍ۔ قالوا ما ھو؟ قال الھرم۔[4] کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: کھوسٹ (بڑھاپا)۔

خطبہ خوانی

زمین یا منبر پر کھڑے ہو کر یا شتر و ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ فرمایا کرتے جس کا آغاز تشہد سے اور اختتام استغفار پر ہوا کرتا۔ قرآن مجید اس خطبہ میں ضرور ہوتا اور قواعد اسلام کی تعلیم اس خطبہ میں دی جایا کرتی تھی۔

کان یخطب فی کل وقت بما تقتضیہ حاجۃ المخاطبین ومصلحتھم۔[5] خطبہ میں وہ باتیں ضرور بیان کی جاتی تھیں جن کی سر دست مسلمانوں کو ضرورت ہوتی اور وقت و ضرورت کے اعتبار سے خطبہ میں سب کچھ بیان ہوا کرتا۔

ایسے خطبات' جمعہ کے دن ہی پر موقوف نہ ہوتے' بلکہ جب ضرورت اور موقع ہوتا

_____ ۱-زادالمعاد، ج ۲، ص ۴۷۲-زادالمعاد، جلد دوم، ص ۵۳ بحوالہ بخاری عن ابن مسعودؓ ۳-زادالمعاد، جلد ۱، ص ۱۴۳۔ ۴-زادالمعاد، جلد دوم، ص ۵ بحوالہ مسند امام احمد (المتوفی ۲۴۱ھ) ۵-زادالمعاد، جلد ۱، ص ۴۹۔

تب ہی لوگوں کو کلام پاک سے مستفید فرمادیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت ہاتھ میں کبھی عصا ہوتا' کبھی کمان۔ ان پر اثنائے تقریر میں ٹیک بھی لگایا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت تلوار کبھی ہاتھ میں نہ ہوتی تھی۔ نہ اس پر ٹیک لگایا کرتے۔

علامہ ابن القیمؒ کہتے ہیں: ''جاہلوں کا قول ہے کہ نبی ﷺ منبر پر تلوار لے کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ گویا اشارہ یہ تھا کہ دین بزور شمشیر قائم کیا گیا ہے''۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں: ''جہال کا یہ قول غلط ہے۔''

۱- تلوار پر خطبہ میں ٹیک لگانا ثابت نہیں۔

۲- خطبہ خوانی کا آغاز مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ بذریعہ قرآن فتح ہوا تھا نہ کہ بذریعہ شمشیر۔ پھر علامہ موصوف یہ بھی بتاتے ہیں کہ دین تو وحی سے قائم ہوا ہے۔[۱]

صدقہ وہدیہ

صدقہ کی کوئی چیز ہر گز استعمال نہ کرتے' البتہ ہدیہ قبول فرماتے۔ مخلصین صحابہؓ نیز عیسائی اور یہودی جو چیزیں تحفۃً بھیجتے انھیں قبول فرمالیتے۔ ان کے لیے خود بھی تحفے ارسال فرماتے۔ مگر مشرکین کے ہدایا لینے سے انکار فرماتے۔

مقوقس متی شاہ مصر کے بھیجے ہوئے خچر پر حضور ﷺ نے سواری فرمائی اور جنگ حنین کے دن وہی خچر آنحضرت ﷺ کی سواری میں تھا۔ لیکن عامر بن مالک کے بھیجے ہوئے گھوڑے کو قبول کرنے سے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کرتے۔[۲] جو قیمتی تحائف آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کرتے' اکثر اوقات انھیں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ پر تقسیم فرمادیا کرتے۔

اپنی تعریف

اپنی ایسی تعریف جس سے کسی دوسرے نبی کی کمی نکلتی' پسند نہ فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے: لا تخیروا بین الانبیاء۔[۳] نبیوں کے ذکر میں ایسی طرز اختیار نہ کرو کہ ایک کی دوسرے کے مقابلے میں کمی نکلتی ہو۔

ایک بیاہ میں تشریف لے گئے وہاں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بزرگوں کے تاریخی کارنامے گارہی تھیں۔ انھوں نے یہ بھی گایا کہ ''ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو کل فردا

الثلثة [عن ابی سعید خدری۔

۱۔ زاد المعاد، جلد ۱، ص ۴۹۔ ۲۔ زاد المعاد، جلد ۱، ص ۱۶۱۔ ۳۔ بخاری

کتاب الخصومات، باب ۱، حدیث ۲۲۸۱]

کی بات آج بتا دیتا ہے''۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ نہ کہو۔[1] جو پہلے کہتی تھیں وہی کہے جاؤ۔

اظہارِ حقیقت یا خوش عقیدہ پن کی اصلاح

سیدنا ابراہیم فرزندِ رسولؐ کا انتقال ہو گیا۔ اس روز سورج گرہن بھی ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج بھی گہنا گیا۔ نبی ﷺ نے لوگوں کے مجمع میں خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ سورج چاند کسی کے مرنے یا جینے سے نہیں گہنایا کرتے۔[2]

مصلحتِ عامہ کا لحاظ

۱- جب قریش نے اسلام سے پہلے کعبہ کی عمارت بنائی تو انھوں نے کچھ تو عماراتِ ابراہیمی میں اندر کی جگہ باہر چھوڑ دی۔ پھر کرسی اتنی اُونچی رکھی کہ زینہ لگانا پڑے اور بیت اللہ میں دروازہ بھی صرف ایک ہی رکھا۔ نبی ﷺ نے ایک روز عائشہ طیبہؓ سے فرمایا: لولا انّ قومک حدیثُ عھدِ ھم بکفرٍ لنقضتُ الکعبۃَ فجعلت لھا بابین، باب یدخل الناس و باب یخرجون منہ۔[3] قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں ورنہ میں اس عمارت کو گرا دیتا۔ کعبہ میں دو دروازے رکھتا' ایک آنے کا' ایک جانے کا۔

۲- جب منافقین کے شر انگیز افعال و حرکات حد سے بڑھ گئے تو عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ انھیں قتل کر دینا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: نہیں (بے خبر لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے دوستوں کو قتل کرنے لگا)۔

بشریت و رسالت

نبی ﷺ ان احکام [کو] جو شانِ رسالت سے ظاہر ہوتے' ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت ثابت ہوتے' ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی فرماتے۔

۱- ایک دفعہ فرمایا: میں بشر ہوں۔ میرے سامنے تنازعات پیش ہوتے ہیں۔ کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنے مدعا کو بہتر طریق پر ادا کرنے والا ہوتا ہے' جس سے گمان ہو جاتا ہے کہ وہ سچا

۱- صحیح بخاری عن ربیع بنت معوذؓ۔ [کتاب النکاح، باب ۴۹، حدیث ۴۸۵۲] ۲- بخاری عن مغیرہ بن شعبۃؓ۔ [کتاب الکسوف، باب ۱۵، حدیث ۱۰۱۱] ۳- بخاری عن ابن زبیر عن عائشہؓ۔ امام بخاری نے اس حدیث کا باب ان

الفاظ میں لکھا ہے: **باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم بعض الناس**۔ یہ باب **کتاب العلم** میں ہے۔ [باب ۴۸، حدیث ۱۲۶]

ہے اور میں اُسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس اگر کسی شخص کو کسی مسلمان کے حصے میں سے اس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہو تو وہ سمجھ لے کہ یہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے۔ اب خواہ لے، خواہ چھوڑ دے۔[1]

۲- بریرہ لونڈی سے آنحضرت ﷺ نے مغیث اس کے شوہر کی سفارش کی جس سے بوجہ آزادی (حریت) علیحدہ ہو چکی تھی۔ بریرہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپ حکم دے رہے ہیں؟ فرمایا: نہیں میں سفارش کرتا ہوں۔ وہ بولی: مجھے مغیث کی حاجت نہیں۔[2]

اہل مدینہ نر کھجور کا بور مادہ کھجور پر ڈالا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے؟ اہل مدینہ نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھل درختوں پر کم لگا۔ لوگوں نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے گزارش کی۔ فرمایا: دنیا کے کام تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ جب میں کوئی کام دین کا بتایا کروں، تو اس کی پیروی کیا کرو۔

بچوں پر شفقت

بچوں کے قریب سے گزر فرماتے تو اُن کو خود السلام علیکم کہا کرتے،[3] اُن کے سر پر ہاتھ رکھتے [اور] انھیں گود میں اُٹھا لیتے۔

بوڑھوں پر عنایت

فتح مکہ کے بعد ابو بکر صدیقؓ اپنے بوڑھے، ضعیف، فاقد البصر باپ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت اسلام کرانے کے لیے لائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم نے بوڑھے کو کیوں تکلیف دی۔ میں خود اُن کے پاس چلا جاتا۔

اربابِ فضل کی قدر و منزلت

۱- سعد بن معاذؓ کو جو خندق میں سخت زخمی ہو گئے تھے، یہودیانِ بنو قریظہ نے اپنا حکم اور منصف تسلیم کر کے بلایا تھا۔ جب وہ مسجد تک پہنچے تو آپ نے اپنے صحابہؓ سے جو قبیلہ اوس کے تھے، فرمایا: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ۔[4] اپنے سردار کی پیشوائی کو جاؤ۔ لوگ گئے ان کو آگے بڑھ کر لے آئے۔

۲- حسان بن ثابتؓ اسلام کی تائید اور مخالفین کے جواب میں اشعار نظم کر کے لاتے تو ان کے لیے مسجد نبویؐ میں منبر رکھ دیا جاتا جس پر چڑھ کر وہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

خادم کے لیے دُعا

انسؓ بن مالک نے دس سال تک مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت کی۔

_____ ۱- بخاری عن ام سلمہ الثالثة ،کتاب المظالم۔[کتاب الشهادات، باب ۱۶، حدیث ۲۵۱۹] ۲-بخاری عن ابن عباس الثالثة ،کتاب الطلاق۔[باب ۱۵، حدیث ۴۹۷۹] ۳-بخاری عن انس الثالثة کتاب الاستیذان۔[باب ۱۵، حدیث ۵۸۹۳] ۴-[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل، حدیث ۲۸۱۶]

اس عرصہ میں کبھی ان سے یہ نہ کہا کہ یہ کام کیوں نہ کیا۔ایک روز اُن کے حق میں دعا فرمائی: اللّٰھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیما اعطیتہ۔۱ الٰہی! اسے مال بھی بہت دے، اور اولاد بھی بہت دے اور جو کچھ اسے عطا کیا جائے اس میں برکت بھی دے۔

ادب وتواضع

۱- مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔

۲- جو کوئی مل جاتا اسے سلام پہلے خود کر دیتے۔

۳- مصافحہ کے لیے خود پہلے ہاتھ پھیلا دیتے۔

۴- صحابہؓ کو کنیت کے نام سے پکارتے (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی طریق ہے)۔

۵- کسی کی بات کبھی قطع نہ فرماتے۔

۶- اگر نماز نفل میں ہوتے اور کوئی شخص پاس آبیٹھتا تو نماز کو مختصر کر دیتے اور اس کی ضرورت پوری کر دینے کے بعد پھر نماز میں مشغول ہوتے۔

۷- اکثر متبسم رہتے۔۲

۸- آنحضرت ﷺ کے ایک ناقہ کا نام عضبا تھا۔ کوئی جانور اس سے آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ایک اعرابی اپنی سواری پر آیا اور عضبا سے آگے نکل گیا۔ مسلمانوں کو یہ بہت ہی شاق گزرا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ان حقا علی اللہ اعز وجل ان لا یرفع شیئاً من الدنیا الاّ وضعہ۔۳ دنیا میں خدا کی سنت یہی ہے کہ کسی کو اُٹھاتا ہے تو اسے نیچا بھی دکھاتا ہے۔

۹- ایک شخص آیا، اس نے نبی ﷺ کو یا خیر البریہ (برترین خلق) کہہ کر بلایا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ذاک ابراھیم یہ شان تو ابراہیمؑ کی ہے۔۴

۱۰- ایک شخص حاضر ہوا وہ نبی ﷺ کی ہیبت سے لرز گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

ھوّن علیك ، فانی لست بملك انّما انا ابن امرأۃ من قریش تاکل القدید۔۵ کچھ پروانہ کرو۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں قریش کی ایک غریب عورت کا فرزند ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

شفقت ورافت

حضرت عائشہؓ صدیقہ کہتی ہیں:

۱- کوئی شخص بھی اچھے خلق میں آنحضرت ﷺ جیسا نہ تھا۔ خواہ کوئی صحابی بلاتا یا گھر کا کوئی شخص، نبی ﷺ اُس کے جواب میں لبیک (حاضر) ہی

۱- [بخاری، **کتاب الدعوات، باب قول اللہ تعالیٰ وصل علیھم**، حدیث ۵۸۵۹] ۲- ماخوذ از الشفاء، ص ۵۴۔۳- صحیح بخاری۔ [**کتاب الرقاق**، باب ۳۸، حدیث ۶۱۳۶] ۴- صحیح بخاری۔ [مسلم، **کتاب الفضائل**، باب ۴۱، حدیث ۲۳۶۹، ابوداؤد، **کتاب السنۃ**، باب ۱۴، حدیث ۴۶۷۲] ۵- صحیح بخاری۔ [**ابن ماجۃ، کتاب الاطعمۃ**، باب ۳۰، حدیث ۳۳۱۲] غرباخشک گوشت کھایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے۔[۱]

۲-عبادت نافلہ چھپ کر ادا فرمایا کرتے تاکہ اُمت پر اس قدر عبادت کرنا شاق نہ ہو۔

۳-جب کسی معاملہ میں دو صورتیں سامنے آتیں تو آسان صورت کو اختیار فرماتے۔[۲]

۴-اللہ پاک کے ساتھ معاہدہ کیا کہ جس شخص کو میں گالی دوں یا لعنت کروں وہ گالی اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ، رحمت و بخشش اور قرب کا ذریعہ بنادی جائے۔

۵-فرمایا: ایک دوسرے کی باتیں مجھے نہ سنایا کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں، تو سب کی طرف سے صاف سینہ جاؤں۔[۳]

۶-وعظ و نصیحت کبھی کبھی فرمایا کرتے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں۔[۴]

۷-ایک بار سورج گرہن ہوا۔ نماز کسوف میں نبی ﷺ روتے تھے اور دعا میں فرماتے تھے: رب الم تعدنی ان لا تعذبھم وانا فیھم وھم یستغفرون و نحن نستغفرک۔[۵] (ترجمہ) اے پروردگار! تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو (بہر دو صورت) عذاب نہ دیا جائے گا (۱) جب تک میں ان کے درمیان موجود ہوں (۲) جب تک یہ استغفار کرتے رہیں۔ (اب اے خدا! میں موجود ہوں) اور سب استغفار بھی کر رہے ہیں۔

لکل نبی دعوۃ یدعوبھا فاستجیب لھا فجعلت دعوتی شفاعۃ لامتی یوم القیٰمۃ۔[۶] (ترجمہ) ہر ایک نبی کے لیے ایک ایک دعا تھی۔ وہ مانگتے رہے اور دعا قبول ہوتی رہی۔ میں نے اپنی دعا کو اپنی اُمت کی شفاعت روزِ قیامت کے لیے محفوظ رکھا ہے۔

عدل و رحم

اگر دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہوتا تو عدل فرماتے اور اگر کسی شخص کا، نفس مبارک کے ساتھ کوئی معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

۱-فاطمہ نام ایک عورت نے مکہ میں چوری کی۔ لوگوں نے اسامہؓ سے جو آنحضرت ﷺ کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو؟ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی ایسا کرتی تو میں حدّ جاری کرتا۔[۷]

_____ ۱- الشفاء، ص ۵۳۔۲- صحیح بخاری عن عائشہ الثلثۃ [کتاب المناقب، باب ۲۰، حدیث ۳۳۶۷]۳-الشفاء، ص ۵۵۔۴- صحیح بخاری عن ابن مسعود الثلثۃ۔[کتاب العلم، باب ۱۱، حدیث ۶۸]۵-زاد المعاد، جلد ۱، ص ۴۹۔[سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۶۸، حدیث ۱۱۹۴]۶- صحیح بخاری عن انس الثلثۃ کتاب الدعوات۔[باب ۱، حدیث ۵۹۴۵]۷- صحیح بخاری عن عائشہ الثلثۃ، کتاب الحدود۔[باب ۱۲، حدیث ۶۴۰۶]

۲- سواد بن عمرؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کے سامنے رنگین کپڑے پہن کر گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حُط حُط فرمایا اور چھڑی سے اُن کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں تو قصاص لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔۱

اعدا پر رحم

۱- مکہ میں سخت قحط پڑا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے مردار اور ہڈیاں بھی کھانی شروع کر دیں۔ ابوسفیان بن حرب (اُن دنوں دشمن غالی تھا) نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ محمدؐ! آپ تو لوگوں کو صلہ رحم (حسن سلوک باقرابت داراں) [یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک] کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ دیکھیے، آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجیے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی اور خوب ہی بارش ہوئی۔۲

۲- ثمامہ بن اثالؓ نے نجد سے مکہ کو جانے والا غلہ بند کر دیا۔ اس لیے کہ اہل مکہ آنحضرت ﷺ کے دشمن ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔۳

۳- حدیبیہ کے میدان میں آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ نماز صبح پڑھ رہے تھے۔ ۷۰، ۸۰ آدمی چپکے سے کوہ تنعیم سے اُترے تاکہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے قتل کر دیں۔ یہ سب گرفتار ہو گئے اور نبی ﷺ نے ان کو بلا کسی فدیہ یا سزا کے آزاد فرما دیا۔

جود و کرم

۱- سائل کو کبھی ردّ نہ فرماتے۔ زبانِ مبارک پر حرفِ انکار نہ لاتے۔ اگر کچھ بھی دینے کو پاس نہ ہوتا [تو] سائل سے عذر کرتے۔ گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔

۲- ایک شخص نے آکر سوال کیا۔ فرمایا: میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں پھر اسے اُتار دوں گا۔ عمر فاروقؓ نے کہا کہ خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ نبی ﷺ چپ سے رہ گئے۔ ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا: یارسولؐ اللہ! جواب دیجیے، رب العرش مالک ہے۔ تنگ دستی کا کیا ڈر ہے؟ نبی ﷺ ہنس پڑے۔ چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار آشکارا ہو گئے۔ فرمایا: ہاں مجھے یہی حکم ملا ہے۔۴

۱- الشفاء قاضی عیاض، ص ۳۱۱۔۲- صحیح بخاری عن ابن مسعود باب اذا استشفع المشرکون۔[کتاب الاستسقاء، حدیث ۹۷۴]۳-[تفصیل وفود عرب کے تحت حضرت ثمامہ بن اثالؓ کے ایمان لانے کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔]۴-الشفاء، ص ۵۰بحوالہ شمائل ترمذی۔ [باب ما جاء فی خُلُق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسند البزار، ج۲، ص۳۹۶]

۳-ایک بار ایک سائل کو آدھا وسق غلّہ قرض لے کر دلایا۔ قرض خواہ تقاضا کے لیے آیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے ایک وسق غلّہ دے دو۔ آدھا تو قرض کا ہے، آدھا ہماری طرف سے جود و سخا کا ہے۔[۱]

۴-فرمایا کرتے: اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اُسے ادا کریں گے اور اگر کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ وارثوں کا حق ہے۔[۲]

شرم وحیا

۱-ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی ﷺ میں ۳ حیا تھی۔ جب کوئی ایسی بات حضور ﷺ کے سامنے کی جاتی جس سے حضور ﷺ کو کراہت ہوتی تو چہرہ مبارک سے فوراً معلوم ہو جاتا تھا۔

۲-عائشہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے: اگر کسی شخص کی کوئی حرکت نبی ﷺ کو پسند نہ آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، بلکہ عام الفاظ میں اس حرکت و فعل کی نہی فرما دیتے۔[۴]

۳-عادات و معاملات میں اپنی جان پر تکلیف اُٹھا لیتے مگر دوسرے شخص کو ازراہِ شرم کام کرنے کو نہ فرماتے۔

۴-جب کوئی 'عذر خواہ' سامنے آکر معافی کا طالب ہوتا تو آنحضرت ﷺ شرم سے گردن مبارک جھکا لیتے۔[۵]

۵-عائشہ طیبہؓ کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو برہنہ کبھی نہیں دیکھا۔

صبر و حلم

۱-زید بن سعنہ ایک یہودی تھا۔ نبی ﷺ کو اس کا قرض دینا تھا۔ وہ ایک روز آیا۔ آتے ہی چادر آپ کے شانہ سے اُتار لی۔ جسم کے کپڑے پکڑ لیے اور ٹرانے لگا کہ عبدالمطلب والے بڑے نادہند [ادائیگی نہ کرنے والے] ہوتے ہیں۔ عمر فاروقؓ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ نبی ﷺ ہنس پڑے۔ فرمایا: عمر! تمھیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے۔ مجھے حسنِ ادائیگی کے لیے کہتے اور اُسے حسنِ تقاضا سکھاتے۔ پھر زید کی جانب حضور ﷺ مخاطب ہوئے۔ فرمایا: ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ پھر عمرؓ سے فرمایا: اس کا قرض ادا کر دو۔

۱- الشفاء، ص ۵۱۔ عن ابی ہریرۃ الثلثۃ۔ [مجمع الزوائد، کتاب البیوع، باب ۱۱۴، حدیث ۶۶۹۱، ج ۴، ص ۲۵۱] ۲- صحیح بخاری، عن ابی ہریرۃ الثلثۃ کتاب الفرائض۔ [باب ۳، حدیث ۶۳۵۰] ۳- صحیح بخاری عن ابی سعید الثلثۃ۔ [کتاب

المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۳۳۶۹]۴-الشفا ص ۵۲ [ج ۱، ص ۹۶] رواہ ابوداؤد [کتاب الادب،
حدیث ۴۷۸۸]۵- ترمذی فی الشمائل والشفا ص ۵۲۔

بیس صاع زیادہ بھی دینا کہ تم نے اسے دھمکایا اور ڈرایا بھی تھا۔[1]

۲-ایک اعرابی آیا۔ اس نے زور سے آنحضرت کی چادر کو، جو موٹے کنارے کی تھی، جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ آنحضرت ﷺ کی گردن میں گڑ گیا اور نشان پڑ گیا۔ اعرابی نے اب زبان سے یہ کہا: محمدؐ! یہ مالِ خدا جو تمھارے پاس ہے، نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ اس میں سے ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ۔ نبی ﷺ نے ذرا خاموشی کے بعد فرمایا: بے شک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں۔ بالآخر حکم فرمایا کہ ایک بار شتر جو اور ایک بارِ شتر کھجوریں اسے دی جائیں۔[2]

۳- طائف میں آنحضرت ﷺ وعظ اور تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں نے حضور ﷺ پر کیچڑ پھینکی، آوازے لگائے [اور] اتنے پتھر مارے کہ حضور ﷺ لہو سے تربہ تر اور بے ہوش ہو گئے۔ پھر بھی یہی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو اُمید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔[3]

عفو و رحم

۱-عائشہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ذات مبارک کی بابت کسی سے انتقام نہیں لیا۔

۲-جنگ اُحد میں کافروں نے نبی ﷺ کے دانت توڑے، سر پھوڑا۔ حضور ﷺ ایک غار میں بھی گر گئے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ان پر بد دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں لعنت کرنے کے لیے نبی نہیں بنایا گیا۔ خدا نے مجھے لوگوں کو اپنی بارگاہ میں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد یہ دعا فرمائی: اے خدا! میری قوم کو ہدایت فرما۔ وہ (مجھے) نہیں جانتے ہیں۔[4]

۳-ایک درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ سو گئے۔ تلوار شاخ سے آویزاں کر دی۔ غورث بن الحراث آیا۔ تلوار نکال کر نبی ﷺ کو گستاخانہ جگایا۔ بولا: اب تم کو کون بچائے گا؟ فرمایا: اللہ! وہ چکر کھا کر گر پڑا۔ آنحضرت ﷺ نے تلوار اُٹھالی، فرمایا: اب تجھے کون بچا

۱-الشفا، عیاض ص ۴۸ [ج ۱، ص ۸۶]۔ رواہ البیہقی [ج ۶، ص ۵۲، حدیث ۱۱۰۶۶] اس کے بعد زید مسلمان ہو گیا۔ ۲- صحیحین عن انس والشفاء، ص ۴۸۔ [ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث ۴۷۷۵، نسائی، کتاب القسامۃ، حدیث ۴۷۷۶] ۳- صحیح بخاری، [کتاب الانبیاء، باب ۵۲، حدیث ۳۲۹۰] ۴-الشفا، قاضی عیاض، ص ۴۷ [ج ۱، ص ۸۶]

سکتا ہے؟ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا: جاؤ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔[۱]

۴- ہبار نے آنحضرت ﷺ کی بیٹی زینبؓ کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے نیچے گر گئیں اور حمل ساقط ہو گیا' اور بالآخر یہی صدمہ ان کی موت کا باعث ہوا۔ ہبار نے عفو کی التجا کی اور [آپ ﷺ نے] اسے معاف فرمایا۔[۲]

۵- فرمایا: زمانۂ جاہلیت سے لے کر جن باتوں پر قبائل میں باہمی جنگ و جدل چلا آتا ہے' سب کو معدوم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا دعویٰ اور اپنے چچا کے رقومِ قرضہ کو معاف کرتا ہوں۔[۳]

صدق و امانت

۱- جانی دشمن بھی نبی ﷺ کے ان اوصاف کے قائل تھے۔ صادق و امین بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کا خطاب پڑ گیا تھا۔ انھی اوصاف کی وجہ سے قبل از نبوت بھی لوگ اپنے مقدمات کو انفصال کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے۔[۴]

۲- ایک روز ابو جہل نے کہا: محمدؐ! میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا' لیکن تیری تعلیم پر میرا دل نہیں ٹھہرتا۔[۵]

۳- شب ہجرت کو کفار نے تو آنحضرت ﷺ کے قتل کا مشورہ اور اتفاق کیا تھا اور حضور ﷺ نے پیارے بھائی علیؓ کو اس کے لیے پیچھے چھوڑا کہ اُن کی امانتوں کو ادا کر کے آنا۔

عفّت و عصمت

۱- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ایام جاہلیت کی رسموں میں سے میں نے کبھی کسی میں بھی حصہ نہیں لیا۔ صرف دو دفعہ ارادہ کیا' اللہ تعالیٰ نے خود ہی بچا لیا۔ دس برس سے کم عمر تھی' میں نے اس چرواہے کو جس کے ساتھ میں بکریاں چراتا تھا' کہا: اگر تم میری بکریاں سنبھالے رکھو تو میں مکّہ (آبادی کے اندر) جاؤں۔ جیسے اور نوجوان کہانیاں کہتے سنتے ہیں' میں بھی کہانیاں کہوں سنوں۔ اس ارادہ سے میں شہر کو آیا۔ پہلے ہی گھر پہنچا تھا کہ وہاں دَف و مزامیر بج رہے تھے۔ اس گھر میں بیاہ تھا۔ میں انھیں دیکھنے لگا۔ نیند نے غلبہ کیا' میں سو گیا۔ جب سورج نکلا تب آنکھ کھلی۔ ایک دفعہ پھر ایسی ہی نیت

۱- صحیح بخاری' [کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع ۳۹۰۵]' والشفاء' ص ۴۷ [ج ۱، ۲۵۸] ۲- دیکھو' [کتاب ہذا] بیان فتح مکہ ۳- صحیح بخاری خطبہ نبوی بروز فتح مکہ۔ [یہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا تھا۔ دیکھیے: مسلم، کتاب الحج، باب ۱۹، حدیث ۱۲۱۸] ۴- الشفا قاضی عیاض' ص ۴۹۵- الشفا' ص ۵۹۔

سے آیا تھا۔اسی طرح نیند آگئی اور وقت گزر گیا۔ان دو واقعات کے سوا میں نے کبھی مکروہاتِ جاہلیت کا ارادہ بھی نہیں کیا۔۱

۲-عہدِ نبوت سے پہلے کا ذکر ہے' زید بن عمرو بن نفیل نے نبی ﷺ کی دعوت کی۔دستر خوان پر گوشت بھی آیا۔نبی ﷺ نے فرمایا: انی لاآکل مماتذبحون علٰی انصابکم ولاآکل الاماذکر اسم اللہ علیہ۔میں وہ گوشت نہیں کھاتا جو بتوں یا استھانوں کی قربانی کا ہو۔میں تو صرف وہی گوشت کھایا کرتا ہوں' جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔۲

زہد

۱-آنحضرت ﷺ کی دعا یہ تھی: یاربّ اجوع یومًا واشبع یومًا۔فاماالیوم الذی اجوع فیہ فاتضرع الیک واد عوک۔واماالیوم الذی اشبع فیہ فاحمدک واثنی علیک۔الٰہی! ایک دن بھوکا رہوں' ایک دن کھانے کو ملے۔بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں' تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد وثنا کیا کروں۔۳

۲-[حضرت عائشہ] صدیقہؓ کہتی ہیں: ایک ایک مہینہ برابر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی۔حضور ﷺ کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کرتا۔۴

۳-حضرت عائشہؓ کہتی ہیں' نبی ﷺ نے مدینہ آکر تین دن تک برابر گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔۵

۴-نبی ﷺ نے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلّہ جو رہن تھی۔۶

۵-آنحضرت ﷺ اس دنیا کی آخری شب میں تھے کہ عائشہ صدیقہؓ نے پڑوسن سے چراغ کے لیے تیل منگوایا تھا۔۷

۶-دعا فرمایا کرتے: الٰہی! آل محمدؐ کو صرف اتنا دے جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔

۱-الشفاء' ص ۶۰۔۲-بخاری عن عبداللہ 'کتاب الصید والذبائح، [باب ما ذُبح علی النصب والاصنام، حدیث ۵۱۸۰، نیز کتاب المناقب، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل، ۳۵۴۰]۳-الشفاء' ص ۶۲۔۴-بخاری عن عائشۃ الثلثۃ [کتاب الرقاق، باب ۱۷، حدیث ۶۰۹۳۔بعض روایات میں دو دو مہینوں تک چولہا نہ جلنے کا ذکر ہے۔دیکھیے: بخاری، کتاب الہبۃ، باب ۱، حدیث ۲۴۲۸]۵-صحیح بخاری عن عائشۃ الثلثۃ، کتاب الاطعمہ، [باب ۲۲، حدیث ۵۱۰۰]۶-صحیح بخاری عن عائشۃ الثلثۃ، [کتاب الجہاد والسیر، باب ۸۸، حدیث ۲۷۵۹]۷-صحیح بخاری عن عائشۃ الثلثۃ [تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۱۶۴]

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ زہد کی یہ تمام صورتیں اختیاری تھیں۔ لاچاری کچھ نہ تھی اور اس زہد سے مقصود نبی ﷺ کا یہ تھا کہ کسی حلال شے کے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کریں۔ ایسے خیال سے صرف ایک بار نبی ﷺ نے شہد کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک بیوی نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا۔ اللہ عزوجل نے نبی ﷺ سے فرمادیا کہ یہاں تک کھینچ نہیں کرنی چاہیے۔[1]

صنفِ نازک کی آسائش کا خیال

۱- اُمّ المومنین صفیہؓ ایک سفر میں ساتھ تھیں۔ وہ تمام جسم کو چادر سے ڈھانپ کر اُونٹ کی پچھلی نشست پر نبی ﷺ کے ساتھ سوار ہوا کرتی تھیں۔ جب وہ اُونٹ پر سوار ہونے لگتیں "تب یجلس عند بعیر فیضع رکبتہ فتضع صفیۃ رجلھا علی رکبتہ حتّٰی ترکب۔[2] آنحضرت ﷺ اپنا گھٹنا آگے بڑھادیتے۔ صفیہؓ اپنا پاؤں آنحضرت ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر اُونٹ پر چڑھ جایا کرتیں۔

۲- ایک دفعہ ناقہ کا پاؤں پھسلا۔ نبی ﷺ اور اُم المومنین صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دونوں گر پڑے۔ ابو طلحہؓ دوڑے دوڑے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: علیک بالمرأۃ۔ تم پہلے عورت کی خبر لو۔[3]

۳- ایک سفر میں اُونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اُونٹوں کی مہار پکڑے جاتا تھا' حدی خوانی کرنے لگا۔ حدی ایسی آواز سے شعر پڑھنے کو کہتے ہیں جس سے اُونٹ تیز چلنے لگتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دیکھو کانچ کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا۔[4]

اس ارشاد میں عورتوں کو کانچ کے آلات سے نبی ﷺ نے تشبیہ دی ہے۔ نفاست و نزاکت کے علاوہ وجہ تشبیہ عورتوں کا ضعف خلقت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ آرام اور آسائش کی مستحق ہیں۔

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح کی جاتی تھی۔ جنگ بدر میں جو

۱- یایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضاۃ ازواجک (التحریم ۶۶: ۱) ۲- صحیح بخاری، باب یسافر بالجاریۃ عن انس الثالثۃ، [کتاب البیوع، حدیث ۲۱۲۰] ۳- صحیح بخاری باب [مایقول اذا رجع من الغزو] عن انس الثالثۃ [حدیث ۲۹۲۰] ۴- صحیح مسلم [کتاب الفضائل، باب ۱۸، حدیث ۲۳۲۳]

قیدی مدینہ منورہ میں چند روز تک مسلمانوں کے پاس اسیر رہے ان میں سے ایک کا بیان ہے: خدا مسلمانوں پر رحم کرے، وہ اپنے اہل و عیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے کنبے سے پہلے ہمارے آرام کی فکر کیا کرتے تھے۔ جب قیدی اسیر ہو کر آتے تو نبی ﷺ پہلے اُن کے لباس کی فکر کیا کرتے تھے۔[۱]

مردانہ ورزشیں

مردانہ ورزشوں کا شوق دلایا کرتے۔ رکانہ عرب کا شاہ زور پہلوان تھا۔ وہ اپنے پچھڑ جانے کو اسلام لانے کی شرط ٹھہراتا تھا۔ نبی ﷺ نے اُسے تین بار پچھاڑ دیا تھا۔[۲]

تیر افگنی

نشانہ بازی کا لوگوں کو شوق دلایا کرتے۔ نشانہ بازی کی مشق کے لیے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: تیر چلاؤ۔ میں اس پارٹی کی طرف ہوں گا۔ یہ سن کر دوسری پارٹی نے تیر چلانے سے ہاتھوں کو روک لیا۔ سبب پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا: جب اس پارٹی میں رسول اللہ ﷺ شامل ہیں تو ہم اس کے مقابلے میں کیونکر تیر افگنی کر سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تیر چلاؤ، میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ ارموا وانا معکم کلکم۔[۳]

گھوڑ دوڑ

گھوڑوں کی دوڑ آنحضرت ﷺ کے حکم سے کرائی جاتی تھی۔ لمبی دوڑ ۵ یا ۶ میل کی اور ہلکی دوڑ ایک میل کی ہوتی تھی۔[۴]

مردم شماری

نبی ﷺ نے فرمایا: اکتبوالی من تلفظ بالاسلام من الناس۔ تمام کلمہ گو اشخاص کے نام میرے ملاحظہ کے لیے قلم بند کیے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس وقت مسلمانوں کا شمار ڈیڑھ ہزار ہوا۔ اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ کا شکر کیا، خوشی منائی۔ مسلمان کہتے تھے: اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں اب ہمیں کیا ڈر رہا ہے۔ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم میں سے کوئی اکیلا ہی نماز پڑھا کرتا تھا اور اسے ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔[۵]

افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ شمار کس سنہ میں ہوا تھا۔ صحیح بخاری کی دیگر روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری مردم (مسلم) شماری تھی۔ پہلی دفعہ کے شمار میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰۰، دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی۔

_____ ۱- صحیح بخاری، باب الکسوۃ للاساری عن جابر [کتاب الجهاد والسیر، باب ۱۴۰، حدیث ۲۸۴۶] ۲- الشفاء، قاضی عیاض، ص ۳۴ [ابوداؤد، کتاب اللباس، حدیث ۴۰۷۸، ترمذی، کتاب اللباس، باب العمائم علی القلانس، حدیث ۱۷۸۴] ۳- صحیح بخاری عن سلمة بن الاکوع [کتاب الجهاد والسیر، باب ۷۷] باب التحریض علی الرمی [حدیث ۲۷۴۳] ۴- صحیح بخاری [عن ابن عمر (الفاظ)، کتاب الجهاد والسیر، باب ۵۶، باب السبق بین الخیل حدیث ۲۷۱۳] ۵- ایضاً- [کتاب الجهاد والسیر، باب کتابة الامام للناس، حدیث ۲۸۹۵]

فصل دوم

تعلیماتِ رسالت

(احادیث کے آئینے میں)

آنحضرت ﷺ کی تعلیمِ پاک اعتقادات، عادات، معاملات، عبادات، ملکات، منجیات، احسانیات کے متعلق ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ نبی ﷺ کی افضلیت اور اسلام کی برتری کا مدار اسی تعلیم پر ہے۔ میرا مقصود اس جگہ صرف نمونہ دکھانا ہے۔ ان شاءاللہ اس کتاب کے حصہ سوم میں اس پر ذرا تفصیل سے تحریر کیا جائے گا۔

خدا کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق خدا پر

حق اللّٰہ علی عبادہ ان یعبدوہُ ولا یشرکوا بہ شیئًا وحق العباد علی اللّٰہ اذا فعلوہ ان لا یعذبھم۔[۱] (ترجمہ) ۱-اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ ۲-بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ کا حق ادا کریں تب وہ انھیں عذاب نہ دے۔

رحمتِ الٰہیہ کا بیان

نبی ﷺ نے فرمایا: خدا نے اس کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے یہ لکھ رکھا ہے:

اِنَّ رَحْمَتِیْ غَلَبَتْ غَضَبِیْ۔[۲] ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔

خدمتِ والدین

ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں جہاد (دشمنانِ دین سے جنگ) کرنا چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے پوچھا: تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ وہ بولا: ہاں! فرمایا انھی (کی خدمت) میں جہاد (حد درجہ کی کوشش) کرو۔[۳]

نصرت باہمی

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضًا وشبّك بين اصابعه۔[۴] (ترجمہ) ”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے بنیاد کی اینٹیں۔ایک سے دوسرے کو قوت ملتی ہے پھر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا یعنی مومن اس طرح ملے جلے رہتے ہیں“۔

۱- صحیح بخاری عن معاذ بن جبلؓ، کتاب الرقاق [باب ۳۷، باب من جاهد نفسه فی طاعة الله، حدیث ۶۱۳۵]۲- صحیح بخاری عن ابی هریرہؓ، کتاب [بدأ] الخلق [باب ۱، حدیث ۳۰۲۲]۳- صحیح بخاری، عن عمرؓ، کتاب الادب [باب۳۳، باب لایجاهد الا بإذن الابوین، حدیث ۵۶۲۷]۴- صحیح بخاری عن موسیٰؓ کتاب المظالم۔[باب۳۳، باب نصر المظلوم، حدیث ۲۳۱۴]

مسلمان کون ہے؟

المسلم من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ۔۱(ترجمہ) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔

ایمان کا کمال

لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیہ ما یحبّ لنفسہ۔۲(ترجمہ) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو کچھ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

شیرینی ایمان

ثلاثٌ من کنّ فیہ وجد حلاوۃ الایمان ۔ انّ یکون اللّٰہ ورسولہ احبّ الیہ ممّا سواھما۔ وان یحب المرء لا یحبّہ اِلاّ اللّٰہ ۔ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النّار۔۳(ترجمہ) تین باتیں ہیں، جس میں یہ ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت چکھ لے گا: ۱- خدا اور خدا کے رسول کی محبت اُسے سب سے بڑھ کر ہو، ۲- کسی بھائی سے للّٰہی محبت رکھتا ہو، کوئی غرض شامل نہ ہو۔ ۳- کفر میں جا پڑنے کو ایسا برا جانتا ہو، جیسا آگ میں گر جانے کو سمجھتا ہے۔

پسندیدہ اعمال

لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ادومہ وان قلّ۔ جو عمل ہمیشہ کیا جائے اگرچہ مقدار میں کم ہی ہو۔ پھر فرمایا: اکلفوا من العمل ما تطیقون۔۴(عبادت) اتنا ہی کیا کرو، جسے بآسانی کر سکو۔

اعمال شاقہ سے ممانعت

۱- نبی ﷺ نے ایک گھر میں رسّی لٹکتی دیکھی۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فلاں عورت نے لٹکا رکھی ہے۔ رات کو (عبادت کرتی ہوئی) جب اونگھنے لگتی ہے تو اس سے لٹک پڑتی ہے۔ فرمایا: اسے کھول دو۔ عبادت (نافلہ) اس وقت

_____ ۱- صحیح بخاری عن عبدالله بن عمر ' کتاب الایمان، [باب ۳، حدیث ۱۰] ۲- صحیح بخاری ' عن انس کتاب الایمان، [باب ٦، حدیث ۱۳] ۳- صحیح بخاری ' عن انس (الفلقة) ، کتاب الایمان، [باب ۸، حدیث ۱٦] ۴- صحیح بخاری ' کتاب الرقاق، [باب ۲۱، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث ٦۱۰۰]

تک کرو جب تک طبیعت بخوشی مائل رہے۔[1]

۲۔ بنی اسد کی ایک عورت کی بابت نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ تمام شب عبادت کرتی ہے۔ فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عملِ عبادت بقدرِ طاقت ادا کرو۔[2]

۳۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے آنحضرت ﷺ نے پوچھا: میں نے سنا ہے کہ تم راتوں کو برابر جاگتے اور دن کو برابر روزہ رکھا کرتے ہو! عبداللہ نے کہا: ہاں! فرمایا: فلا تفعل۔ صم وافطر۔ قم ونم۔ فان لجسدک علیک حقًا وان لعینک علیک حقًا۔ وان لزوجک علیک حقًا۔[3] (ترجمہ) اب ایسا نہ کرو۔ روزہ بھی رکھو اور کچھ وقت کے لیے چھوڑ بھی دو۔ رات کو عبادت کے لیے جاگو بھی اور سوؤ بھی۔ دیکھ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔

محنت کی تعریف، مانگنے کی برائی

نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ پر لایا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس سے، کہ وہ لوگوں سے مانگا کرے اور لوگ اسے دیا کریں۔[4]

کن لوگوں پر رشک کرنا چاہیے

فرمایا: قابل رشک دو شخص ہیں: ۱۔ جسے خدا نے مال دیا اور اس مال کو جائز جگہ صرف کرنے کی توفیق بھی اسے ملی ہو۔ ۲۔ جسے خدا نے حکمت عطا کی ہو، وہ اس پر خود عمل کرتا ہو اور دوسرے کو اس کی تعلیم دیتا ہو۔[5]

بہترین اخلاق کی تعلیم

سدّدوا وقاربوا وبشروا فانہ لایُدخل احدًا الجنۃَ عملہ۔[6] (ترجمہ) راست بازی اختیار کرو۔ باہمی محبت کو بڑھاؤ۔ لوگوں کو خدا کی طرف سے بشارت پہنچاؤ۔ خالی عمل تو کسی کو بھی جنت میں نہیں لے جا سکتا"۔

اخلاق رذیلہ سے نہی اور اخوت کا حکم

ایاکم والظنّ فانّ الظّن اکذب الحدیث ولا تحسّسُوا ولا تجسّسُوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا۔[7] (ترجمہ) "خبردار بدگمانی کو اپنی عادت نہ بنانا۔ بدگمانی میں تو جھوٹ ہی جھوٹ ہوتا ہے۔ بے بنیاد باتوں پر کان نہ لگاؤ۔ اوروں کے عیب نہ تلاش

کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ کسی سے رو گردانی نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ (جیسا کہ تم سب اللہ کے بندے ہو)۔

_____ ۱- صحیح بخاری عن انس بن مالك الثلثة كتاب النوافل۔ [كتاب الجمعة، باب ما يكره من التشديد فى العبادة، حديث ۱۰۸۲] ۲- صحیح بخاری عن عائشه الثلثة، كتاب النوافل۔ [كتاب الجمعة، باب ما يكره من التشديد فى العبادة، حديث ۱۰۸۳] ۳- صحیح بخاری عن عبدالله كتاب النكاح [باب ۸۸، حديث ۴۹۰۳] ۴- بخاری عن ابى هريرة الثلثة [كتاب البيوع] باب كسب الرجل وعمله بيده، [حديث ۱۹۶۹] ۵- بخاری عن ابن مسعود الثلثة، كتاب الزكوٰة [باب انفاق المال فى حقه، حديث ۱۳۴۳] ۶- بخاری عن عائشه الثلثة، كتاب الرقاق۔ [باب ۲۸، باب القصد والمداومة على العمل، حديث ۶۰۹۹] ۷- بخاری عن ابى هريرة الثلثة، كتاب الفرائض [باب ۲، باب تعليم الفرائض، حديث ۶۳۴۵]

ہمسایہ اور مہمان کا حق

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یؤذ جارہ۔ من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ۔۱؎ (ترجمہ) ''جو کوئی شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسایہ کو ایذا نہ دیا کرے۔ جو کوئی شخص خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کی عزت کیا کرے''۔

کلام اور خاموشی

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیقل خیراً او لیصمت۔۲؎ (ترجمہ) جو کوئی شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے لازم ہے کہ بات کہے تو اچھی کہے ورنہ خاموش رہے۔

نجات کے لیے رسول ﷺ کی ضمانت

من یضمن لی ما بین لحییہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۳؎ (ترجمہ) اگر کوئی شخص مجھے ضمانت دے اس چیز کی، جو اس کے جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی پردہ کا جسم)، تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔

صبر و شکر کی تعلیم

اذا نظر احدکم الیٰ من فضّل علیہ فی المال والخلق فلینظر الی من ھو اسفل منہ۔۴؎ (ترجمہ) اگر ایسے شخص پر تمھاری نظر پڑے جو مال اور حسن میں تم سے بڑھ کر ہے تو ایسے شخص کو بھی دیکھو جو ان چیزوں میں تم سے کمتر ہے۔

پہلوان کون ہے؟

لیس الشدید بصرعۃ انما الشدید من یملک نفسہ عند الغضب۔۵؎ (ترجمہ) شہ زور وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے، شہ زور تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام لیتا ہے۔

منادیانِ اسلام کا فرض

یسّرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا۔[۶] (ترجمہ) (معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰؓ کو نبی ﷺ نے ملک یمن میں تعلیم اسلام کی اشاعت کے لیے مامور فرمایا تھا روانگی کے وقت انھیں ارشاد فرمایا:) لوگوں کے ساتھ آسانی پسند کرنا، انھیں سختی میں نہ ڈالنا، خوشخبری اور بشارت انھیں سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا اور تم آپس میں مل جل کر رہنا۔

۱- بخاری عن ابی ہریرۃ الثالثۃ، کتاب الرقاق [باب حفظ اللسان، حدیث ۶۱۱۱] ۲- بخاری عن ابی ہریرۃ الثالثۃ، کتاب الرقاق [ایضاً] ۳- بخاری عن سہل بن سعد، کتاب الرقاق [ایضاً، حدیث ۶۱۰۹] ۴- بخاری عن ابی ہریرۃ الثالثۃ، کتاب الرقاق [باب ۳۰، حدیث ۶۱۲۵] ۵- بخاری عن ابی ہریرۃ الثالثۃ، کتاب ... [الادب، باب، باب الحذر من الغضب، حدیث ۵۷۶۳] ۶- بخاری، کتاب... [الادب، باب ۸۰، حدیث ۵۷۷۳]

اثر محبت

المرء مع من احبّ۔[۱] (ترجمہ) جسے جس کے ساتھ محبت ہے وہ اس کے ساتھ ہو گا۔

قیدیوں، مسکینوں، بیماروں سے برتاؤ کا حکم

فکّوا العانی واطعموا الجائع وعودوا المریض۔[۲] (ترجمہ) اسیروں کو رہائی دلاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو۔

درخت لگانے کا ثواب

اگر کسی مسلمان نے درخت لگایا جس کا پھل کسی انسان یا جانور نے کھایا تو لگانے والے کے لیے یہ صدقہ ہو گا۔[۳]

حیوانات سے ہمدردی کا حکم

نبی ﷺ نے فرمایا: ایک شخص راہ چلتا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی، کنواں ملا، کنوئیں کے اندر اُتر کر اس نے پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان باہر نکالے، پیاس کے مارے نمناک زمین کو چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا: کتے کو بھی پیاس لگی ہے جیسے مجھے لگی تھی۔ پھر وہ کنوئیں میں اُترا، اپنا موزہ پانی سے بھر کر لایا اور کتے کو پلایا۔ خدا نے اس عمل کو قبول فرما کر اس شخص کو بخش دیا۔ صحابہؓ نے یہ سن کر دریافت کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا حیوانات کے لیے بھی ہم کو اجر ملے گا؟[۴] نبی ﷺ نے فرمایا: ہر ایک جاندار جس کے کلیجہ میں نم ہے (جو زندہ ہے) کے متعلق تم کو اجر ملے گا۔

لونڈیوں کو تعلیم دینے کا ذکر

من کانت لہ جاریۃ فعلّمھا واحسن الیھا ثم اعتقھا وتزوجھا کان لہ اجران۔[۵] (ترجمہ) اگر کسی کے پاس لونڈی ہو تو وہ اُسے علم سکھائے، اچھے سلوک سے رکھے، پھر آزاد کر دے، پھر اُسے بیوی بنالے، تب اس شخص کو دوچند اجر ملے گا۔

لڑکیوں کی تعلیم وادب کا ذکر

اصیب عبداللہ وترک جواری صغارًا فتزوّجت ثیّبًا تُعلّمھن وتُؤدّبھن۔[۶] (ترجمہ) عبداللہ مر گیا ہے، چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھوڑ گیا ہے، اس لیے میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا کہ وہ انھیں علم وادب سکھائے۔

۱- بخاری عن ابن مسعود الثلثة، کتاب . . . [الادب، باب ۹۶، حدیث ۵۸۱۷] ۲- بخاری عن انس الثلثة، کتاب . . . [الجهاد والسیر، باب ۱۶۸، حدیث ۲۸۸۱] ۳- بخاری عن انس الثلثة، کتاب الادب [باب ۷۲]، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث ۵۶۶۶] ۴- بخاری عن ابی هریرة الثلثة، کتاب [المظالم، باب الآبار علی الطرق، حدیث ۲۳۳۳]، نیز کتاب الوضوء، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم] ۵- بخاری عن ابی موسیٰ الثلثة، کتاب العتق، باب [فضل] من ادب جاریته وعلمها [حدیث ۲۴۰۶] ۶- بخاری، قول جابر الثلثة، [کتاب الاستقراض] باب الشفاعة [فی وضع الدین، حدیث ۲۲۷۵]

منافق کون ہے؟

چار خصلتیں، جس شخص کے اندر ہوں وہ منافق ہے۔ اگر ان چار میں سے کوئی ایک خصلت اس میں ہے تو نفاق کی ایک علامت اس کے اندر ہے:

۱- بولے تو جھوٹ بولے

۲- وعدہ کرے تو ایفانہ کرے

۳- عہد کرے تو پورا نہ کرے

۴- جھگڑنے لگے تو فحش بکنے لگے۔[۱]

مہاجر کون ہے؟

والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عزّ وجلّ منہ۔[۲] (ترجمہ) خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والا وہ شخص ہے جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے الگ ہو جاتا ہے۔

قیامت کے دن سایہ ربانی کن لوگوں پر ہوگا؟

۱- بادشاہ عادل۔

۲- وہ نوجوان جس نے جوانی میں عبادت الٰہی کی ہو۔

۳- وہ شخص جسے تنہائی میں خدا یاد آتا ہو اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہوں۔

۴- وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔

۵- وہ دونوں شخص جن کی محبت للّٰہیت پر ہو۔

۶- وہ شخص جسے کوئی حسینہ اور اعلیٰ درجہ کی عورت اپنی جانب بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

۷-وہ شخص جو مخفی طور پر خیرات دیتا ہو' اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ دائیں نے کیا دیا۔

یہ ہیں وہ سات شخص جنھیں خدا قیامت کے دن اپنے سایہ میں لے لے گا' جس دن کہیں سایہ نہ ہو گا۔[۳]

۱- بخاری' عن عبدالله بن عمرو الغلثة [کتاب المظالم، باب اذا خاصم فجر، حدیث ۲۳۷]۲- بخاری' عن عبدالله بن عمرو الغلثة [کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، حدیث ۱۰]۳- بخاری عن ابی هریرة الغلثة، کتاب المحاربین من اهل الکفر [باب ۳، باب فضل من ترك الفواحش، حدیث ۶۴۲۱]

بادشاہ کی اطاعت کا حکم

من کرہ من امیرہٖ شیئًا فلیصبر علیہ، فانہ من خرج من طاعۃ السلطان شبرًا مات میتۃ جاھلیّۃ۔۱ ۲- انکم سترون بعدی اثرۃ واموراً تنکرونھا۔ قالوا: فما تامرنا یارسول اللہ؟ قال ادّوا الیھم حقھم وسئلوا اللہ حقکم۔۲ (ترجمہ) اگر کسی شخص کو اپنے فرمانروا کی کوئی بات ناگوار گزرے تو اسے لازم ہے کہ صبر کرے، کیونکہ اگر کوئی شخص بالشت بھر بھی اپنے بادشاہ کی اطاعت سے باہر نکلے گا، اُسے وہ موت نصیب ہوگی جو زمانہ قبل از اسلام کی موت ہوتی تھی۔ ۲- تم لوگ میرے بعد ناخوشگوار حالتیں اور ایسی باتیں دیکھو گے جنھیں تم ناپسند کروگے۔ صحابہؓ نے پوچھا: ایسی حالت کے لیے حضور ﷺ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اور اپنے حقوق کی بابت خدا سے دعا مانگنا۔

سربرآوردہ لوگوں کو معاملات میں حصہ دینا

فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاؤکم۔۳ (ترجمہ) تم واپس جاؤ، اس معاملہ کو ہمارے سامنے تمھارے سربرآوردہ لوگ پیش کریں۔

سربرآوردہ لوگوں کا کام قوم کی نیابت کرنا ہے

فاَخبَروہ ان الناس قد طیّبوا واذنوا۔۴ (ترجمہ) سربرآوردہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے آکر) عرض کیا کہ سب لوگ اس پر خوش ہیں اور انھوں نے ہم کو اس بارے میں اجازت دے دی ہے۔

غیر مسلم زیر معاہدہ اقوام کی حفاظت

من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ الجنّۃ وان ریحھا یوجد من مسیرۃ اربعین عامًا۔۵ (ترجمہ) اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم زیر معاہدہ (رعایا) شخص کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھنے پائے گا، حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

۱- بخاری عن ابن عباس الثالثۃ، کتاب الفتن [باب ۲، حدیث ۶۶۴۵] ۲- بخاری عن ابن مسعود الثالثۃ، کتاب الفتن [باب ۲، حدیث ۶۶۴۴] ۳- بخاری عن مسور بن مخرمۃ الثالثۃ، کتاب الاحکام، باب ۲۲، باب العرفاء للناس، حدیث ۶۷۵۵] (دوبارہ طے شرائط بموقع جنگ ہوازن)۔ ۴- بخاری عن مسعود الثالثۃ (جنگ ہوازن)، [کتاب المغازی، باب ۵۱، حدیث ۴۰۶۴] ۵- بخاری عن عبداللہ بن عمر الثالثۃ، کتاب . . . [الخمس، باب ۵، باب من قتل معاہدا بغیر جرم، ۲۹۹۵]

زیست کا درجہ، قدر زندگانی

لایتمنّیّن احدکم الموت۔ اما محسنًا فلعلّہ ان یزداد خیرًا واما مسیئًا فلعلّہ انْ یستعتب۔۱؎(ترجمہ) کسی شخص (مسلمان) کو موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نیک ہے تو اس لیے کہ شاید وہ نیکیوں میں ترقی کر سکے اور اگر بد ہے تو اس لیے کہ شاید وہ خوشنودی حاصل کر سکے (توبہ سے)۔

صحت اور فراخ دستی کا درجہ

نعمتان مغبون منھما کثیر من الناس، الصحۃ والفراغ۔۲؎(ترجمہ) دو نعمتیں ہیں جن کی قدر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ نعمتیں (۱) تندرستی (۲) فراخ دستی [ہیں]۔

ادائے قرضہ کی فضیلت

ان خیارکم احسنکم قضاء۔۳؎(ترجمہ) ایک شخص کا نبی ﷺ کو اُونٹ دینا تھا، وہ تقاضا کرنے آیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے اُونٹ سے بہتر اُونٹ خرید کر اُسے دے دیا اور لوگوں سے فرمایا: ''نیک و برتر شخص وہ ہے جو قرض کو خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے''۔

دولت مندی کی تعریف

لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النّفس۔۴؎(ترجمہ) دولت مندی زر و مال کی کثرت سے حاصل نہیں ہوتی ہے، غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔

مساواتِ عامہ

لا فضل لعربیّ علٰی عجمیّ ولا لعجمیٍّ علٰی عربیّ ولا لابیض علٰی اسود ولا لاسود علٰی ابیض اِلاَّ بالتّقویٰ۔۵؎(ترجمہ) عرب کے کسی باشندے کو عجم کے کسی باشندے پر اور عجم کے کسی شخص کو عرب کے کسی شخص پر، گورے رنگ والے کو کالے رنگ والے آدمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کا ذریعہ تو صرف ''خدا ترسی'' ہے۔

رحمِ عامہ

مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ۔[۶] (ترجمہ) جو کوئی شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

وارثوں کے لیے ورثہ چھوڑنے کی فضیلت

ان تدع انت ورثتک اغنیاء خیرًا من ان تدعھم عالۃ یتکفّفون النّاس فی ایدیھم۔[۷] (ترجمہ) یہ بہتر ہے کہ تو اپنے وارث کو غنی چھوڑ کر مرے، بہ نسبت اس کے کہ وہ تہی دست ہو اور لوگوں کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا رہے۔

۱- بخاری عن ابی ھریرۃ الثالثۃ، کتاب... [المرضیٰ، باب۱۹، باب نھی تمنی المریض الموت، حدیث ۵۳۴۹] ۲- بخاری عن ابن عباس الثالثۃ، کتاب الرقاق، [باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ، حدیث ۶۰۴۹] ۳- بخاری عن ابی ھریرۃ الثالثۃ، کتاب الاستقراض۔۔۔ [باب استقراض الابل، حدیث ۲۲۶۰] ۴- بخاری عن ابی ھریرۃ الثالثۃ، کتاب الرقاق [باب۲۵، باب غنی النفس، حدیث ۶۰۸۱] ۵- زاد المعاد، جلد ۲، ص ۱۸۵ [المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱۸، ص ۱۲] ۶- بخاری عن جریر بن عبداللہ، [کتاب الادب، باب۲۷، باب رحمۃ الناس والبھائم، حدیث ۵۶۶۷] ۷- بخاری عن سعد الثالثۃ بن ابی وقاص، کتاب الوصایا، [باب ۲، حدیث ۲۵۹۱]

عورتوں کی مثال اور ان سے گزران کی ہدایت

المرأۃ کالضّلع ان اقمتھا کسر تھا وان استمتعت بھا استمتعت بھا وفیھا عوج۔۱(ترجمہ)عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی۔اس ہڈی کو اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے اور اگر اس سے کام لینا چاہو گے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔

عورت کا درجہ گھر میں

المرأۃ راعیۃ علٰی بیت زوجھا وولدہ۔۲(ترجمہ)عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے۔

ماہر قرآن کا درجہ

الماھر بالقراٰن مع السّفرۃ الکرام البررۃ۔۳(ترجمہ)قرآن مجید کا جاننے والا بزرگ، نکوکار سفیروں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا۔

اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام

کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن۔خفیفتان علی اللّسان ثقیلتان فی المیزان۔سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ۔۴(ترجمہ)دو بول ہیں، جو رحمن کو پیارے ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، میزانِ اعمال میں بھاری ہیں وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱- صحیح بخاری ، [کتاب النکاح، باب۷۹، باب المداراۃ مع النساء، حدیث ۴۸۸۹]۲-بخاری عن ابن عمرؓ،[کتاب النکاح،باب۸۹،باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا،حدیث ۹۴۰۹]۳-بخاری تعلیقاً (کتاب التوحید) [باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الماھر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ (ترجمۃ الباب)، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، باب۳۸، باب الماھر بالقرآن۔۔۔حدیث ۷۹۸]۴- بخاری، عن ابی ھریرہ الثالثۃ، خاتمہ کتاب [کتاب التوحید، باب۵۸، حدیث ۷۱۲۴]

فصل سوم

تعلیماتِ قرآنی

ہمارے سید مولیٰ نبی مصطفی ﷺ کے حالات اگر کوئی فاضل مبسوط و مشرح لکھے تو ضروری ہے کہ وہ علوم قرآن سے بھی بحث کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص میری طرح مختصر، سادہ سادہ حالات لکھ رہا ہو تو اُسے بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کر دے۔ گو اَسرار و حِکم اور خصوصیات قرآن پاک کے مباحث کو وہ چھوڑ ہی دے۔ کیونکہ جس سیرت نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ نہیں دکھایا جاتا، وہ کتاب بے حد نامکمل ہے۔ اُمّ المومنین، عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ قرآن مجید آنحضرت ﷺ کا خلق ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ رب العالمین کا کلام ہے لیکن اہل عالم کو اس کلام ربانی سے روشناس و متعارف نبی ﷺ ہی نے کرایا ہے۔ یہ پاک کلام تیئیس سال کی مدت میں محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ یہ اُنھی الفاظ میں دنیا میں مشتہر و محفوظ، زبانوں پر جاری، دلوں پر قابض [اور] دماغوں پر حاوی ہے جو محمد رسولؐ اللہ نے پڑھ کر سنائے تھے۔ یہ کلام پاک دنیا کے ہر طبقہ پر موجود ہے۔ دنیا کے ہر حصہ پر کروڑوں اشخاص ہر روز پانچ دفعہ اس کے مختلف حصوں کو ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ جب سے اس کا نزول ہوا، اس کا ظہور ترقی پذیر رہا ہے۔ اس وقت سے لے کر جب اُسے پہلے پہل اکیلی خدیجۃ الکبریٰ (اُمّ المومنین) نے سنا، لحظہ بہ لحظہ، روز بروز اس کے ماننے والوں کی تعداد ترقی پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ملک، کوئی موسم، کوئی رسم و رواج، کسی جگہ کے ماننے والوں یا انکار کرنے والوں کے موافق یا ناموافق حالات اس کی ترقی کے لیے روک نہیں بن سکتے۔

مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے غلط کیے گئے۔ اس کی سچی صاف تعلیم پر غلط حاشیے چڑھائے گئے لیکن کوئی تدبیر بھی اس کی اشاعت کو نہ روک سکی اور اُس کی وسعت پذیر ترقی کو محدود نہ کر سکی۔ یہ جس زبان میں پہلے پہل جلوہ گر ہوا، اسی میں اب تک نور فشاں ہے اور ایک عالم اس کی روشنی سے منور ہے۔ لیکن دنیا کی اور تمام مقدس کتابیں کیا تورات و زبور، کیا انجیل اور اس کے خطوط، کیا وید، کیا ژند و پاژند، اس وصف سے عاری ہیں۔ جس زبان میں وہ اُتری تھیں، آج دنیا پر اُس زبان کا اور اس زبان کے بولنے والوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔

قرآن مجید ان سب اعتراضات کو جو قرآن کے زمانۂ نزول میں کیے گئے یا نبی ﷺ پر جو الزام لگائے گئے خود بیان کرتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید اپنے لیے خود ایک سچی تاریخ بن گیا ہے جس میں تصویر کے ہر دو رُخ دکھا دیے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس بارے میں اپنی صداقت اور استحکام کے اعتماد پر جس جرأت سے کام لیا ہے، دنیا کی کسی اور کتاب سے اس کا ظہور نہیں ہوا۔

قرآن حکیم کی تعلیم ایسی زبردست صداقت لیے ہوئے ہے کہ جن قوموں اور مذہبوں نے اُسے علی الاعلان نہیں مانا، انھوں نے بھی اپنی کتابوں میں اسی تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو سینکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں، یا سینکڑوں سال بعد کی۔ صَدَق اللہ تعالیٰ: لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ [حم السجدۃ ۴۲:۴۱- ترجمہ: باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے، نہ پیچھے سے۔] میرے فقرے کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے گا، جب آپ یہودیت، عیسائیت، موبدیّت، بدھ مت اور ہندومت کے سناتن یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قرآن مجید کو پڑھیں گے اور پھر بعد از نزولِ قرآن پاک آپ ان مذاہب کی ترقیات تازمانۂ حال پر غور فرمائیں گے اور ان ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں اس انقلاب سے پیشتر قرآنی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں۔

اب خواہ کوئی قرآن مجید کے فیوض کو مانے، جیسا کہ مشہور بانیانِ برہمو سماج کا حال ہے یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مستخرج ہیں۔ خواہ کوئی نہ مانے، جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے مگر عملاً انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو لے لیا ہے، لے رہے ہیں اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم (علیٰ رغم انف) مجبور ہے کہ اس کی تعلیم کو لیتی رہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ [المائدہ ۵:۳] کی بشارت سناتا ہے۔

میں نے آیات کے ساتھ صرف سادہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنا اس کتاب کے موضوع سے باہر تھا کیونکہ میں ایک سلیس اور آسان کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے پڑھ لینے کے بعد پڑھنے والا، نبی کریم ﷺ اور قرآن عظیم کی بابت کچھ تو معلوم کر سکے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔ مسلمان براہِ مہربانی دیکھیں کہ قرآن مجید کس نمونہ کے مسلمان تیار کرتا ہے۔

الٰہیات

ذاتِ خداوندی کا عرفان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط "اللہ کے نام سے شروع ہے جو کمال رحمت والا اور دائمی رحم والا ہے۔"

۲-لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ وَہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ [الانعام ۶:۱۰۳] "حواس اور عقول خدا کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن خدا کو ان سب کا ادراک ہے"۔

۳-لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ [الشوریٰ ۴۲:۱۱] "کوئی چیز بھی خدا کی مثال نہیں اور وہ بندوں کی التجاؤں کو سنتا اور اُن کے حالات کو دیکھتا ہے"۔

۴-اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ۔ [البقرہ ۲:۲۵۷] "اللہ ایمان والوں سے محبت رکھتا ہے انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔"

۵-اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ ۚ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ [البقرۃ ۲:۲۵۵] "خدا ہے، اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں [وہ زندۂ جاوید ہیں] اسے غفلت یا نیند کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی کا ہے جو کچھ بھی آسمان و زمین میں ہے۔ ایسا کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے۔ وہ خدا لوگوں کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لوگ تو اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اُسے آسمانوں اور زمین (دونوں) کا تھام رکھنا تھکا نہیں دیتا۔ وہ بڑی اعلیٰ شان اور عظمت والا ہے۔"

۶-کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ (الانعام ۶:۵۴) "تمھارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ لیا ہے۔"

۷- قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ یَلِدۡ ۙ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ۝ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ [الاخلاص ۱۱۲:۱-۴] "وہ خدا ایک یکتا، سب کا سید و آقا ہے کوئی اس کا فرزند نہیں۔ وہ کسی کا فرزند نہیں اور کوئی بھی اس کے برابر کا نہیں"۔

سچّے دین کی تعریف

۱-فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ [الروم ۳۰:۳۰] ''یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی بناوٹ میں ادل بدل نہیں ہوتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔''

۲-صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً [البقرہ ۲:۱۳۸] ''اللہ کا رنگ چڑھانا ہے۔ ہاں' اللہ سے بڑھ کر اور کون رنگ چڑھا سکتا ہے''۔

۳-شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ [الشوریٰ ۴۲:۱۳] ''خدا نے تمھارے لیے دین کا وہ راستہ بنایا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا گیا اور پھر محمد ﷺ پر اس کی وحی بھیجی اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا کہ دین پر سیدھے چلو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''۔

بندہ کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مطلوب ہے

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ [الحج ۲۲:۳۷] ''خدا کے ہاں قربانیوں کا گوشت یا لہو ہرگز نہیں پہنچتا۔ خدا کے پاس تو تمھاری فرمانبرداری پہنچتی ہے''۔

شریعت سے مقصود انسان کی تکمیل ہے

۱-مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ [المائدۃ ۵:۶] ''اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر تنگی ڈالے۔ اللہ کا ارادہ تو یہ ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمت پوری پوری بھیجے تاکہ تم شکر کیا کرو۔

۲-اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ [العنکبوت ۲۹:۴۵] ''نماز فحش اور بے حیائی اور ممنوع کاموں سے روک دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو سب سے (فوائد میں) بڑھ کر ہے۔''

نبی کے فرائض

۱-[البقرہ۲:۱۵۱]''ہم نے تمھارے پاس رسول کو بھیجا جو تم ہی میں سے ہے وہ ہماری آیتیں تم کو سناتا (اخلاق رذیلہ سے) تم کو پاک کرتا، کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ علوم سکھاتا ہے جنھیں تم نہیں جانتے تھے۔

۲-اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ [الاعراف۷:۱۵۷]''نبی لوگوں کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں کے کرنے سے روکتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتا ہے۔ بوجھ اُن سے دُور کر دیتا اور طوق ان کے نکال دیتا ہے۔''

اعمال کی جزا و سزا دنیا میں بھی دی جاتی ہے اور موت کے بعد بھی

۱-وَلَوۡ اَنَّ اَہۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَلٰکِنۡ کَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ [الاعراف۷:۹۶]''اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن وہ تو حکم الٰہی کو جھٹلانے لگے اس لیے ہم نے اُن پر اُن کے فعلوں کی وجہ سے مواخذہ کیا۔''

۲-وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ [المائدۃ۵:۶۶]''اگر وہ لوگ تورات اور انجیل پر اور اس کی تعلیم پر جو اُن پر نازل کی گئی قائم ہوتے تو اپنے اُوپر اور نیچے سے خوراک کھایا کرتے (زمین اور آسمان کی برکتیں ان کے ساتھ ہوتیں)۔''

۳-وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ [الشوریٰ۴۲:۳۰]''جو مصیبت تمھیں پہنچی ہے وہ تمھارے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے اور خدا تو تمھاری بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے''۔

۴-فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ [السجدۃ۳۲:۱۷]''کوئی شخص بھی نہیں جان سکتا کہ خدا نے اپنے بندوں کے لیے وہ کیا کیا چیزیں خفیہ مہیا کر رکھی ہیں جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ یہ بدلہ اُن کے اعمال کا ہے۔''

سنن الٰہیہ میں تبدیلی نہیں

۱-فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا [الفاطر ۳۵:۴۳] ''سنت الٰہی میں کچھ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا''۔

۲-وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا [الفاطر ۳۵:۴۳] ''سنت الٰہی میں ایر پھیر کی گنجائش نہیں''۔

۳-مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ [الملک ۶۷:۳-۴] ''خدا کی آفرینش میں تجھے کچھ بھی نقص نظر نہیں آئے گا۔ ذرا آنکھ اُٹھا کر تو دیکھ۔ کیا تجھے کوئی شگاف بھی دکھائی دیتا ہے۔ پھر آنکھ اُٹھا کر اور بار بار دیکھ تیری نظر تھک کر ناکام لوٹ آئے گی۔''

انسان کی ذاتی کوشش ہی کامیابی کے لیے مثمر بنتی ہے

۱-وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى [النجم ۵۳:۳۹] ''انسان کو وہی ملتا ہے جو اس نے سعی کی ہے''۔

۲-وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا [الدہر ۷۶:۲۲] ''اور تمھاری کوشش خوب کامیاب ہوئی''۔

۳-تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ [البقرۃ ۲:۱۴۱] ''وہ اُمت گزر چکی ہے جو کچھ اُس نے کمایا تھا اسے ملے گا، جو تم کماؤ گے وہ تمھیں ملے گا''۔

صبر اور پرہیز گاری کا درجہ

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ [آلِ عمران ۳:۱۸۶] ''اور اگر تم صبر اور پرہیز گاری اختیار کرو تو یہ ایک عالی ہمتی کا کام ہے''۔

حکمت اور دانش کا درجہ

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا [البقرہ ۲:۲۶۹] ''اور جسے حکمت (حقیقی فلسفہ) دیا گیا اُسے نہایت ہی سعادت حاصل ہوئی''۔

صبر کا ثمرہ

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا [السجدۃ ۳۲: ۲۴] ''جب بنی اسرائیل نے صبر اختیار کیا تو ہم نے ان میں ایسے مقتدائے قوم کیے جو ہمارے حکم کے مطابق اور لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے''۔

قطع طمع

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ [طٰہٰ ۲۰: ۱۳۱] ''کافروں کی مختلف قوموں کو جو ہم نے دنیوی حظوظ سے بہرہ مند کیا ہے تو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ''۔

دنیوی عروج میں آخرت کو نہ بھولنا

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ [القصص ۲۸: ۷۷] ''اے قارون! تو دنیا کے گھمنڈ میں آکر، اپنے بہرۂ نجات کو فراموش نہ کر''۔

تہلکہ سے بچنا

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [البقرۃ۲:۱۹۵] ''اپنے آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

افترا اور جھوٹ ایمان کی ضد ہیں

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ [النحل۱۶:۱۰۵] ''جھوٹ افترا وہی باندھتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے''۔

قطعی حرام چیزیں

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ [الاعراف۷:۳۳] ''(اے محمدؐ) سنا دیجیے کہ میرے پروردگار نے حرام کر دیا ہے (۱) فحش کی سب قسموں کو جو کھلی ہیں یا چھپی ہیں۔ (۲) اور گناہ کو (۳) اور ناحق بغاوت کو (۴) اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کو جس پر کوئی بھی دلیل موجود نہیں (۵) اور خدا پر ایسی بات جوڑ لینے کو جسے تم نہیں جانتے۔

خدا کی عبادت الٰہی بپتسمہ ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ [البقرۃ۲:۱۳۸] ''ہم نے خدا ہی کا رنگ اختیار کیا ہے' کیا خدا سے بڑھ کر بھی کوئی اچھا رنگ دینے والا ہے؟ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

تحریر وانشادانی کی تعریف

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ [القلم۶۸:۱] ''میں قلم اور اس کے لکھے ہوئے علوم کی قسم کھاتا ہوں''۔

اربابِ عقل ودانش کے لیے الٰہی نشانات

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ [البقرۃ۲:۱۴۶] ''زمین وآسمان کے پیدا کرنے' رات دن کے آنے جانے' وہ کشتیاں اور جہاز جو لوگوں کی مفید اشیائے تجارت لے کر

دریاؤں اور سمندروں میں چلتے ہیں، آسمانوں کی طرف سے خدا کے پانی برسانے اور مردہ زمین کو اس کے ذریعے سے از سر نو زندگی بخشنے، زمین میں ہر قسم کے جان دار پیدا کر کے پراگندہ کر دینے، مختلف قسم کی ہوائیں چلانے اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ یں تابع حکم نظر آتے ہیں، بے شک عقل مندوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں"۔

قسم کھانے کی ممانعت

۱-وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ [القلم ۶۸:۱۰] ”تو کسی ایسے ذلیل کی بات مت مان جو بہت قسمیں کھانے والا ہے“۔

۲-وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ [البقرۃ ۲:۲۲۴] ”خدا کے نام کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ۔

۳-وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ [المائدۃ ۵:۸۹] ”قسموں کی نگہداشت کیا کرو“۔

صلح کلی کی دعوت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً‌ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ [البقرۃ ۲:۲۰۸]

”ایمان والو! دین اسلام میں (جو مبنی بر امن ہے) بالکلیہ ہمہ تن داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ وہ تمھارا کھلا کھلا دشمن ہے“۔

اصلاح باہمی کا حکم

۱-وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ [لبقرہ ۲:۲۲۴] ”لوگوں کے درمیان صلح کرادیا کرو“۔

۲-وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ [الانفال ۸:۱] ”آپس کے تنازعات اور جھگڑوں کی اصلاح کر لیا کرو“۔

عفو و درگزر کی تعلیم

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا‌ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ [النور ۲۴:۲۲] ”لازم ہے کہ معافی دو اور درگزر کرو۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے“۔

سچی تعلیم کی صداقت خود بخود آشکارا ہو جاتی ہے

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ [حٰمٓ السجدۃ ۴۱:۵۳] ”ہم اپنی قدرت کی نشانیاں جو اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور خود ان کی ذات و نفوس میں بھی موجود ہیں ضرور انھیں دکھائیں گے اور بالآخر ان کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تعلیم بالکل سچی ہے“۔

سلطنت کے اُصول

۱-حاکمانِ عدالت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ (۷۸) ۫ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا [الانبیاء ۷۹-۷۸:۲۱] ''حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا قصّہ بیان کیجیے جب وہ ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ صادر کر رہے تھے جس میں رات کے وقت ان کی قوم کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کرتے وقت حاضر و ناظر تھے۔ سو، اس معاملہ میں ہم نے حضرت سلیمانؑ کو ایک خاص سمجھ عنایت کی۔ دونوں کو ہم نے عام طور پر حکومت اور علم عطا کیا تھا''۔

۲۔ نقضِ امن کی ممانعت

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ [الاعراف ۵۶:۷] ''کسی سرزمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد خرابی نہ کرو''۔

۳۔ ظلم باعثِ زوال ہے

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ [الانبیاء ۱۱:۲۱] ''کتنے شہروں کو ہم نے ان کے ظلم کے باعث توڑ مروڑ ڈالا اور ان کی تباہی کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم ان کی بجائے پیدا کر دی''۔

۴۔ نکوکاری باعثِ قیام ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ [ہود ۱۱۷:۱۱] ''ایسا نہیں کہ تیرا پروردگار آباد شہروں کو ان کے باشندوں کے نیکوکار ہونے کے باوجود ظلم سے تباہ کر دے''۔

۵۔ جنگ کے لیے تیار رہنا ہی جنگ سے بچنے کی تدبیر ہے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ [الانفال۸:۶۰] ''جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت بڑھاؤ اور گھوڑوں کو آمادۂ پیکار رکھو جس سے تم اُن لوگوں کے دلوں میں رُعب ڈال سکو جو خدا کے دشمن اور تمھارے بھی دشمن ہیں''۔

۶-ارکانِ دولت کے مشورہ پر کاروبار کرنا

۱-وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ [آلِ عمران۱۵۹:۳] ''حکومت کے کاموں میں لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو''۔

۲-وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [الشوریٰ۴۲:۳۸] ''مسلمانوں کی حکومت باہمی مشورہ پر ہے''۔

۳- يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ [النمل۲۷:۳۲] ''اے سردارو! میری حکومت کے کام میں تم مجھے فتویٰ دو۔ تمھاری موجودگی کے بغیر مجھ کو کسی بڑے کام کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

تعلیم و تعلّم

۱- علم و حکمت کی باتوں کا سننا' ان پر غور کرنا بہترین صورت کو اختیار کرنا

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ (۱۷) الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ [الزمر ۳۹:۱۸-۱۷] ''اے محمد (ﷺ)! میرے اُن بندوں کو بشارت سنا دیجیے جو (علم و حکمت کی) گفتار کو سنتے اور اس کی بہترین صورت کو اختیار کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جنھیں خدا نے ہدایت بخشی اور یہی لوگ کھرے عقل مند ہیں''۔

۲- غیر اقوام سے علم اخذ کرنا

هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا [الانعام ۶:۱۴۸] ''کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے۔ پس اُسے ہمارے لیے ظاہر کرو''۔

نظام تبلیغ دین

۱- دین کی دعوت دینے والی جماعت کا قیام ضروری ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [آلِ عمران ۳:۱۰۴] ''تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے' اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے''۔

۲- ہر ایک قوم کا شخص داعیانِ دین کی جماعت میں ہو سکتا ہے

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ [التوبہ ۹:۱۲۲] ''ہر ایک فرقہ و قوم میں سے ایک گروہ اس غرض کے لیے کیوں نہیں کھڑا ہوتا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور جب فارغ التحصیل ہوں تو اپنی قوم کی ہمدردی کر کے انھیں خدا کی نارضامندی کی باتوں سے ڈرائیں جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قوم بری باتوں سے بچنے لگے گی''۔

تہذیب اخلاق

۱-خاتون کی تعریف

مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ وَ ہُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ [الزخرف ۴۳:۱۸] ''آرائش وزیور کے اندر پلتی ہے اور لڑائی پیکار سے علیحدہ رہتی ہے''۔

۲-میاں بیوی کی تعریف

ہُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّہُنَّ [البقرۃ ۲:۱۶۷] ''بیویاں اپنے شوہروں کے لیے اور شوہر اپنی بیویوں کے لیے لباس ہیں''۔

لباس انسان کو گرمی سردی سے بچاتا ہے' لباس انسان کے حسن وجمال کو ترقی دیتا ہے' لباس سے پہننے والے کی تہذیب وتمیز کا اندازہ ہو سکتا ہے' لباس پہننے والے کے عیوب کو چھپاتا ہے۔ اسی طرح زن وشوہر کے باہمی تعلقات ہونے چاہییں جو گرم و سرد زمانہ سے ایک دوسرے کا بچاؤ ہوں۔ ایک دوسرے کا حسن وجمال باہمی اُلفت سے ترقی کرے۔ عورت کو دیکھ کر اس کے شوہر کی تہذیب اور شوہر کو دیکھ کر عورت کی تمیز کا اندازہ کیا جا سکے۔ ایک دوسرے کے رازدار ہوں۔

خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ [الروم ۳۰:۲۱] ''خدا نے تمھاری جنس سے تمھارے لیے بیویاں بنائیں تاکہ تسکین پکڑو اور میاں بیوی کے درمیان خدا نے محبت اور پیار ڈال دیا ہے''۔

۳-میاں بیوی کے حقوق

۱-اَلرِّجَالُ قَوَّامُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ [النساء ۴:۳۴] ''مرد عورتوں پر نگران ہیں''۔

۲-وَ لَہُنَّ مِثۡلُ الَّذِیۡ عَلَیۡہِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیۡہِنَّ دَرَجَۃٌ [البقرۃ ۲:۲۲۸] ''عورتوں کے شوہروں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے شوہروں کے عورتوں پر ہیں اور مردوں کو اُن پر درجہ ہے''۔

۴-کمال درجہ کی محبت کو ایمان کہتے ہیں!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [البقرۃ ۲:۱۶۵] ''مومن خدا کی محبت میں زیادہ ثابت قدم ہیں''۔

۵-بلندی درجات کا سبب ایمان اور علم ہیں

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ [المجادلۃ۵۸: ۱۱] ''خدا تعالیٰ مومنوں کے اور ان لوگوں کے جنھیں علم سے بہرہ مند کیا گیا ہے درجے اور رُتبے بلند فرماتا ہے''۔

۶-برّ و بحر پر تسلّط، بہترین و پاکیزہ اصول پر چلنے کی وجہ سے انسان کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا [بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰] ''ضرور ہم نے انسان کو عزت دی ہے اور خشکی و تری میں ان کو سوار کر کے پھرایا، خشکی و تری میں سفر کرنے کے وسائل سمجھائے اور الوانِ نعمت سے ان کا رزق مقرر کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو شرف بخشا''۔

۷-انسان کا اشرف ہونا ہی ردّ شرک کی دلیل ہے

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ [الاعراف۷: ۱۴۰] ''حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ کیا میں تمھارے لیے اور معبود ڈھونڈھ لاؤں؟ حالانکہ اُس نے تمھیں تمام عالم پر فضیلت عنایت فرمائی ہے''۔

۸-انسان کو ہر ادنیٰ ہستی سے سبق حاصل کرنا چاہیے

قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ [المائدۃ۵: ۳۱] ''اے کاش! مجھ سے اتنا بھی تو نہ ہو سکا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو خاک سے چھپا دیتا۔ یہ سمجھ کر اسے سخت ندامت ہوئی۔''۔

۹-دیکھنے والے کے لیے ہر چیز میں ایک نشان ہے

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ [یوسف۱۲: ۱۰۵] ''زمین و آسمان میں قدرتِ کاملہ کی کس قدر نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ یونہی منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں''۔

۱۰-سیاحت سے فہم بڑھتا ہے اور معلومات کا اضافہ ہوتا ہے

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا[الحج۴۶:۲۲] ”انھوں نے اطرافِ عالم میں سیاحت کیوں نہ کی جس سے ان کو دل ہائے دانا اور گوش ہائے شنوا حاصل ہوتے ہیں“۔

۱۱-اندھاوہ ہے جس کا دل اندھا ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ [الحج ۲۲:۴۶] ''حقیقت حال یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہیں''۔

۱۲- حرام چیزیں طیّب نہیں طیّب چیزیں حرام نہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ [البقرۃ ۲:۱۶۸] ''اے سب لوگو! زمین میں جو پاکیزہ حلال اشیا خدا نے پیدا کی ہیں، کھاؤ پیو اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو''۔

۱۳- بصیرت و ہدایت اسی دنیا میں حاصل ہو سکتی ہے

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا [بنی اسرائیل ۱۷:۷۲] ''جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو گا تو وہ آخرت میں زیادہ اندھا ہو گا اور زیادہ گمراہ ہو گا''۔

۱۴-ایمان ہی کے ذریعے سے ہر ایک اعلیٰ منزل پا سکتے ہیں

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [آلِ عمران ۳:۱۳۹] ''آپ اپنے کو ذلیل نہ سمجھو اور رنجیدہ نہ ہو، تم ہی سب سے برتر ہو گے، اگر تم ایمان دار ہو''۔

تمدّن

۱-چرند و پرند میں ایک تمدّن کا پایا جانا' لوازمِ حیات میں انسان کا بھی انھی جیسے اصول پر کاربند ہونا

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ [الانعام ۶:۳۸] ''روئے زمین پر کوئی ایسا جان دار یا اُڑنے والا پرندہ نہیں جس کی تمھاری ہی طرح قومیں اور جتھے نہ ہوں۔ ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کا بیان ترک نہیں کیا۔ پھر ان سب کو آخر کار خدا ہی کی طرف اکٹھا ہو کر جانا ہے''۔

۲-موجوداتِ عالم انسان کے فائدے کے لیے ہیں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا [البقرۃ ۲:۲۹] ''خدا وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمھارے فوائد و منافع کے لیے روئے زمین کی تمام اشیا پیدا کی ہیں''۔

۳-لوگ اپنی مختلف قابلیتوں سے مختلف کام انجام دیتے ہیں

قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ [بنی اسرائیل ۱۷:۸۴] ''ہر ایک شخص اپنی جبلّت کے موافق عمل کرتا ہے''۔

۱-اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ [الحج ۲۲:۱۸] ''کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ آسمان اور زمین کی سب مخلوق' مثلاً سورج' چاند' تارے' پہاڑ' درخت' حیوان اور انسان کا بڑا حصہ خدا کا فرمانبردار ہے (پھر بھی) بہت ایسے لوگ رَہ جاتے ہیں جن پر عذاب کا ہونا درست ٹھہرا''

۲-فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (۵) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی (۶) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (۷) وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی (۸) وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی (۹) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی (۱۰) [اللیل ۹۲:۵-۱۰] ''جس شخص نے (خدا کی راہ میں) کچھ دیا اور پرہیزگاری بھی اختیار کی اور خدا کے بہترین وعدوں کی تصدیق کی' اس کو ہم نہایت آسانی کے ساتھ آسان طریقہ پر (دین اسلام پر' فطرت کے راستے پر جو بمقتضائے الدین یسر نہایت آسان طریقہ ہے) چلائیں گے۔ (لیکن بہ خلاف اس کے) جس نے بخل ورزی کی اور اپنے آپ کو (خدا کی اطاعت سے) بے نیاز خیال کیا' اور خدا کے بہترین وعدوں کو جھٹلایا تو اس

کے لیے (ترک معونت و توفیق کر کے اور اپنی عنایت سے اس کو محروم کر کے) وہی دشوار طریقہ (جو در حقیقت بہ سببِ خلافِ فطرتِ صحیح ہونے کے نہایت دشوار ہے۔ بباعث ترک کرنے 'لطف و عنایت کے) آسان کر دیں گے۔''

۴-سیاست مدن کے قیام اور انتظام کے لیے مختلف طبقات کی ضرورت اور ہر ایک طبقہ کا اس مناسبت کے بقاو قیام اور دوام انتظام کے لیے ذمہ دار ہونا: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [الانعام ۶:۱۶۵] ''خدا وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمھیں روئے زمین پر [موالید ثلاثہ کے مختلف اقسام میں انواع تصرف کرنے کے لیے) اپنا خلیفہ بنایا (یعنی ودائع قدرت ظاہر کرنے کے لیے تمھیں اپنا جارحہ تصرف بنایا) اور حسنِ انتظام کے لیے، تمھارے مختلف درجے یا طبقے قرار دیے، جس سے یہ غرض ہے کہ تمھیں اپنے عطا کردہ کمالات میں آزمائے (کہ تم ان بالقوۃ کمالات کو معرض ظہور میں لا کر اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ ثابت کرتے ہو یا اپنی فطرت استعداد کو منسوخ کر کے اسفل السافلین کا خطاب حاصل کرتے ہو) ضرور تیرا پروردگار جلدی عذاب بھی دینے والا ہے اور وہ یقینا بخشنے والا مہربان بھی ہے۔''

۵-مساوات حقوق کا تاکیدی حکم، عدل کی تاکید

وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ (۷) اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ (۸) وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۹) [الرحمن-۵۵:۶-۹] ''اور خدا نے ایک میزان مقرر کی کہ تم اس میزان میں کسی طرح طغیانی (افراط و تفریط) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ معیار کو درست رکھو اور میزان مقرر کردۂ الٰہی میں کسی قسم کی تقصیر نہ کرو''۔

۶-بہترین شخص وہ ہے جو نسلِ انسانی کا خیر خواہ ہے

كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ [آلِ عمران ۳:۱۱۰] ''تم لوگ (اے اُمت محمدیہ) باقی لوگوں کے لیے ایک بہترین قوم صفحۂ ہستی پر لائے گئے ہو (تم سب لوگوں کو) مطابق شرع و فطرت کے حکم دیتے، برائیوں سے منع کرتے اور خدا کی ذات وصفات پر یقین کامل رکھتے ہو''۔

۷-اخوت کی بنیاد

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [الحجرات ۴۹:۱۰] ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

۸-مال کی تعریف، دولت قیامِ قومی کا سبب ہے

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا [النساء ۴:۵] ''اور تم اپنے اموال جو اللہ نے تمھارے لیے قوام زندگی بنائے ہیں بے وقوفوں کے ہاتھ میں مت دیا کرو''۔

۹-فقر و تنگ دستی کی برائی

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [البقرۃ ۲: ۲۶۸] ''شیطان تمھیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور (اس بنا پر) تمھیں بخل و امساک کا حکم دیتا ہے (بہ خلاف اس کے) خدا تمھیں اپنے فضل و بخشش کی اُمید دلاتا ہے) اور خدا بہت فراخ رحمت والا (حقائق اُمور کو) جاننے والا ہے۔''

۱۰-بخل کا نہ ہونا بڑی بہبود ہے!

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ [التغابن ۱۶:۶۴] ''جن کو جبلّی بخل اور لالچ سے خدا نے محفوظ رکھا وہی (آخرت میں) کامیاب ہوں گے''۔

۱۱-اسراف کی برائی، میانہ روی، رحمن کے بندے بخیل و مسرف نہیں ہوتے

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا [الفرقان ۲۵: ۶۷] ''خدائے مہربان کے خاص بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں، نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگ چشمی کرتے ہیں بلکہ (میانہ روی کرکے) بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہیں''۔

۱۲-بحری تجارت خصوصاً نفع بخش ہے

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ۔ [البقرۃ ۲: ۱۶۴] ''اور وہ کشتیاں اور جہاز (بھی خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں) جو لوگوں کی مفید اشیائے تجارت لے کر دریا اور سمندر میں (برابر) چلتی جاتی ہیں''۔

۱۳-اللہ کے ہاں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں کن لوگوں کے لیے ہیں

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ(۳۶) ۚ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (۳۷) ۚ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ(۳۸) ۚ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ(۳۹) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ(۴۰) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (۴۱) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(۴۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ(۴۳) [الشوریٰ۴۲:۳۶-۴۳) ”بہتر اور باقی رہنے والا اجر اُن لوگوں کے لیے ہے:

۱-جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں‘

۲-جو لوگ بڑے بڑے گناہوں‘ بے حیائی اور فحش سے پرہیز کرتے ہیں‘

۳-اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو درگزر کیا کرتے ہیں‘

۴-اور جو اپنے پروردگار کے حکموں کو قبول کر لیتے ہیں‘

۵-اور جو نماز کو قائم رکھتے ہیں‘

۶-اور جن کا کام باہمی شوریٰ پر ہے‘

۷-اور جو اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں‘

۸-اور جو دوسرے کی طرف سے زیادتی (حملہ) ہونے پر (صرف) اپنا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے‘

۹-ہاں‘ جو دوسرے کی زیادتی معاف کرے اور اس سے نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کی قدرت میں ہے۔ اللہ تو ظلم کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا‘

۱۰-(تاہم) جو کوئی (دوسرے سے) ظلم کا بدلہ لیتا ہے اُس پر کچھ الزام نہیں۔

۱۱-الزام تواُن لوگوں پر ہے جو نسلِ انسانی پر ظلم کرتے اور ملک میں نارواابغاوت پھیلاتے ہیں۔ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۱۲-جو شخص (دوسرے کی زیادتی پر) صبر کرتا ہے اُسے معاف کر دیتا ہے تو یہ بات بڑی بلندی ہمت کی ہے۔

سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العلی العظیم

قصیدہ در نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[کلام: مؤلف- ترجمہ: چودھری مختار احمد]

۱- دلم ز سینہ ربود آں جمالِ نورانی کہ حسن را بہ تماشائے او ست حیرانی

۲- جمالِ معنی و زیں کمال و حُسنِ جلال مطاعِ خلق وضیائے جہانِ ظلمانی

۳- محمدؐ اسم و حبیبِ اللہ و خواجۂ کل نوید رحمت و پیمانِ عفوِ یزدانی

۴- گرید فقر کہ فرمانروائے ملکِ ابد بہ مشتِ خاک ندارد ہوائے سلطانی

۵- نبوت ست یکے قصّہ آسمان پایہ کہ ہم متمّم او ' آمدی و ہم بانی

۶- عرب بچاہِ جہالت فتادہ بود بسے بسے گرفت ز تو افسرِ ہمہ دانی

۷- نمیرد آں کہ زجام ولائے تو نوشد کجا ست مائلِ ظلماتِ شاہِ یونانی

۸- بہ نزلِ عام تو مہماں نشستہ صد عالم عجب تر آں کہ بعالم نزیل و مہمانی

۹- در نجات کشودی بروئے احمر و اسود گہے کہ بست بر ایشاں یہود و نصرانی

۱۰- حدیث پاک تو آں جامع الکلم کہ از و رسد بفوز چہ یونانی و چہ سودانی

۱۱- جہاں شنید زفمِّ تو آں کلامِ خدا کہ دادہ بود خبر زو کلیمؑ عمرانی

۱۲- بداں جناب کہ جبریلؑ را نہ پر د پر تر است رفتن و از شوق حلقہ جنبانی

۱۳- دلت گواہ بصدق نظارئہ حشمت نگاہِ پاک تو بینائے صنع رحمانی

۱۴-توئی که از تو تمدّن روانِ تازه گرفت توئی که کنده ز عالم بنائے رهبانی

۱۵-توئی که نام نهی خمر را مخمر عقل توئی که اُمِّ خبائث شراب را خوانی

۱۶-توئی که صدقِ همه راستاں پدید کنی توئی که عظمت پیشینیاں درخشانی

۱۷-ز تو مبرهن و روشن تقوّمِ مرداں ز تو معین و محکم حقوقِ نسوانی

۱۸-فتوت تو اُمت را دهد فتاب لقب ز شوکتِ تو موالی کنند سلطانی

۱۹-تو عذر خواه شوی بهرِ قوم از رحمن زسنگ چوں شکند قوم دُرِّ دندانی

۲۰-تو قاتلانِ عمّ و دُخت را نمائی عفو پاسِ خاطرِ ایمانی و مسلمانی

۲۱-پئے هلاكِ جفاپیش گاں رضاندهی که نَسل شاں مرگ رآید بدین دیّانی

۲۲-زعدل و رحم توصد بهره یافتند اعدا بحرب هاکه نمودند جمع خذلانی

۲۳-دو شاهد اند مرا خیبر و حنین که تودهی بجود هر آں چه بفتح بستانی

۲۴-بزور و کوشش افواج هی چ حاجت نیست ترا که فتح مبیں شد بلاغِ قرآنی

۲۵-خدا یك ے و پ یامش بسوئے خلق یك ے تو خلق را بسوئے آں پ یام می خوانی

۲۶-توبابِ سلم کشائی بروئے دشمن و دوست تو دوستی بدل دشمناں ب پ الانی

۲۷-یتیمئ تو تسلّی ست مر یتامٰی را که زمهرِ پ در هست عونِ ربّانی

۲۸-توعبد خوانده شدی و رموزداں دانست که برترست عبودیت از سلیمانی

۲۹-توآفتابی و ازحمد سر بر آورده تو ماه و بر ملك مجد نور افشانی

۳۰-فزوں تر از توکس ے را نه حمد گفت جهاں نه برتر از توگس ے گفت حمدِ ربّانی

۳۱-ترا محمدؐ و احمدؐ زمین خواند و زماں حمید باشد و محمود ذاتِ سبحانی

۳۲-بما رؤف و رحیمی ' خدا رؤف و رحیم و گر چه سود که گویم سخن بنادانی

۳۳-تو رحمتی و جهاں آفرین ما رحمن هزار شکر رسیدیم به گنج پ نهانی

۳۴-سخن ز واجب و ممکن نه از ادب باشد طفیل تست همه کارگاهِ امکانی

۳۵-ز استعاره و تشبیه بس بلند ستی به ب ے مثالیٔ خود هم بخویش میمانی

۳۶-چه خوش بشانِ توصدیق گفت و گو هر سفت که کرد روئے تو بر دعوئ تو برهانی

۳۷-مبلغانِ تو دادند ایں پیام بہ خلق کہ نصح خلق بود لازم مسلمانی

۳۸-مبشرانِ تو دادند ایں نوید بما کہ کارِ دیں ہمہ تبشیر ہست و آسانی

۳۹-طفیل تست کہ بعد از ہزار قرنِ مدید بگوشِ عالمیاں شد نوید ارزانی

۴۰-کہ دین یافت کمال و تمام شد نعمت گزید نوعِ بشر را رضائے دیّانی

۴۱-صلوٰۃ بر تو خدا و فرشتگاں خوانند کجا ثنائے تو آید ز انسی و جانی

۴۲-گزارشے ست الٰہی مرا بدرگاہت اُمید ہست کہ از لطف رُو نہ گردانی

۴۳-دمے کہ روح مجرد و شود ز پیکرِ خاک دمے کہ مرگ نماید بدردِ درمانی

۴۴-دراں مغاك كه تن گ ست و تار چ وں دلِ من جمال او بنمائی چ و صبح نورانی

۴۵-بهارِ تازه ب چ شم فرشت گ اں بخشی مرا زِتن گ ئ گ ور و سوالِ برهانی

۴۶-سمی فارس صدقم عطا به فرمائی یك ازهزار بمن نیز صدقِ سلمانی

ترجمہ

۱-اس جمالِ نورانی نے میرا دل سینے سے اڑالیا کہ جس کے دیدار سے حسن کو بھی حیرانی ہوتی ہے۔

۲-وہ حقیقت کا جمال، کمال کی زینت اور جلال کا حسن ہیں۔ مخلوق کے مطاع اور جہانِ ظلمت میں روشنی ہیں۔

۳-ان کا نام محمدؐ ہے، خدا تعالیٰ کے محبوب اور تمام مخلوقات کے سردار ہیں۔ رحمت کا پیغام اور خدا تعالیٰ کے عفو در گزر کا مضبوط عہد ہیں۔

۴-انھوں نے فقر کو اختیار کیا کہ ملک ابد کے فرماں روا بھی ہیں مگر خاکی ہونے کے باوجود حکمرانی کی خواہش نہیں رکھتے۔

۵-نبوت آپ کی انتہائی معزز اور سربلند ہے کیوں کہ آپ نبوت کی تکمیل کرنے والے بھی ہیں اور ابتدا کرنے والے بھی۔

۶-عرب سربسر جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔آپ کی وجہ سے ہمہ دانی کا تاج اس کو میسر ہوا۔

۷-جو آپ کی محبت کی شراب پی لے اس کو موت نہیں آتی۔یونانیوں کے بادشاہ کی ظلمات (علوم یونانی) کی طرف مائل ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے۔

۸-آپ نے دنیا جہاں کی مہمان نوازی کی حالانکہ عجیب تر یہ ہے کہ آپ مہمان کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔

۹--آپ نے ہر انسان (اسود واحمر) کے لیے نجات کا دروازہ کھول دیا ہے، جو دروازہ ان پر یہود و نصاریٰ نے بند کر رکھا تھا۔

۱۰-آپ کی حدیث پاک وہ کلامِ جامع ہے جس سے یونانی اور سوڈانی سب کو فیض پہنچتا ہے۔

۱۱-آپ کی زبان سے دنیا نے وہ کلامِ خدا سنا کہ جس کی خبر حضرت موسیٰ بن عمران نے دی تھی۔

۱۲-جس کے حضور میں جبریل کے پر و بال بھی عاجز آگئے، وہاں آپ پہنچ گئے اور شوق سے سلسلہ جنبانی کی۔

۱۳-آپ نے دل سے خدا تعالیٰ کے جاہ و جلال کی سچی گواہی دی۔ آپ کی نگاہِ پاک ہی رحمانی صنعت (تخلیق) کی بصیرت رکھتی ہے۔

۱۴-آپ ہی نے انسانی تمدن میں تازہ روح پھونکی۔ آپ ہی نے دنیا میں رہبانی کی بنیاد کو تہہ و بالا کر دیا۔

۱۵-آپ ہی نے شراب کو عقل کو ڈھانپنے والا قرار دیا۔ آپ ہی نے شراب کو ام الخبائث (برائیوں کی جڑ) کہا۔

۱۶-آپ ہی نے حقیقت میں صدق و صفا کا مظاہرہ کیا۔ آپ ہی نے آنے والوں کی عظمت کو روشنی بخشی۔

۱۷-آپ ہی کی وجہ سے انسانوں کی حقیقت واضح بھی ہوئی اور روشن بھی ہوئی۔ آپ ہی کی وجہ سے عورتوں کے حقوق متعین بھی ہوئے اور محکم بھی۔

۱۸-آپ کی جوانمردی نے امت کو صاحب شوکت بنادیا۔آپ کی شان وشوکت نے غلاموں کو سلطان بنادیا۔

۱۹-آپ نے رحمن سے اس قوم کے لیے معافی کی درخواست کی جب اس نے آپ کے موتیوں جیسے دانتوں کو پتھروں سے زخمی کردیا۔

۲۰-آپ نے چچااور بیٹی کے قاتلوں کو بھی معاف کردیاجب انھوں نے ایمان قبول کرلیااور مسلمان ہوگئے۔

۲۱-آپ نے ظالموں کی ہلاکت پر بھی رضامندی کااظہار نہ کیا،اس لیے کہ شایدان کی نسلیں اسلام کو قبول کرلیں گی۔

۲۲-آپ کے عدل اور رحمت سے سینکڑوں دشمن فیض یاب ہوگئے۔ان جنگوں میں جن میں اپنی رسوائی کاسامان کیا۔

۲۳-خیبر اور حنین میرے دو گواہ ہیں کہ جن میں آپ نے فتح پانے کے بعد احسان واکرام کیا۔

۲۴-طاقت اور فوجوں کی ضرورت نہیں،اس لیے کہ آپ کے قرآن کے ابلاغ نے فتح مبین عطافرمادی۔

۲۵-خداتعالیٰ ایک ہےاور اس کاپیغام بھی یکتا ہے۔آپ مخلوق خداکووہی پیغام سنارہے ہیں۔

۲۶-آپ دوست اور دشمن کے لیے امن وسلامتی کادروازہ کھولتے ہیں۔آپ دشمنوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے والے ہیں۔

۲۷-آپ خود یتیم ہیں اس لیے یتیموں کے لیے وجہِ تشفی ہیں۔خداتعالیٰ کی محبت آپ کو باپ کی محبت سے زیادہ حاصل ہے۔

۲۸-آپ عبد کہلاتے ہیں اور اس کی حقیقت کے شناساہیں کہ آپ کی عبودیت حضرت سلیمان سے بھی بڑھ کر ہے۔

۲۹-آپ آفتاب ہیں اور حمد وتعریف کا مجسمہ ہیں۔آپ چاند ہیں اور بزرگی کی مملکت میں روشنی پھیلانے والے ہیں۔

۳۰-آپ سے بڑھ کراور دنیامیں کسی کی تعریف نہیں کی گئی اور آپ سے بڑھ کر کسی نے خداتعالیٰ کی حمد نہیں کی۔

۳۱-دنیااور زمانے نے آپ کو محمد اور احمد کہا۔آپ ذاتِ خداوندی سے تعریف کیے گئے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔

۳۲-آپ ہمارے لیے رؤف ورحیم ہیں اور خداتعالیٰ تمام کائنات کے لیے رؤف ورحیم ہیں۔اگر نادانی کی بات کہوں تو کیا فائدہ؟

۳۳-آپ سراپا رحمت ہیں اور ہمارے جہاں کو پیدا کرنے والا رحمن ہے۔ ہزار شکر کہ ہماری چھپے ہوئے خزانے پر رسائی ہو گی۔

۳۴-ادب سے یہ بات واجب اور ممکن نہ ہو گی کہ یہ دنیا آپ ہی کے طفیل وجود میں آئی ہے۔

۳۵-آپ استعارہ اور تشبیہ سے بلند تر ہیں۔ آپ خود بے مثال صاحب برکت ہیں۔

۳۶-کتنی خوب صورت بات حضرت صدیقؓ نے آپ کے بارے میں کہی ہے' بلکہ موتی پروئے ہیں' کہ آپ کا روئے مبارک ہی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

۳۷-آپ کے مبلغ مخلوق خدا کو اخلاق کا سبق دیتے ہیں' اس لیے کہ مخلوق کی خیر خواہی مسلمانوں پر لازم ہے۔

۳۸-آپ کی طرف سے خوش خبری دینے والے ہمیں یہ پیغام دیتے ہیں کہ دین کا کام تمام تر خوش خبری دینا بھی ہے اور آسان بھی ہے۔

۳۹-آپ ہی کی بدولت ہزار صدیاں گزرنے پر بھی جہان والوں تک آپ کا پیغام پہنچ رہا ہے۔

۴۰-کہ دین مکمل ہو گیا اور نعمت خداوندی تمام ہوئی۔ نوعِ انسانی کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنی رضا کو پسند کیا۔

۴۱-جب خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں' انسانوں اور جنوں سے آپ کی ثنا کیسے ہو سکتی ہے۔

۴۲-الٰہی! تیری درگاہ میں میری یہ گزارش ہے۔ مجھے امید ہے کہ قبولیت سے شرف یاب ہوں گا۔

۴۳-جس وقت میری روح میرے جسم سے علیحدہ ہو، جب کہ موت ہی سب پوشیدہ دردوں کا علاج ہو۔

۴۴-اس قبر میں کہ جو میرے دل کی مانند تنگ و تاریک ہے، آپؐ کا جمال صبح کے نور کی مانند مجھے جلوہ دکھائے۔

۴۵-فرشتوں (منکر نکیر) کی نگاہوں کو بہارِ تازہ بخش دے، تاکہ وہ مجھے قبر کی تنگی اور سوال و جواب سے بری کر دیں۔

۴۶-میرے فارسی ہم نام (حضرت سلمانؓ) کے صدق و اخلاص کا ہزارواں حصہ مجھے بھی عطا فرما۔

☆☆☆